کئی گروہ تھے۔ سب سے بڑا حصہ دار ڈیوئس برلن بنک تھا۔ اور یہ جماعت زیورخ ٹرسٹ کے نام سے موسوم تھی۔ بلغیریا نے ان لائنوں کو کمپنی کے حوالے کرنے سے انکار کر کے خود ہی متمتع ہونے کا حق خریدنا چاہا۔ کمپنی اس پر راضی تھی لیکن سلطنت عثمانیہ نے پہلے استرداد ریلوے کا مطالبہ کیا۔ صوفیا اب اس مطالبے کو پورا نہیں کر سکتا تھا کیونکہ ایسا کرنے میں ملک میں خطرناک شورش کا اندیشہ تھا۔ اس مشکل سے بچنے کی صرف ایک صورت تھی وہ یہ کہ خود مختاری کا اعلان کر دیا جائے۔

باوجود اس کے بلغیریا نہیں چاہتا تھا کہ اس بنا پر ترکی سے دست و گریباں ہو جائے۔ گو وہ بہت پہلے سے جنگی تیاری کر چکا تھا اور اب اس قابل تھا کہ تھوڑے ہی وقفے میں دو لاکھ کی فوج تھریس اور مقدونیہ روانہ کر دے۔ لیکن فرمانروایان بلغیریا نہیں چاہتے تھے کہ بغیر یورپ کی پسندیدگی کے اس معرکے میں کود پڑیں۔ بلغاریوں کو آسٹریا سے جس نے بوسنہ، ہرزیگووینہ شامل کر لیا تھا کچھ ڈر نہ تھا جس کی زیادہ تر وجہ یہ بھی تھی کہ پرنس فرڈیننڈ نے شہنشاہ فرانسس جوزف سے اس بارے میں پہلے ہی اجازت لے لی تھی اور ان دونوں میں گویا سمجھوتا ہو گیا تھا لیکن بلغاریوں کو ڈر تھا تو روس اور انگلستان سے جن کی ناخوشی آگے چل کر مخالفت کی شکل اختیار کر لیتی اس لئے شاہ فرڈیننڈ نے مصلحت یہی سمجھی کہ سلطنت عثمانیہ کو بلغیریا کی دوستی کا یقین دلایا جائے۔ ۵/ اکتوبر کو ۴ بجکے بیس منٹ پر اس نے یہ عجیب تار سلطان کے نام روانہ کیا۔

اعلیحضرت۔ اس عطوفت کی بدولت جو اعلیحضرت کو مجھ سے ہے میرا دل ہمیشہ ذات سلطانی کی سچی محبت اور بے انتہا احترام و منزلت سے معمور ہے۔ اسی محبت اور احترام و منزلت کے باعث میں اعلیحضرت کو یہ مطلع کرنا اپنا فریضہ سمجھتا ہوں کہ آج میں نے اہل بلغاریا کی ناقابل انکار خواہش پر عمل پیرا ہو کے بلغیریا کی خود مختاری کا اعلان کر دیا ہے۔ اہل بلغاریا کو امید ہے کہ اس سے وہ تمام باتیں دور ہو جائیں گی جن کی وجہ سے ریاست ہذا اور سلطنت عثمانیہ میں بدگمانی اور بے اعتباری پیدا ہوئی ہے اور جو ان دوستانہ

تعلقات کی ترقی اور استحکام میں سدراہ ہے جن کا باہمی اغراض و مقاصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے قائم رہنا ضروری ہے مجھے اور اہل بلغاریا کو یقین واثق ہے کہ رعایا کی اس تحریک پر اعلیحضرت اظہار خوشنودی فرمائیں گے۔ میں اعلیحضرت کو یہ یقین دلانے کی جراءت کرتا ہوں کہ میں اور میری رعایا اسی طریقے سے اعلیحضرت کے غایت شکر گزار رہیں گے جس طرح کہ سابق میں تھے۔ اور پہلے ہی کی طرح رعایائے عثمانی کی مخلصانہ دوستی و ہمدردی ہمارے دلوں میں ہمیشہ قائم رہے گی"۔

کامل پاشا نے اس کے جواب میں جو تار بھیجا وہ حسب ذیل ہے۔

میرے بلند مرتبہ آقا اعلیحضرت سلطان المعظم نے مجھے وہ تار دیا جس میں بندگان عالی نے اغراض کو بیان کیا ہے جن کی وجہ سے خود مختاری کا اعلان کیا گیا۔ یورر ایل ہائینس نے اعلیحضرت سلطان المعظم اور عثمانی رعایا کے متعلق جس خلوص اور سچی محبت کا یقین دلایا ہے اس کی قدر کرتے ہوئے یہ ظاہر کرنا ضروری ہے کہ حکومت اور رعایا کو اس کارروائی پر سخت حیرت ہے جس سے ان تعلقات پر گہرا اثر پڑتا ہے جو بروے معاہدہ سلطنت عثمانیہ اور ریاست بلغیریا میں قائم تھے۔ بندگان عالی خود جانتے ہیں کہ ان ہر دو ممالک کے باہمی تعلقات معاہدۂ برلن کے ذریعے سے طے ہوئے ہیں۔ تنہا بلغیریا کو اس تصفیے کا حق نہیں ہے جو موجودہ فیصلوں کے منافی ہو۔ سلطان المعظم کی حکومت اس کے سوا کچھ نہیں کر سکتی کہ اپنے وہ حقوق محفوظ رکھے جو اس تصفیے سے متاثر ہوئے ہیں اور ان دول ستہ کے تائیدی فیصلے کا انتظار کرے جن کے ان معاہدوں پر دستخط ہوئے ہیں جو ریاست بلغیریا کے متعلق ہیں۔

اس کے ساتھ ہی ساتھ بالعالی نے ایک گشتی سفرا کو بھی بھیجی جس میں بلغیریا کی عہد شکنی پر احتجاج کیا گیا تھا۔ اور دول ستۂ اکبر کو ایک کانفرنس کے منعقد کرنے کی تحریک کی گئی تھی جو ان حالات و اسباب پر غور کرے جو بلغاریا اور مشرقی رومیلیا میں دوبارہ باضابطہ نظم قائم کرنے کے لئے ضروری تھے۔

گو حکومت وائنا نے عدم الحاق بوسنہ وہرزیگووینیہ کے متعلق یقین دلایا تھا لیکن یہ پہلے ہی سے سمجھ لیا گیا تھا اور اسی وجہ سے الحاق بوسنہ وہرزیگووینیہ سے

ترک اس قدر ناراض و ششدر نہیں ہوئے جس قدر بلغاریا کی خود مختاری سے انہیں صدمہ پہنچا بات یہ تھی کہ آسٹریا ہنگری بلغیریا کے مقابلے میں بہت زبردست دشمن تھا۔ ترکی کو خیال تھا کہ انگلستان اور روس آسٹریا کے مقابلے میں اس کی تائید کریں گے۔ اور اہل صربستان اور مانٹینگرو کی اس میں کچھ ناخوشی بھی نہ ہوگی کیونکہ الحاق بوسنہ و ہرزیگووینیہ سے ان کی امیدوں پر جو یوگوسلیویا سلطنت قائم کرنے کی تھیں پانی پھر گیا تھا۔ ۹/ اکتوبر کو وزیر خارجہ نے ایک اعتراض آسٹریا وہنگری سفارت خانے کو بھیجا اور ایک نوٹ سفرائے دول کو لکھا جس میں اس اعتراض کو بیان کیا گیا تھا اور جن دول نے معاہدۂ برلن پر دستخط کئے تھے ان سے حقوق ترکی کی بین الاقوامی قانون سے حفاظت کرنے کی درخواست کی تھی۔ آسٹریا ہنگری نے ان دونوں صوبوں کے بدلے سنجک نودی بازار ترکی کو معاوضے میں دیا جہاں آسٹروی ترکی معاہدے سے ۲۱/ اپریل ۱۸۷۹ء میں ایک دستہ ترکی فوج کا رہتا تھا اس سے ترکوں کی کسی حد تک اشک شوئی ہوگئی اور ساتھ ہی ساتھ ان حریفوں کو بھی جو مشرق کی طرف بڑھ رہے تھے۔ نووی بازار کی واپسی سے اطمینان ہوگیا کہ آسٹریا کا ارادہ سالونیکا کے قبضے کا نہیں ہے۔

اب رہا یونان سے اکریت کا الحاق سو یہ خود اکریتیوں کا فعل تھا جو بلغاروی خود مختاری کے ضمن میں ظہور پذیر ہوا تھا اور یہ مشرقی رومیلیا کے بلغاروی قبضے پر جہاں ساٹھ ہزار یونانیوں کی آبادی تھی ایک احتجاج تھا۔ یونانیوں نے سمجھ لیا تھا کہ اب ترک مشرقی رومیلیا کو بلغارویوں سے نہیں لے سکتے۔ ایتھنس میں جب یہ خبر معلوم ہوئی تو وہ اکریتیوں کے ارادے پر اتنے ہی متحیر ہوئے جتنے ترکوں کے اس ادعا پر کہ یونانی حکومت نے اکریتیوں کو یونان سے ملنے کی ترغیب دی۔ اگر ترکوں کا ادعا صحیح ہوتا تو یونانی ان لوگوں کو ضرور اپنی رعایا بنا لیتے جو اپنے کو یونان کی حفاظت میں دے رہے تھے۔ اور جلد اکریت پر بسمارک کے اس قول کے مطابق قابض ہو جاتے کہ "مبارک ہیں وہ لوگ جو مالک ہیں"۔ بجائے اس کے حکومت یونان نے باب عالی کو بعجلت ممکنہ یہ یقین دلایا کہ اسے اکریتی واقعے سے کوئی تعلق نہیں اور چند جلد باز یونانیوں کی سرگرمی کے باوجود اس نے اکریتیوں کی خواہش کو پورا نہیں کیا۔ اس وقت یہ کہا گیا کہ شاہ جارج اور اس کی گورنمنٹ سے

یورپین سفرا نے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ مشرقی گتھی کو اکریت پر قبضہ کر کے اور پیچیدہ نہ کرے گا تو جزیرے کی طرف سے اس کا معاوضہ مالی صورت میں ادا کر دیا جائے گا۔ اگر یہ واقعہ صحیح ہے اور بظاہر اس کی اصلیت بھی معلوم ہوتی ہے تو یونان برطانیہ عظمیٰ کے اس وقت کے وعدوں کو نہ بھولتا جب کہ اس نے جنگ ترکی و روس میں یونان کو شرکت سے منع کیا تھا۔ معاہدۂ برلن سے پیرس اور تھسلی یونان کو ملا تھا لیکن تھسلی کے قبضے میں اس کو سخت دشواری تھی۔ اگر وہ روس کے ساتھ ۱۸۷۷ء کی جنگ میں شریک ہو جاتا تو یہ دونوں صوبے اس کو فتح کی تقسیم میں ملتے اور بحیثیت فاتح اس کا قبضہ ہو جاتا۔

قسطنطنیہ میں اب ایک سوال زیر غور تھا وہ یہ کہ کیا ترکی کو جنگ کرنا چاہیے؟ اس معاملے میں دو مخالف رائیں تھیں۔ ایک تو صلح کی جانب تھی۔ اور یہ نوجوان ترک کمیٹی کی رائے تھی۔ اس لئے کہ کمیٹی یہ بخوبی جانتی تھی کہ جنگ دستوری آزادی کا خاتمہ کر دے گی اور سلطان مطلق العنان ہو جائے گا۔ دوسری رائے جنگ کی جانب تھی اور یہ رائے مخالفِ دستور جماعت کی تھی۔ صدر اعظم کامل پاشا دونوں جانب تھا۔ وزرا چونکہ صلح کی طرف تھے اس لئے وہ بھی اپنے کو صلح کا طرفدار ظاہر کرتا تھا لیکن درحقیقت وہ جنگ کا حامی تھا۔ اپنے خفیہ کارپردازوں کے ذریعے سے سلطان نے عوام کو بلغاریا کے خلاف مشتعل کرنے کی کوشش کی۔ کامل پاشا نے ردیف اناطولیہ کو جنگی تیاری کا حکم دے کر جنگ کا سامان تقریباً مکمل کر دیا تھا اس تدبیر سے اس کا مقصد جنگ کے سوا اور کچھ نہ تھا لیکن بظاہر یہ باور کرا دیا گیا کہ وزیر جنگ نے حفظ ما تقدم کے لئے یہ فوجی انتظام مناسب سمجھا ہے خوش قسمتی سے سفیر فرانس نے بر وقت مداخلت کی اور جنگ ہوتے ہوتے رہ گئی۔ کمیٹی نے گورنمنٹ کی طرف سے باہمی مفاہمت کے لئے شاہ فرڈیننڈ سے خط و کتابت شروع کی۔ (۱۸/ اکتوبر) کو ابتدائی امور طے ہونے پر ایم ڈمٹریف ناظم سیاسیات صوفیا اور ایم اسٹویانوف صدر عہدہ دار تلغراف ڈاک خانہ قسطنطنیہ آئے تا کہ سرکاری طور پر ترکی و بلغاریہ کے درمیان تصفیہ کر دیا جائے لیکن ۲۳/ کو گفت و شنید منقطع ہو گئی اور دونوں بلغاری صوفیہ واپس چلے گئے

سفیر انگلستان در پردہ اس باہمی تصفیے کا مخالف تھا۔ حکومت برطانیہ نہیں چاہتی تھی کہ براہ راست باہمی سمجھوتہ ہو اس لئے بین الاقوامی مجالس کے اصول کو یہ حکومت بہت بڑی ہمت دے رہی تھی۔

کانفرنس اور براہِ راست مفاہمت

کامل پاشا چونکہ انگلستان کا ہوا خواہ تھا اس لئے اس نے کانفرنس کے منعقد کئے جانے پر بہت کچھ زور دیا اس کے علاوہ ترکی نے بھی اپنے احتجاجی نوٹ میں جو ۶ر اکتوبر کو بھیجا گیا تھا کانفرنس ہی کا مطالبہ کیا تھا لیکن اس کے برخلاف ترکی کا طبقۂ حکام، وزرا اور نوجوان ترک یہ سمجھے ہوئے تھے کہ کانفرنس ترکی کے لئے مفید ثابت نہ ہوگی لارڈ گرے اور اسوالسکی کا پروگرام مشتبہ تھا اور مشتبہ ہونے کی وجہ بھی تھی کیونکہ ترکوں کو معاہدۂ درۂ دانیال و باسفورس کی نظر ثانی کا خوف تھا اور وہ ڈرتے تھے کہ کہیں روسی جنگی جہازوں کے لئے یہ راستے کھول دیئے نہ جائیں یا بین الاقوامی نقطۂ نظر سے ترکی مالیے کی کہیں اصلاح نہ کی جائے۔ بہرحال ان کا خدشہ انھیں امور پر مبنی تھا جس پیش نامے پر لندن، سینٹ پیٹرزبرگ اور پیرس کی حکومتوں نے اتفاق کیا وہ حسب ذیل تھا۔

۱۔ بلغاریہ کی خود مختاری کو تسلیم کرنا۔ بلغاریہ کی ترکی کو ایک معینہ رقم کی ادائی ونیز ضبط شدہ ریلوے کا تصفیہ۔

۲۔ آسٹریا کے الحاق بوسنہ وہرزیگوونیہ کا اندراج۔

۳۔ بازگشت سنجک نووی بازار بہ ترکی۔

۴۔ اعتراف خود مختاری اکریت اور اس کا یونان سے الحاق۔ اور حسب شرط دفعہ ۲۳ معاہدۂ برلن یونان کی ترکی کو ایک معین رقم کی ادائی۔ اب رہے ترکی کے وہ

وعدے جو علاقۂ یورپ میں کئے گئے تھے۔ سو وہ ترکی کے اطمینان بخش انتظامات کے بعد کالعدم کر دئے جائیں گے۔

۵۔ یہی صورت دفعہ ۶۱ کی ہو گی جو آرمینی ممالک کے متعلق ہے۔

۶۔ سیادت مانٹینگرو کے متعلق جو قیود ہیں ان کی تنسیخ جس کے لئے ایک دفعہ ہو گی اور جو معاہدۂ برلن کے دفعات ۲۶ و ۳۳ کے معاوضے میں رہے گی۔

۷۔ معاوضہ بہ مانٹینگرو و صربستان۔

۸۔ معاہدۂ طونہ کی نظر ثانی اور ڈینوب کے کنارہ کی مملکتوں کے ان حقوق میں اضافہ جن کا جو معاہدۂ برلن کے دفعات ۴۳ و ۵۷ میں ذکر ہے۔

۹۔ معاہدوں اور ممالک غیر کے ڈاکخانوں کے انتظام کو اس خاص اعلان کے تحت کر دیا گیا تھا کہ ترکی کی جدید دستوری حکومت یورپین اصول پر عدالتی انتظامات اور قانونی اصلاحات کرنا چاہتی ہے۔ ان اصلاحات کی عمل پیرائی کے لئے دول یورپ سلطنت عثمانیہ کے ساتھ شریک ہونے کو تیار ہیں تاکہ قدیم معاہدات کی جگہ اس قسم کے نئے معاہدات کی تکمیل پر غور کیا جا سکے جو دول جدید کے مابین کئے گئے ہیں۔ پس موجودہ انتظام کے تحت ممالک غیر کے ڈاک خانوں کے انسداد کے جواز پر غور کیا جائے گا۔"

سلطنت عثمانیہ کو یہ دستور العمل ذرا بھی پسند نہ آیا۔ اس نے معاہدۂ برلن کے دفعات ۲۳ و ۶۱ کی بحث پر اعتراض کیا۔ اور یہ حجت پیش کی کہ دور جدید ان شرائط کو پورا کر رہا ہے۔ یونان سے اکریت کے الحاق پر بحث کرنے سے اس نے انکار کر دیا اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ جزیرۂ مذکور دول اربعہ کی حفاظت میں دیا گیا ہے اور وہ اس بارے میں ترکی کے سامنے جواب دہ ہیں یہ قدیم معاہدات کی تنسیخ کے لئے اس نے جاپان کی طرح چند سال کی مہلت مانگی۔ اور اس بات کا اطمینان کر لینا چاہا کہ مانٹینگرو اور صربستان کو جو معاوضہ دیا جائے گا اس سے سلطنت عثمانیہ کو کسی قسم کا نقصان تو نہ ہو گا؟

دفعات ۲۳ و ۶۱ کی تنسیخ کے متعلق ترکوں کو یہ سبز باغ دکھایا گیا تھا کہ جب وہ اطمینان بخش انتظامات کر لیں گے تو یہ دفعات کالعدم کر دیے جائیں گے لیکن فی الحال تو ترک ان کی طرف سے شکنجے میں پھنسے ہوئے تھے۔ یہ لازمی امر تھا کہ ترک اس طرز عمل کے خلاف احتجاج کرتے مقدونیہ میں شورش اس وجہ سے تھم گئی تھی کہ تمام

قوموں نے دستور کو بالاتفاق قبول کر لیا تھا اور اس پر کاربند رہنا چاہتے تھے کیونکہ اس کے ذریعے سے سب کے لئے مساوات و آزادی کا وعدہ کیا گیا تھا۔ دول کی طرف سے ترکی کے اندرونی معاملات میں مداخلت کا یہی نتیجہ نکل سکتا تھا کہ حریت پسند ترکوں کی دستور پر بہترین طریقے پر عامل ہونے کی تمام کوششیں معدوم ہو جائیں اور دستور کی مخالفت کی جائے۔

کانفرنس کے دستور العمل میں ترکی، صربستان اور مانٹینگرو کے معاوضے کا بھی سوال تھا۔ جہاں تک ترکی کا اس سوال سے تعلق تھا یہ بالکل واجبی بات تھی کیونکہ بلغاریہ کے اعلان خودمختاری نیز آسٹریا کے الحاق بوسنہ وہرزیگوونیہ، اور اکریت اور یونان کے باہمی اتحاد سے اس کی سیادت پر کاری ضرب لگی تھی اس میں شک نہیں کہ بلغیریا کا تعلق سلطنت عثمانیہ سے صرف برائے نام تھا۔ اور یہ بھی ہر شخص جانتا تھا کہ آسٹریا ہنگری، بوسنہ وہرزیگوونیہ کو کبھی ترکی کے حوالے نہ کرے گا کیونکہ قبضے کے متعلق معاہدات میں ان دونوں صوبوں کی حدبندی نہیں کی گئی تھی۔ اکریت کا ترکوں کے تسلط سے خارج ہونا بھی ظاہر تھا خصوصاً اس وقت سے جب کہ دول اربعہ نے شاہ جارج کو اکریت کے ہائی کمشنر کے تقرر کا اختیار دیا تھا اکریت کو سلطنت عثمانیہ سے تعلق باقی نہ تھا لیکن اس پر بھی سیادت ترکی کا ان ممالک پر سے اٹھ جانا کچھ نہیں تو اخلاقی حیثیت سے ترکی کے لئے بہت کچھ نقصان کا باعث تھا۔

گو بلغیریا کے اعلان خودمختاری سے صربستان، و مانٹینگرو پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا لیکن ان دو صقلبی سلطنتوں نے اپنی ہمقوم سلطنت کی آزادی پر احتجاج کیا۔ الحاق بوسنہ وہرزیگوونیہ سے گو صربستان کی نہایت سخت حوصلہ فرسائی ہوئی تھی لیکن اس سے صربستان و مانٹینگرو اور آسٹریا ہنگری کے تعلقات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔

سوال یہ تھا کہ ترکی، مانٹینگرو، اور صربستان کو کس قسم کا معاوضہ دیا جائے گا۔ یہ تو ظاہر تھا کہ ترکی کو کسی قسم کا معاوضہ بشکل مملکت نہیں دیا جا سکتا تھا یہ سوال تو سرے ہی سے خارج از بحث تھا اب جو سوال تھا وہ مالی معاوضے کے متعلق تھا۔

یہ خیال نہیں کیا جا سکتا تھا کہ اگر ترکی آسٹریا اور بلغیریا سے براہ راست معاملت کرتی تو اُسے کانفرنس کے مقابلے میں زیادہ فائدہ ہو سکتا تھا۔ معاہدۂ برلن

کی رو سے یہ طے کیا گیا تھا کہ ریاست بلغیریا بابعالی کو خراج دیا کرے لیکن رقم معین نہیں کی گئی تھی اور جن دول نے دستخط کئے تھے انھوں نے ترکی کے مطالبے پر کوئی توجہ ہی نہیں کی تھی۔ کیا یہ ممکن تھا کہ کانفرنس ایک خود مختار ملک پر وہ سابقہ خراج عاید کرتی جو باجگزاری کی حالت میں بھی اس پر قطعی طور پر عاید نہیں کیا گیا تھا؟ اب رہا سلطنت عثمانیہ کا قرض عامہ سو معاہدۂ برلن کی دفعہ ۹ کی رو سے ریاست پر بھی ایک حصے کی ادائی واجب کی گئی تھی لیکن جس طرح خراج کا تعین نہیں کیا گیا تھا۔ اسی طرح قرض کا بھی تعین نہیں کیا گیا تھا۔ کیا کانفرنس سے اس مسئلے کے طے کرنے کی توقع ہو سکتی تھی۔ اور اگر ہو سکتی تھی تو خیال کرنا چاہیئے کہ اس میں وہ کہاں تک کامیاب ہو سکتی تھی۔

دفعہ ۹ کے تحت قرض عامہ کی ادائی میں صربستان و مانٹینگرو بھی شریک تھے اور چونکہ کانفرنس ان دونوں ممالک کو معاوضہ دلانا چاہتی تھی اس لئے متذکرۂ بالا سوالات کو چھیڑنے کی صورت میں کانفرنس کا آغاز ان دونوں ممالک کی مالی تباہی سے ہوتا اس لئے امید نہ تھی کہ کانفرنس اس مبحث کو چھیڑتی اور ساتھ ہی ساتھ جب صربستان اور مانٹینگرو کو حصۂ قرضہ سے معاف رکھا گیا تھا تو بلغیریا کو اس کی ادائی کے لئے مجبور نہیں کیا جا سکتا تھا۔

اس وقت یہ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ مانٹینگرو اور صربستان کو کس قسم کا معاوضہ دیا جائے گا۔ معاہدۂ برلن کے وہ دفعات جن سے مانٹینگرو پر حقوق سیادت کی حد بندی کی گئی تھی اب باقی نہ تھے لیکن دستور العمل کانفرنس کے ساتویں فقرے کے لحاظ سے یہ معاوضہ نہ تھا۔ پھر معاوضہ کیا تھا اس کے لئے ہم کو ان ممالک کے مطمح نظر کی طرف رجوع ہونا چاہئے۔ ان کا مطمح نظر سنجک نووی بازار تھا جسے وہ آپس میں بانٹ لینا چاہتے تھے لیکن آسٹریا صرف اسی صورت میں تخلیہ کرنے پر رضامند ہو سکتا تھا کہ اس سرزمین میں سے ایک انچ بھی مانٹینگرو اور صربستان کو نہ دی جاتی علاوہ ازیں مانٹینگرو اور صربستان کو ترکی سے معاوضہ دلانا کانفرنس کا نہایت مضحکہ آمیز انصاف مقصود ہوتا۔

وائنا میں کانفرنس کے متعلق نہایت سرد مہری کا اظہار ہوا۔ حکومت آسٹریا ہینگری نے کانفرنس میں شریک ہونے سے صاف انکار تو نہیں کیا مگر ناممکن شرطیں پیش کیں۔

یعنی الحاق بوسنہ و ہرزیگوونیہ کے متعلق کوئی بحث نہ کی جائے بلکہ بلا چون وچرا تسلیم کر لیا جائے۔ الحاق بوسنہ سے صربستان معاوضے کا مدعی نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ معاملہ آسٹریا اور ترکی کا تھا۔ ایک بلقانی ریاست سنجک سے معاوضہ پانے کی مستحق نہیں۔ اب بحث طلب معاملہ آسٹریا کے نزدیک ڈینوب ایڈریاٹک ریلوے کا تھا جس کے متعلق حکومت آسٹریا نے منظوری دیدی تھی۔ اور چونکہ ریلوے لائن ترکی علاقے میں سے گزرتی تھی اس لحاظ سے اس معاملے کی اہمیت ترکی کی حد تک ہی تھی۔ جرمنی نے آسٹریا ہنگری کی تائید کی آسٹریا ہنگری نے جنگ کی تیاری کر لی تھیں اس لئے اس نے علانیہ صربستان پر حملہ آوری کا قصد ظاہر کیا۔ ادھر صربستان نے بھی روس کے بل پر اپنے زبردست ہمسائے سے مقابلے کے لئے آمادگی ظاہر کی۔

روس ان واقعات کے لئے تیار نہ تھا جو بلقان میں پے در پے گزر رہے تھے جن کی وجہ سے اس کو سخت صدمہ ہوا تھا۔ دستور عثمانی کا دوبارہ قیام ایک ایسا واقعہ تھا جسے روس نے مثل دیگر اقوام کے ناممکن تصور کیا تھا۔ ترکی میں حکومت دستوری اغراض روس کے منافی تھی اس لئے کہ روس کو آرمینیا کے امن وانتظام میں مداخلت کا موقع نہیں مل سکتا تھا۔ بلغیریا کے اعلان خود مختاری سے بھی بلقان میں روسی اثر کو سخت صدمہ پہنچا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ یہ خود مختاری بغیر اس کی وساطت کے حاصل کی گئی تھی۔ اور سینٹ پیٹرز برگ اور ہوئزٹگ میں عہد و پیمان ہونے کے باوجود اسٹریا نے روس کو فریب دیدیا اور تمام نفع کا تنہا مالک بن بیٹھا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے الحاق بوسنہ و ہرزیگوونیہ پر اظہار ناخوشی کیا حالانکہ جیسا کہ بعد میں روسی اور آسٹروی اخبارات سے گل کھلا ایم اسوالسکی سے بیرن ڈھیرنتل نے پہلے ہی اس معاملے کو صاف کر لیا تھا۔ اور ایم اسوالسکی نے اس طریقۂ کار سے اتفاق بھی کیا تھا اور نیز صربستان اور مانٹینگرو کے مطالبات کی بھی تائید بھی کی تھی۔ یہی سبب ہے کہ روس اور روس سے بڑھ کر انگلستان اس کانفرنس کا متمنی تھا اور ان دونوں کا خیال تھا کہ اس سے جرمنی اور آسٹریا کا زور ٹوٹ جائے گا جرمنی کی "مشرق کی طرف پیشقدمی" رک جائے گی۔ وہ اور اس کے حلیف محصور کر لئے جائیں گے۔

براہ راست سمجھوتہ اگر ہوتا تو کانفرنس کی ضرورت باقی نہ رہتی اس لئے انگلستان کی طرف سے کامل پاشا کو انسداد مراسلت کے لئے لکھا گیا جو نوجوان ترکی کمیٹی اور بلغاریوں میں ہو رہی تھی اور یہ اصرار کیا گیا کہ سلطنت عثمانیہ کی روش بلغاریا اور آسٹریا کے ساتھ مصالحت کے خلاف رہے لیکن فرانس اعتدال کا حامی تھا۔ اس کے اثر سے انگلستان کو ترکی اور بلغاریا اور آسٹریا ہنگری کے براہ راست سمجھوتے کے اصول کو تسلیم کرنا پڑا چنانچہ یہ طے پایا کہ پہلے ترک بلغاری اور آسٹرو ہنگری آپس میں تصفیہ کر لیں۔ اس کے بعد اس مسئلے کو کانفرنس میں پیش کریں کانفرنس اس کا اندراج کر لے گی۔ اس سے کانفرنس کا منشاء فوت ہو گیا۔

۲۷ر اکتوبر کو فرانس، برطانیہ عظمیٰ، اور روس کے نمائندوں نے حکومت بلغاریا کو ایک نوٹ بھیجا جس میں قسطنطنیہ کو نیابت بھیجنے کے واسطے لکھا تھا کہ ترکی کے لئے معاوضے کا تصفیہ ہو جائے۔ اور بلغاری خود مختاری کی توثیق کی جائے۔ جرمنی اور اطالیہ نے اس نوٹ پر اظہار پسندیدگی کیا۔ اس کے ساتھ ہی دول ثلاثہ نے بلغاریا کو فوج کے برخاست کر دینے کا مشورہ دیا چنانچہ حکومت صوفیا نے پچھتر ہزار کی محفوظ فوج کو الگ کر دیا۔ آسٹریا ہنگری کو اس نوٹ کی پہلے ہی خبر ہو چکی تھی۔ اس نے بلغاریا کو اس نوٹ پر عمل پیرائی کی رائے دی۔ ۳۰ر اکتوبر کو ایم لیاشف وزیر تجارت اور ایم مشیف مستقل معتمد وزارت خارجہ بحیثیت سفرا صوفیا سے قسطنطنیہ آئے ترکی کی طرف سے جبرئیل افندی نوراڈونگھیس وزیر تجارت اس گفت و شنید پر مامور کیا گیا۔

عثمانی مجلس نیابت (پارلیمنٹ) جنگ اقتدار۔ معزولی کامل پاشا

۱۳ر جنوری ۱۹۰۹ء

دستور کے مطابق مجلس نیابت (پارلیمنٹ) کا اجلاس نومبر ۱۴ کو ہونا چاہئے تھا

لیکن نومبر کے آغاز میں انتخابات ہی نہیں ہوے تھے۔ طریقۂ انتخاب نمائندگان اور انتظام حکومت کا ایک خاکہ کھینچ دیا گیا تھا۔ پارلیمنٹ کے کام کے متعلق کوئی ذکر نہ تھا۔ نتیجہ یہ تھا کہ اس خاکے سے جو انتخابی طریقۂ عمل میں آیا وہ نہایت الجھا ہوا تھا جس سے ووٹ میں ہر طرح سے عیاری کیجا سکتی تھی قیود ایسے غیر واضح اور غیر صریح تھے کہ انتظامی جماعت اپنے حسب منشا نتیجہ اخذ کر کے عیسائی رائے دہندگان کو اپنے اختیار پر منظور و نامنظور کر رہی تھی۔ انتخابات ضلع واری ہیں۔ اور "ہر سنجک" اور "متصرفت" کو پچاس ہزار کی آبادی ذکور سے ایک نمائندہ بھیجنے کا حق ہے۔ آبادی کے پچاس ہزار سے بڑھ جانے اور پچیس ہزار سے اوپر ہو جانے کی صورت میں ایک اور نمایندہ منتخب کیا جا سکتا ہے۔ انتخاب کے دو درجے ہیں۔ پہلے درجے کے انتخاب کنندگان ڈھائی سو سے پانچ ہزار رائے دہندگان کی جماعت سے دوسرے درجے کے ایک انتخاب کنندہ کو نامزد کرتے ہیں ہر باضابطہ عثمانی باشندے کو جسے شہری حقوق حاصل ہیں اور جس کی عمر پچیس سال کی ہو اور جو بالواسطہ یا بلا واسطہ بیس قرش محاصل ادا کرے انتخاب کا حق ہے۔

کمیٹی میں اور آرمینیوں، بلغاریوں اور یونانیوں میں یہ طے ہو رہا تھا کہ انتخابات بلحاظ قومیت عمل میں آئیں اور تناسبی نمائندگی رکھی جاے اور اس طریقے سے مختلف اقوام میں تعداد نمایندگان مقرر کر دیجاے۔ کمیٹی اس مطالبے کو منظور کرنا چاہتی تھی مگر حکومت نے اس کارروائی کو آگے بڑھنے نہ دیا کیونکہ اس نے یہ تصفیہ کر لیا تھا کہ جہاں تک ہو سکے عیسائی عنصر کو پارلیمنٹ سے علیحدہ رکھا جاے۔ ان اضلاع میں جہاں عیسائی آبادی بڑھی ہوئی اور جہاں عیسائی نمایندے منتخب ہونے کی توقع تھی۔ کئی انتخابی حلقوں کو اس طریقے سے ملا دیا گیا کہ جہاں عیسائی زیادہ تھے وہاں سے انھیں دوسرے انتخابی حلقے میں منتقل کر کے جہاں مسلمانوں کی تعداد زیادہ تھی ان کی جگہ مسلمان بھرتی کئے جائیں۔ حالانکہ وہ اس علاقے سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔ اول درجے کے مسلمان انتخاب کنندگان ڈھائی سو کی جماعت سے ایک نمایندے کا انتخاب کرتے تو آرمینی، بلغاری اور یونانی سات سو یا ساڑھے سات سو کی جماعت سے۔ بعض مقامات میں انتخابی فہرستیں غلط بنائی گئیں چنانچہ

سمرنا میں اٹھارہ ہزار ترکی انتخاب کنندگان بے ضابطہ شریک کر لئے گئے۔ جب ان تمام ذرائع سے بھی کام نہ چلا تو حکومت نے خاموشی کے ساتھ پہلے درجے کے انتخابات کو باطل گروانا۔

ان بے ضابطگیوں پر یونانی بھڑک اٹھے۔ بطارکہ نے ایک احتجاجی عرضداشت صدر اعظم کو روانہ کی جس میں صاف طور پر لکھدیا تھا کہ اگر ان بے ضابطگیوں کا جو یونانیوں کے خلاف عمل میں آرہی ہیں علاج نہ کیا گیا تو وہ انتخاب سے باز آجائیں گے اور اپنے نمائندوں کو پارلیمنٹ میں نہیں بھیجیں گے۔ اس دھمکی سے شاید گورنمنٹ پر کچھ اثر نہ ہوتا لیکن خوف یہ تھا کہ اس بے انصافی سے یونانی اور بلغاری آپس کی قومی نفرت کو دور کر کے مسلمانوں کے مقابلے میں ایک نہ ہو جائیں۔ مسلمان امیدواروں کا اخراج قطعی ہوتا۔ اس میں شک نہیں کہ یورپین ترکی میں مسلمان انفرادی حیثیت سے بلغاریوں اور یونانیوں سے زیادہ ہیں لیکن اجتماعی حیثیت سے وہ ان دونوں سے گھٹے ہوئے ہیں پس ایسی صورت میں مسلمان امیدواروں کا اخراج قطعی تھا۔ صدر اعظم نے پہلے تو اس احتجاج کا جواب دیدیا تھا کہ ہم کچھ نہیں کر سکتے لیکن کمیٹی کی دخل دہی پر جس نے ان شکایات کو واجبی تسلیم کیا اس نے ان کی پابجائی کا وعدہ کیا۔

پیرا کے انتخابات میں ترک اور آرمینی یونانیوں کے مقابلے میں ایک ہو گئے تھے جس سے پھر معاملہ درہم برہم ہو گیا تھا۔ یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ترکوں کو جو نئے نئے پارلیمنٹ کی زندگی میں قدم رکھ رہے تھے دوسرے پارلیمنٹی ممالک کے جو اس میں چابکدست تھے سبق دینے کی ضرورت نہ تھی۔ حکومتی دباؤ، انتخابی حلقوں کی تقسیم، دوسرے درجے کے انتخاب کنندگان کے تقررات کے لئے پہلے درجے کے انتخاب کنندگان کی تعداد میں ناواجبی تبدیلی۔ ووٹوں کے ڈبوں میں دھوکے سے ووٹوں کا اضافہ کرنا فہرستوں کو غلط ٹھیرانا، عیسائی انتخاب کنندگان کو ووٹ سے باز رکھنا اور انھیں عیسائی رعایا تسلیم نہ کرنا غرض جملہ طریقے کام میں لائے گئے تھے۔ ۲۲/ نومبر یکشنبہ کو پیرا اور غلطہ سے تقریباً پچاس ہزار آدمی بالعالی کو شکایت کے لئے روانہ ہوئے۔ ان میں اور سوارہ فوج میں جھڑپ ہو جانے کا اندیشہ تھا لیکن کامل پاشا نے اس لڑائی سے فسادات بڑھنے کے خوف سے

فوج کو حکم دیدیا کہ تماشائیوں کی حیثیت سے اس واقعے میں حصہ لیں وزیر معدنیات وجنگلات مور دکور ڈار ٹو افنذی پر مجمع نے آوازے کسے اور اس کا تعاقب کیا۔ رسالے نے اسے ان کے ہاتھوں سے چھڑایا۔ اس ہنگامے کے بعد وزرا میں آپس میں چل گئی۔ حسن فہمی پاشا وزیر عدالت کو جواب انتخابی دغا بازیوں کا ذمہ دار ٹھیرایا گیا تو وہ بہت طیش میں آگیا اور اپنا استعفا پیش کیا اور ان دغا بازیوں کا قصوروار وزیر ممالک داخلی حقی بے کو ٹھیرایا۔ حقی بے نے اس پر گرم ہو کے آپ کو بے قصور ثابت کیا اور اس بدگمانی میں برسر خدمت رہنا قبول نہ کر کے اپنا استعفا پیش کیا۔ اس کے بعد مورو گورڈ ٹیو نے بھی جو وزارت عظمیٰ کا متمنی تھا اپنا استعفا پش کیا۔ یکے بعد دیگرے تمام وزرا نے مستعفی ہونے کی درخواست دی۔ دو دن تک کوئی یہ نہیں جانتا تھا کہ ابھی مجلس وزرا یا گورنمنٹ باقی ہے۔ بالآخر مجلس وزرا کی مداخلت سے یکسوئی ہوئی اور اس کے حکم سے تمام وزرا نے اپنا استعفا واپس لیا جسے کامل پاشا نے قبول نہ کیا تھا۔ اور یونان کو یہ اطمینان دلایا گیا کہ دار الخلافت کی طرف سے پارلیمنٹ میں دس یا گیارہ شہر کا ہونے کی صورت میں اس کے بھی دو یا تین یونانی نمائندے منظور کیے جائیں گے۔

۱۷ دسمبر کو پارلیمنٹ کا افتتاح بہت شان کے ساتھ استانبول میں عمل میں آیا۔ سلطان کو جو اخیر لمحے تک بھی اس کی مخالفت پر تلا ہوا تھا مجبوراً زہر کے گھونٹ پینے اور رسم افتتاح ادا کرنی پڑی جو مطلق العنانی کی خیرباد کا اعلان تھی۔ میں اپنے نج کے کاغذات سے اس واقعے کو لکھتا ہوں جو واقعی باثر تھا۔ "سلطان نشستگاہ سلطانی پر آتا ہے۔ وہ درباری لباس میں ہے۔ اس کے سیاہ قفطان میں سے جو کسی قدر کھلا ہے کارچوبی کوٹ نظر آرہا ہے۔ اس کے پیچھے مہتمم مراسم غالب بے اور صدر معتمد محلات جاوید بے ہیں۔ واہنی یاتغن دتر کی تلوار) کے قبضے پر ہاتھ ٹیکے ہوئے اعیان وارکین کو گھور کے دیکھتا ہے۔ اس کی حنائی ڈاڑھی سے جو بہت دمک رہی ہے شر کا اظہار ہو رہا ہے۔ دستور کے موافق سب ایستادہ اور سلطان کو دیکھ رہے ہیں لیکن تعظیم سلطانی مفقود ہے۔ آثار ایسے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ پارلیمنٹ اور سابق مطلق العنان میں جس نے اپنی شکست کو ابھی تسلیم نہیں کیا ہے

ایک فیصلہ کن مبارزت باقی ہے۔ چار منٹ تک یہ سناٹا رہتا ہے۔ پھر غالب پاشا سلطان کے پاس آتا، تعظیم بجالاتا اور جواد بے کو قرطاس تقریر سلطانی دیتا ہے۔ جواد سلام کر کے نشستگاہ سلطانی سے چلا آتا ہے۔ پانچ منٹ گزرتے ہیں۔ سلطان اپنی یاتغن پر ٹیکا دیئے ہوئے بیحس و حرکت کھڑا ہے۔ جواد بے مخاطب گاہ پر آتا اور پیام سلطانی پڑھتا ہے۔ پیام میں کوئی خاص بات نہیں اس لئے خاموشی کا عالم رہتا ہے۔ صرف ایک ہی وقت نعرہ ہائے خوشی بلند ہوتے ہیں جب کہ پیام میں ذکر ہوتا ہے کہ سلطان احترام دستور کے عہد پر برابر قایم رہے گا۔ دستور کی بنیاد اب اس قدر مستحکم و مضبوط ہو گئی ہے کہ آیندہ اس کے متزلزل ہونے کی امید نہیں "حریت زندہ باش" "دستور زندہ باش" کے نعرے بلند ہوتے ہیں مگر سلطان کے لئے اظہار مسرت نہیں کیا جاتا۔ یہ خاموشی جو شاہوں کے لئے باعث عبرت ہے اس کی روانگی پر بھی رہتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی جنازہ جا رہا ہے۔ اپنے خانگی کمرے میں آدھ گھنٹہ آرام لے کے عبدالحمید پارلیمنٹ سے روانہ ہوتا ہے۔ راستے میں بھی ہر طرف "دستور زندہ باش" کے نعرے اس کے گوش زد ہوتے ہیں"

سعید پاشا کی جگہ کامل پاشا کو صدر اعظم بنانے سے دستور کا کچھ بھلا نہ ہوا۔ دستور کے اخبار "تعنین" جو زیر ادارت حسین جاہد بے نمائندۂ قسطنطنیہ شائع ہوتا تھا کابینہ کے عام طرز عمل پر یہ نکتہ چینی کی گئی تھی کہ اس نے کوئی کام نہیں کیا اور دستوری مخالفت میں حرم سرائے کے دوش بدوش ہے۔ کمال پاشا کے مدنظر صرف ایک بات تھی وہ یہ کہ سلطانی اقتدار کو کسی طرح سے بھی زندہ کرے اور بعد میں اپنے اغراض کے لئے سلطانی اختیارات کا خود ہی مالک بن بیٹھے۔ وہ ایک اصلاحی جماعت کو دوسری اصلاحی جماعت سے لڑا کے اپنی من مانی حکومت کرنا چاہتا تھا۔

پارلیمنٹ میں دو فریق تھے۔ ایک تو مجلس "اتحاد و ترقی"۔ یہ مجلس کمیٹی کی زیر دست تھی لیکن اس کے اراکین خود رائے اور بعض ان میں کے مفسد بھی تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو دور قدیم میں حد سے زیادہ بدنام تھے لیکن دور جدید میں اپنی وفاداری کا نہایت ہنگامے سے اظہار کیا تھا اور وقت واحد میں پکے "لبرلس"

(حریت پسند) کے خطاب سے ممتاز و معروف ہو گئے تھے۔ کمیٹی کے طرفدار عثمانی وطن مالوف کی بنیاد قائم کرنے کے لیے تمام ملل و اقوام و مذاہب کو مخلوط کرنا چاہتے تھے۔ اس حصول مدعا کے لیے انھوں نے مرکزیت کی اشاعت اور ترکی فرقے کو دوسرے فرقوں پر فوقیت دینے کی کوشش کی کیونکہ ترکی فرقہ ہی زیادہ تعداد میں اور برسر حکومت تھا۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ عیسائی قوم کے حقوق کو مٹا دیکر سب کے لئے ایک ہی قانون مرتب کیا جاتا۔ یہی ایک عثمانی مرکزیت کا خیال ایسا تھا جس میں اسلامیت تھی۔ نوجوان ترک عیسائی اقوام کے سوا راجی حقوق کا صفایا کر کے ملک کی خدمت کو انجام دینا چاہتے تھے لیکن ان کا ارادہ شریف مکہ کو جو مسلمانوں کا مذہبی مقتدا تھا بہ استثنائے شاذ حالات کے ہاتھ لگانے کا نہ تھا۔

کمیٹی کی مخالف جماعت آپ کو "احرار" کہتی تھی۔ اور اس کا پروگرام اب بھی وہی تھا جسے حی خاں اور اصلاحی کمیٹیوں نے آخر سال ۱۹۰۶ء میں شناٹوڈن کی کانگریس میں جو معزول عبدالحمید کے لئے منعقد کی گئی تھی مرتب کیا تھا۔ وہ مرکزیت کے مخالف اور مختلف اقوام کی سوا راجی حکومت کی حامی تھی۔ اس جماعت کا صدر صباح الدین بے تھا جو انتخابات قسطنطنیہ میں کمیٹی کی نہایت سخت مخالفت سے منتخب نہ ہو سکا تھا۔

کمیٹی سے اچھی طرح سے لڑنے کے لئے احرار نے یونانی نمائندوں کو اپنے ساتھ ملا لیا جن کے منافقانہ خیالات تھے۔ کمیٹی نے ان کے متعلق اعلان کر دیا کہ وہ ترکی کو پارہ پارہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس لڑائی کے جوش میں احرار کمیٹی کو شکست دینے کے لئے دستور کی مخالف جماعت سے مل گئے۔ وہ اپنے خیال باطل

لہ۔ صباح الدین بے کو عبدالحمید کا بھانجا ہونے کی وجہ سے عموماً پرنس کے لقب سے لکھتے ہیں۔ یہ ایک غلطی ہے۔ ترکی میں سلطان کے بھانجوں کو شہزادے سے مخاطب نہیں کیا جاتا۔ صباح الدین کے باپ محمود داماد پاشا نے جو خود بھی ایک سلطانہ کا بیٹا تھا کبھی آپ کو شہزادہ نہیں کہا۔ ترکی میں سلاطین کی بہنیں اور ان کی ذکور اولاد ہے لیکن کسی شہزادہ نہیں کہا گیا۔ صباح الدین کی شہزادگی محض یورپین اخبار نویسوں کی ایجاد ہے۔

میں سمجھے ہوئے تھے کہ وہ تنہا ہی ثمرات فتح سے بہرہ اندوز ہوں گے اور اس وقت خلیفوں کا کوئی کام نہ رہے گا۔

۱۸۷۶ء کا دستور ایک باضابطہ مرتبہ قانون نہ تھا بلکہ ایسے قانون کا ایک خاکہ تھا جس میں بہت سی باتیں چھوٹ گئی تھیں اور جس سے ایک چالاک شخص فائدہ اٹھا کے پارلیمنٹ کو بجائے مجلس وضع قوانین کے مجلس شوریٰ بنا ڈالتا چنانچہ کامل پاشا نے جس پر دور قدیم کا رنگ چڑھا ہوا تھا دستور کی خامیوں سے کام لیکر پارلیمنٹ کو تہس نہس کرنے کی کوشش کی۔ دفعہ ۵۸ کی رو سے تدوین قوانین کا کام پارلیمنٹ کا نہ تھا بلکہ مجلس اعیان کا تھا۔ پارلیمنٹ کا کام صرف یہ تھا کہ کسی نئے قانون کی تجویز پیش کرے یا موجودہ قانون میں کوئی ترمیم کرے۔ اس کے بعد حسب دفعہ بالا صدر اعظم پارلیمنٹ کی اس تجویز کو سلطان کے ملاحظے میں پیش کرتا اور پھر "اس تجویز کے مناسب ہونے کی صورت میں سلطان مجلس اعیان کو تدوین قانون کا حکم دیتا جو اس تجویز کی غرض و غایت ہوتی۔ مجلس وزرا اپنی مرضی پر سلطان سے برخاست پارلیمنٹ کا حکم حاصل کر سکتا تھا۔ برخواست پارلیمنٹ کا اقتدار صرف سلطان ہی کو تھا اور کوئی خاص قاعدہ اس بارے میں نہ تھا۔ دفعہ ۳۵ میں لکھا تھا کہ "اگر صدر اعظم کسی قانون کی تحریک پیش کرے جسے وہ بہت ضروری سمجھتا ہے لیکن پارلیمنٹ اس کو منظور نہ کرے تو سلطان پارلیمنٹ کو برخاست کر کے مدت معینہ کے اندر دوبارہ انتخابات کا حکم دیگا"۔ دفعہ ۳۰ سے صدر اعظم کے اقتدارات اگر بڑھ گئے تھے تو دفعہ ۳۸ سے اتنے ہی گھٹ گئے تھے۔ کامل پاشا اور پارلیمنٹ کی غالب تعداد میں اسی آخری سوال پر نزاع کا آغاز ہوا۔

دستور سے صدر اعظم کو مجلس وزرا مرتب کرنے کا اختیار تھا۔ مارشل رجب پاشا کے انتقال کے بعد جو اکتوبر ۱۹۰۶ء میں ہوا مارشل علی رضا پاشا وزیر جنگ ہوا۔ اور عارف پاشا وزیر بحر تھا۔ ان دونوں کو کامل پاشا نے اس خیال سے علیحدہ کر دیا کہ وہ کبھی اس کے ہم خیال نہ ہوں گے۔ علی رضا پاشا کی جگہ اس نے جنرل ناظم پاشا کو مامور کیا جو ۱۹۰۲ء میں فہمی پاشا سلطان کے افسر خفیہ پولیس کی شکایت پر ارض روم کو جلاوطن کیا گیا تھا۔ ۱۹۰۸ء میں وہ قسطنطنیہ واپس آیا۔ اس وقت سے قدیم حکومت سے

بدلہ لینے کی دھن اس کے دل میں سمائی ہوئی تھی۔ اسی زمانے میں دوسرا دستہ جو ایڈریانوپل میں متعین تھا بدلا ہوا تھا۔ اور یہ خوف تھا کہ حامیان سلطان وہاں فوج کو ہموار کر کے دستور کو تہ و بالا نہ کر دیں۔ یہ ضروری تھا کہ ایک ایسا جنرل اس رسالے پر مامور کیا جاتا جو عبدالحمید کی مخالفت کی بدولت اس رسالے کی وفاداری کا ذمہ لیتا۔ ناظم پاشا سے بڑھ کر اس اعلیٰ ذمہ دارانہ خدمت کا کوئی اہل نہیں سمجھا گیا لیکن اس نے اس اس خدمت کو اپنی حیثیت کے موافق نہیں خیال کیا وہ چاہتا تھا کہ افواج مقدونیہ کی سپہ سالاری اسے دی جائے۔ جب یہ خدمت اسے نہ ملی تو اس نے کامل پاشا کے مشورے پر چل کے وزیر جنگ کا عہدہ قبول کر لیا۔ کامل پاشا کا اس تقرر سے مطلب کمیٹی اور کمیٹی کی معتمد علیہ افواج مقدونیہ کے مقابلے میں جنگی توازن پیدا کرنا تھا۔ ناظم پاشا کے وزیر جنگ ہونے پر حسین حلمی پاشا سابق صدر ناظم اصلاحات مقدونیہ نے جو حقی بے سفیر روما کی سابقہ خدمت وزارت ممالک داخلی پر مامور تھا کامل پاشا کے اس تقرر سے اختلاف کر کے اپنا استعفا پیش کیا۔ اس کے ساتھ اس کے تمام شرکا نے بھی مستعفی ہونے کی درخواست دی۔ اب مجلس وزرا باقی نہ تھی پارلیمنٹ میں اس کے متعلق سوال کیا گیا۔ دستور کی خرابیاں اس طرح سے خود ہی ظاہر ہو گئیں۔ دفعہ ۳۰ سے "جب اراکین پارلیمنٹ میں غلبۂ آرا سے یہ طے کیا جائے کہ ایک وزیر پارلیمنٹ میں آ کے کسی معاملے کے متعلق اپنا جواب پیش کرے تو اس کے لئے یہ لازمی ہوگا کہ وہ اپنا جواب خود پیش کرے یا بوساطت اعلیٰ افسر پیش کرے۔ اس کے ساتھ التوائے جواب کا بھی اختیار اسے حاصل ہوگا بشرطیکہ یہ اس کے نزدیک ضروری ہو۔ اور اس کی ذمہ داری اس کے سر رہے گی۔ اس آخری جملے کے استدلال پر طرفداران کامل پاشا نے کہا کہ پارلیمنٹ وزیر موصوف کو جواب کے لئے طلب نہیں کر سکتی۔ ان کے خیال میں صرف سلطان ہی وزرا کا جواب لے سکتا تھا مگر چونکہ دفعہ ۵ سے سلطان ان کا جواب نہیں لے سکتا تھا اس لئے تصفیے کی صرف دو صورتیں تھیں۔ یا تو وزرا بوجہ ایسے شخص کو جواب دہ ہونے کے جس کا جواب نہیں لیا جا سکتا تھا آزادی کے ساتھ بغیر پارلیمنٹ کے دباؤ کے حکومت کر سکتے تھے بشرطیکہ حرم سرائے سے ان کی موافقت ہو۔ اس صورت میں

پارلیمنٹ کا وجود اور عدم وجود یکساں ہوتا۔ یا غیر ذمہ دار سلطان کے اپنے ذمہ دار وزرا کو بچانے کی صورت میں سلطان کی اہمیت پھر عود کر آتی جو دستور کی منافی تھی اور جس کی وجہ سے اس کے سلطانی اختیارات، اور خود اس کی شخصیت معرض بحث میں ہو جاتی۔
صدر اعظم کی وزارتی تبدیلیوں اور کابینہ کی صورت حال پر مباحثے کے لئے ۱۳ فروری ۱۹۰۹ء روز شنبہ مقرر کیا گیا تھا۔ اجلاس جب شروع ہوا تو کامل پاشا نے کہلا بھیجا کہ وہ بابعالی میں سفرا سے ملاقات کی غرض سے ٹھہرا ہوا ہے اور نہیں آسکتا۔ دفعہ ۳۸ کے مطابق یہ مباحثہ آیندہ چہار شنبہ تک ملتوی کر دیا جائے گا۔ ایک شدید مباحثے کے بعد جس میں طرفداران کمیٹی اور طرفداران احرار میں ہاتھا پائی تک نوبت آگئی تھی یہ طے پایا کہ صدر نشین پارلیمنٹ ایک رکن وزیر اعظم کی طلبی میں روانہ کرے۔ اس انتظار میں پارلیمنٹ کے ایک سکرٹری نے مارشل علی رضا پاشا اور نائب امیر البحر عارف پاشا کی معزولی کا سبب بیان کیا کہ یہ دراصل کامل پاشا کے منصوبوں کو ناکام کرنے کی بنا پر عمل میں آئی ہے۔ علی رضا پاشا کو اس وجہ سے برطرف کر دیا گیا کہ اس نے مقدونی افواج کو جو دستور کی سخت حامی تھی قسطنطنیہ سے باہر بھیجنے میں اپنی نارضامندی ظاہر کی۔ عارف پاشا اس وجہ سے برطرف ہوا کہ اس نے ان جنگی جہازوں کو جو دریائے باسفورس میں یلدیز پر توپیں لئے ہوئے ہیں گولڈن ہارن میں بھیجنے سے انکار کر دیا۔
صدر اعظم کا جواب نفی میں آیا۔ پارلیمنٹ کے تمام راستے ان افسروں سے بھرے ہوئے تھے جو جماعت احرار کے مخالف تھے۔ پارلیمنٹ کے باہر دو دستے مشین گن کے ساتھ پارلیمنٹ کو گھیرے ہوئے تھے۔ پارلیمنٹ کے اندر کامل پاشا پر جرم عائد کئے جانے کا مطالبہ کیا جا رہا تھا۔ اس اثنا میں صدر اعظم کے مصاحب نے یہ پیام پہنچایا کہ صدر اعظم کی درخواست ہے کہ پارلیمنٹ چہار شنبہ تک صدر اعظم کے جواب کا انتظار کرے کیونکہ وہ اس وقت احکام مافوق کی وجہ سے جواب دہی سے معذور ہیں۔ اور اگر پارلیمنٹ اس مدت تک نہیں ٹھیر سکتی تو ان کا استعفا حاضر ہے۔ طرفداران کامل پاشا نے اپنی جانبداری میں سو سے زیادہ ووٹوں کا اندازہ لگایا تھا وہ اس طریقے پر کہ ۲۳ ووٹ احرار کے، پچاس جماعت عرب کے ۳۲ یونانی نمائندوں کے

اور باقی علما اور البانیوں کے۔ ان کا خیال تھا کہ مجلس اتحاد و ترقی کے اراکین کو جو ابھی پس وپیش میں تھے ملا لینے کے بعد جیت ان کی ہوگی۔ لیکن جب ووٹ لئے گئے تو معاملہ دوسرا تھا۔ یہ سچ ہے کہ افسروں کی دھمکیوں سے کامل مرعوب ہوگئے تھے اور یونانی نمایندوں پر بھی فوجی دباو ڈالا گیا تھا لیکن اگر فوج اس وقت مداخلت نہ کرتی تو اس دوسری مرتبہ بھی دستور کا خاتمہ ہوگیا تھا۔ صرف اسماعیل کمال بے مفید بے اور چھ اور آدمی ایسے تھے جنھوں نے جرأت سے کام لیا اور اپنی ہٹ پوری کی۔ باقی طرفداران کامل تو دھر لئے گئے۔ بمقابلہ ایکسو اٹھانوے ووٹ سے پارلیمنٹ نے کامل پر اپنی عدم طمانیت کا اظہار کیا۔ دوسرے دن حسین حلمی پاشا صدراعظم مقرر ہوے اور انھوں نے اپنی کابینۂ وزارت مرتب کی۔

آسٹروی وترکی وروسی معاہدہ (پروتوکول)

تیرھویں اور چودھویں اپریل کی بغاوت

نئے صدراعظم نے حلف اٹھایا کہ وہ ۱۸۷۶ء کے دستوری قانون کے مطابق نہیں بلکہ اس کے مرممہ قانون کے مطابق جس کو کمیٹی نے پسند کیا تھا حکومت کرے گا۔ اپنی ۲۴ فروری کی افتتاحی تقریر میں اس نے پارلیمنٹ کی فوقیت کو تسلیم کر کے وزیر کو اس کا جواب دہ گردانا تھا۔ حلمی پاشا کو اپنے پیشرو کے کاغذات میں آسٹروی وترکی معاہدے کی کارروائی بھی ملی تھی جو بوسنہ وہرزیگو ونیہ کے متعلق تھی یہ کارروائی تکمل ہو چکی تھی۔ اور جس وزیر نے سفیر آسٹریا ہنگری مارگریو پیلاویسینی سے یہ معاہدہ طے کیا تھا وہ جدید کابینے میں علیٰ حالہ اپنی خدمت پر قایم رہا معاہدے پر صرف دستخط کرنے تھے چنانچہ صدراعظم حلمی پاشا وزیر تعمیرات جو نورادنگین افندی وزیر خارجہ کی جگہ منصرم تھا اور مارگریو پیلاویسینی کے دستخط ہوگئے۔ معاہدہ

حسب ذیل دفعات پر مشتمل تھا۔

دفعہ اوّل

آسٹریا ہنگری ان تمام حقوق سے جو از روئے معاہدۂ برلن و موتمر قسطنطنیہ منعقدہ ۲۱ر اپریل ۱۸۷۹ء سے سنجک قدیم نووی بازار پر حاصل تھے آپ کو دست بردار کرتا ہے۔

دفعہ دوم

یہ معاہدہ ۲۱ر اپریل ۱۸۷۹ء کی موتمر کو اور بابعالی کے اس احتجاج کو جو حکومت آسٹریا ہینگری کے خلاف بوسنہ و ہرزیگوونیہ کے فیصلے کے متعلق کیا گیا تھا اور ان تمام شرائط و معاہدات کو جو طرفین میں کئے گئے تھے اور موجودہ تصفیے کے خلاف تھے منسوخ و باطل قرار دیتا ہے۔ یہ معاہدہ ان تمام اختلافات کو جو ان ہر دو صوبوں کے متعلق ہر دو سلطنتوں میں تھے دور کرتا ہے۔ عثمانیہ سلطنت ان جدید انتظامات کو جو ہرزیگوونیہ و بوسنہ میں اس تصفیے سے کئے گئے ہیں قطعاً تسلیم کرتی ہے۔

دفعہ سوم

بوسنہ و ہرزیگوونیہ کے وہ باشندے جو ترکی میں مقیم ہیں (باستثنائے ان کے جن کا ذکر یادداشتوں میں کیا گیا ہے اور جن کا تبادلہ جانبین میں اس معاہدے کی توثیق کے بعد کیا جائے گا) اور وہ عثمانی رعایا جو سلطنت عثمانیہ کے مختلف مقامات سے بوسنہ و ہرزیگوونیہ میں سفر یا اقامت کرے گی ہر دو حسب سابق اپنی عثمانی قومیت بدستور قائم رکھیں گے۔

باشندگان بوسنہ وہرزیگوونیہ حسب سابق وحسب قوانین بوسنہ وہرزیگوونیہ عثمانیہ سلطنت میں ہجرت کے لئے آزاد ہیں جہاں وہ بحیثیت عثمانی رعایا رہیں گے۔ ان لوگوں کو مثل ان اہل بوسنہ وہرزیگوونیہ کے جو اس وقت ترکی میں ہیں ہمیشہ یہ حق حاصل رہے گا کہ اپنی جائداد کا جس طریقے سے چاہیں انتظام کریں کسی کو معاوضہ دیں یا خود بالذات انتظام کریں یا ایک تیسرے شخص سے یہ انتظام کرائیں۔ یہ تصور کیا جاتا ہے کہ جو اہل بوسنہ وہرزیگوونیہ ترکی میں ہیں اور مہاجرت نہیں کی ہے وہ مثل آسٹروی وہینگری رعایا کے متصور ہوں گے۔

دفعہ چہارم

جو لوگ مستقل یا عارضی طور پر بوسنہ وہرزیگوونیہ میں ہیں وہ حسب سابق اپنے مذہبی فرائض ورسوم بجالائیں گے۔ اور انھیں ان امور میں آزادی حاصل رہے گی۔ جس طرح سے دوسرے فرقے ان صوبجات میں سیاسی اور ملکی حقوق سے بہرہ ور ہیں اسی طرح سے مسلمان بھی مثل سابق کے بہرہ ور رہیں گے۔ اعلیحضرت سلطان المعظم کا نام بحیثیت خلیفۃ المسلمین نماز میں اب بھی شریک رہے گا۔ اوقاف کا مثل سابق کے اب بھی احترام کیا جائے گا۔ مسلمانوں کے تعلقات اپنے مذہبی علما کے ساتھ ویسے ہی رہیں گے جیسے سابق میں رہتے تھے اور ہمیشہ کی طرح یہ علما شیخ الاسلام قسطنطنیہ کے ماتحت رہیں گے جو رئیس العلما کو نامزد کرے گا۔

دفعہ پنجم

تصفیۂ ثالثی کے مطابق اور قانون اراضی عثمانیہ کی رو سے بوسنہ وہرزیگوونیہ میں عثمانیہ سلطنت کی مختلف قسم کی جائداد ہے۔ اس مسودۂ معاہدہ کی توثیق کے پندرہ روز کے اندر حکومت آسٹریا ہینگری ذمہ لیتی ہے کہ وہ سلطنت عثمانیہ کو اس جائداد کے معاوضے میں پچیس لاکھ پونڈ قسطنطنیہ میں ادا کرے گی۔

دفعہ ششم

حکومت آسٹریا ہینگری اس مسودۂ معاہدہ کی توثیق کے دو سال کے اندر یورپین قانون بین الاقوام کے اصول پر ترکی سے ایک تجارتی معاہدہ کرے گی جو اس طرح نفاذ پذیر ہو گا جس طرح اور دوسرے تجارتی معاہدے جو باب عالی سے دول یورپ نے کئے ہیں نافذ کئے گئے ہیں۔ فی الحال آسٹریا ہینگری اس پر موجودہ معاہدے کے نافذ ہونے کے ۱۵ دن بعد ترکی میں قیمت اشیاء کے معیار سے ۱۱ سے لیکر ۱۵ فی صدی تک محصول کسٹم وڑگیری عاید کیا جائے نیز مندرجۂ ذیل پانچ اشیاء کے متعلق نئے اجارے دیئے جائیں اور مزید محصول عائد کرنے کا حق محفوظ رہے۔ وہ اشیاء یہ ہیں:۔ پٹرول، سگریٹ بنانے کا کاغذ۔ دیا سلائی، شرابیں، کھیلنے کے تاش۔ ان پر اس شرط پر محصول عائد کئے جائیں گے کہ دیگر ممالک کے ساتھ کوئی امتیاز نہیں کیا جائے گا۔ لیکن رضامندی کی شرط یہ ہے کہ یہی طریقہ بغیر کسی فرق و امتیاز کے دوسرے ممالک کی درآمد پر بھی عمل میں آئے گا۔

اشیاء اجارہ کی درآمد کا لحاظ کرتے ہوئے ان کی گزشتہ سہ سالہ اوسط قیمت اور موجودہ بازاری قیمت کے توازن کے بعد یہ لازم ہو گا کہ آسٹریا ہینگری کی تیار کردہ اشیاء اجارہ ان کی فیصدی سالانہ درآمد کے حساب سے خریدی جائیں بشرطیکہ ان اشیاء کی قیمت بازاری نرخ کے مطابق ہو۔ یہ تصور کیا جاتا ہے کہ اگر حکومت ترکی متذکرۂ بالا پانچ اشیاء کو نئے اجارے پر دینے کی بجائے ان کی فروخت پر اضافۂ محصول کرے تو یہ اضافۂ محصول اسی قدر ہو گا جس قدر ترکی یا دیگر اقوام کی کسی قسم کی اشیاء پر کیا جائے۔

دفعہ ہفتم

حکومت آسٹریا ڈاکخانجات پر سلطنت عثمانیہ کے شاہی حق کو تسلیم کرتی اور اس معاہدے کی توثیق کے بعد اپنے ڈاکخانوں کو ان مقامات سے اٹھا لینے کا وعدہ کرتی ہے

جہاں دوسرے ممالک کے ڈاکخانے نہوں نیز یہ بھی ذمہ لیتی ہے کہ جس حدتک دوسرے ممالک اپنے ڈاکخانوں کو مملکت عثمانیہ میں کم کریں گے اسی حدتک وہ بھی کم کرے گی۔

دفعہ ہشتم

باب عالی نے قدیم معاہدات ترکی کو بین الاقوامی قانون سے بدلنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے اور اس کے لئے دول کبریٰ سے یورپین کانفرنس یا کسی اور صورت سے مشورہ لیا جائے گا۔ تاکہ موجودہ سیاسی مراعات کا خاتمہ کیا جائے۔ حکومت آسٹریا باب عالی کے ان ارادوں کو بنظر تحسین دیکھتی اور اس تکمیل مقصد کے لئے اپنی مخلص امداد سے حاضر ہے۔

دفعہ نہم

موجودہ مسودۂ معاہدہ کا عمل باہمی توثیق کے ساتھ ہی شروع ہو جائے گا۔ یہ توثیق قسطنطنیہ میں دو مہینے کے عرصے میں مکمل ہو جائے گی۔

اس کے کچھ زمانے کے بعد حلمی پاشا نے خود مختاری بلغاریا کا خرخشہ تورا جس کو اس کے پیشرو نے بغیر تصفیے کے رکھا تھا تاکہ بلقان کو جنگ کا اکھاڑا بنانے کا ذریعہ باقی رہے۔ ترکی اور بلغاریا کی گفت وشنید نے بہت طول کھینچا تھا۔ نمایندہ بلغیریا ایم لپٹ شیف نے جملہ تصفیے کے لئے آٹھ کروڑ بیس لاکھ کی رقم پیش کی تھی جس میں چار کروڑ مشرقی ریلوے کمپنی کے حصے کو مغربی رومیلیا کی لائن کے لئے دئے گئے تھے جو اس کے بعد حکومت بلغاریا کے قبضے میں آجاتی۔ ترکی نے چودہ کروڑ کا مطالبہ کیا اور خراج بلغیریا کا تصفیہ کانفرنس پر رکھا جس کے انعقاد کے لئے وقتاً فوقتاً ذکر چھڑاتا تھا۔

اس گفت وشنید کا سلسلہ چل رہا ہی تھا کہ ایک دم سے روس نے ان دونوں میں تصفیے کے لئے ایک تجویز پیش کی۔ یہ تجویز ایم اسوالسکی کا سیاسی کارنامہ ہے جس سے روس نے اپنا سابقہ اقتدار بلقان میں واپس حاصل کر لیا۔ جو آسٹریا ہینگری کو منتقل ہو رہا تھا۔ اوائی تاوان کے متعلق روس نے خود کو بلغیریا کا قایم مقام بنایا۔ تاوان کی جملہ رقم

اس نے ساڑھے بارہ کروڑ مقرر کی اور اس کی ادائی کی سبیل اس طرح سے کی کہ معاہدۂ برلن سے ترکی کی طرف جو اقساط تاوان جنگ کی روس کو واجب الادا تھیں ان میں سے چند ترکی کے اس حساب میں منہا کر لی جائیں۔ اس گفت وشنید کے جملہ مراحل طے ہونے پر اقساط کو اصل میں تبدیل کرنے کے بعد جو کچھ رقم باقی رہے گی اتنا ہی قرضہ حکومت عثمانیہ حاصل کر کے ادائی کی سبیل کرے گی۔ اسوالسکی کی اس تجویز کو بظاہر قبول کر کے کامل پاشا نے ایک اور تجویز اس کے خلاف پیش کی جس سے یا تو وہ اپنی دانست میں روس کو سادہ لوح سمجھے ہوئے تھا یا اگر یہ نہیں تو اس کا منشا یہ تھا کہ ایک ناتجربہ کار پارلیمنٹ سے روسی تجویز کے خلاف ووٹ حاصل کر کے بلغاریا اور ترکی کو لڑا دے تاکہ سلطان کا مطلب حاصل ہو سکے۔ ساڑھے تین لاکھ ترکی اشرفی کی سالانہ قسط کو اصل کا سود تصور کر کے اس نے ۴۷ قسطوں کو اصل میں تبدیل کرنے کی تحریک کی جو ۱۴/۱ مارچ ۱۹۰۹ء کو ترکی کے ذمے باقی رہتیں تاکہ اس طریقے سے روسی تاوان جنگ کا تصفیہ ہو جائے۔ اصل کے اندازے پر ترکی ساڑھے بارہ کروڑ قرض نکالے گی۔ اس کے بعد حساب کرنے پر جو کچھ رقم دس یا بیس لاکھ ترکی اشرفی باقی رہے گی وہ روس کو ادا کر دے گی۔

گو روس نے اس تجویز کو قطعاً رد نہیں کیا لیکن اس کی تعمیل کے لئے شرط لگائی۔ چونکہ روسی تجویز اور ترکی تجویز دو جداگانہ امور تھے اس لئے روس نے ترکی تجویز کو اس وقت تک کے لئے اٹھا رکھا جس وقت تک کہ اسوالسکی کی تجویز عملی صورت سے مکمل نہ ہو جائے۔ اور یہ جتایا کہ اس بلغاریا اور ترکی کے جھگڑے میں دخل دینے سے روس کی کوئی خاص غرض نہیں۔ روس صرف ثالث کی حیثیت سے اس معاملے کا تصفیہ کرنا چاہتا ہے۔ اور اس کی رائے میں اس کی پیش کردہ تجویز فریقین کے لئے فائدہ مند ہے۔ بحیثیت ثالث اس کی اس تجویز پر کوئی بحث نہیں کی جا سکتی۔ صرف دو صورتیں ہیں یا تو منظور کی جائے یا نامنظور۔ کامل پاشا کو یہ امید ہی نہ تھی کہ اس کی مخالف تجویز منظور کی جائے گی۔ وہ بخوبی جانتا تھا کہ ۱۸۹۷ء میں جب مالیہ اعلیٰ نے یہ مناسب سمجھا کہ روسی تاوان جنگ کی قسطوں کو اصل میں مبدل کر لیا جائے تاکہ حکومت سینٹ پیٹرزبرگ عثمانی قرض عامہ کو تسلیم کرے اور ایک روسی نمایندہ مجلس نظم ونسق میں بھیجے تو روسیوں نے باوجود فرانس کی

مداخلت کے اس معاملے میں پڑنے سے صاف طور پر انکار کر دیا تھا حالانکہ جس طریقے سے اس کو پیش کیا گیا تھا اس سے روس کا ہی فائدہ تھا۔ اس بحث کے بعد صدر اعظم نے اصرار کیا کہ مسئلہ بلغاریا سر دست ملتوی رہے۔ اس اثنا میں کامل پاشا معزول ہوا۔ اس معاملے میں روسی اخبارات کی حرف گیریاں روز بروز بڑھتی جا رہی تھیں اور یہ مترشح ہوتا تھا کہ روسی تجویز کے صریحی انکار کی صورت میں بلغاریا کچھ بھی تاوان نہ دے گا۔ زار کا پرنس فرڈیننڈ کو شاہ بلغاریا تسلیم کرنا اور گرانڈ ڈیوک ولادیمیر کی تجہیز و تکفین میں بالذات شریک ہونا ترکی کے لئے کچھ نیک آثار نہیں ظاہر کر رہا تھا گو روسی وزارت خانہ سے ترکی کو اس بارے میں سمجھا دیا گیا تھا۔ اس لحاظ سے حلمی پاشا نے روس کے ساتھ تجدید گفت و شنید کو ضروری سمجھا۔ رفعت پاشا ترکی سفیر لندن کو جو نئی حکومت میں وزیر خارجہ بنایا گیا تھا لندن سے سینٹ پیٹرزبرگ جانے اور ایم اسوالسکی سے اس معاملے کو طے کرنے کا حکم ملا۔ آخر بہت دشواریوں کے بعد یہ مرحلہ طے اور فریقین میں معاہدہ مرتب ہوا۔

سلینٹ پیٹرزبرگ کے مسودۂ معاہدہ کی رو سے روس نے ترکی کو چالیس قسطیں چھوڑ دیں جس سے حکومت عثمانیہ کو بلغیریا کے ذمے جو ساڑھے بارہ کروڑ تاوان تھا مل گیا۔ ان میں سے چار کروڑ مشرقی رومیلیا پر مالکانہ قبضے کے لئے۔ چار کروڑ مشرقی ریلوے کمپنی کو علاقہ بلغیریا کی ۱۳۱ کلومیٹر ریلوے کے لئے۔ چار کروڑ سلطنت عثمانیہ کی سرکاری زمینات کے لئے جو بلغیریا میں واقع تھیں۔ پچاس لاکھ بیلو واو کاریل کی ریلوے کی شاخ کے تعمیری صرفے کے لئے ہوگا۔

اس کے معاوضے میں ترکی نے خراج بلغاریا کا دعوی واپس لے لیا۔ بلغیریا کو قرض عامہ کی شرکت سے بری کیا۔ رومیلیا کا بقایا محصول معاف کر دیا اور بلغاریا کی خود مختاری کو تسلیم کرنے کے لئے رضامندی ظاہر کی۔ اب اور ۳۴ قسطیں جو ترکی کے ذمے باقی رہ گئی تھیں اس کی نسبت مسودۂ معاہدہ میں یہ طے کیا گیا تھا کہ فریقین کی صوابدید پر یا بحساب چار فیصدی سود سے اصل میں تبادلہ کر کے ان اقساط کا تصفیہ کیا جائے گا۔

بلغاریا کا سوال اس طرح سے حل ہوا۔ اور بحالات موجودہ اس کے ملکی جھگڑوں پر

نظر کرتے ہوئے جن میں وہ الجھی ہوئی تھی سلطنت ترکی کو اس سے بہتر تصفیے کی توقع بھی نہیں ہوسکتی تھی۔ اصل معاہدہ ترکی اور بلغاریا کا ۱۹ اپریل ۱۹۰۹ء کو انگریز، فرانسیسی اور روسی سفرا کی موجودگی میں بمقام قسطنطنیہ تکمیل کو پہنچا۔ معاہدے کی شرطیں حسب ذیل تھیں۔

دفعہ اول۔ حکومت بلغاریا مسودۂ معاہدہ سینٹ پیٹرزبرگ کے جملہ شرائط کو قبول کرتی ہے رشچک سے وارنا تک جو ریلوے لائن ہے اس پر اس کو کوئی دعویٰ نہ ہوگا۔ صرف ایک تبدیلی مسودۂ معاہدہ میں یہ کی گئی ہے کہ ۲۲ ستمبر سے تاریخ اعلان خودمختاری بلغاریا ۵ اکتوبر ۱۹۰۸ء تک مشرقی رومیلیا کا مشروطہ زر تخلیہ "سود" کی مد میں ادا کیا جائے گا۔

دفعہ دوم۔ طبقۂ اہل اسلام اور جائداد اوقاف کے متعلق مسودۂ معاہدہ کے ساتھ جو نائشیوک اسکیم منظور ہوا ہے وہ زیر تعمیل ہے۔ غیر معمولی اوقاف کے لئے حکومت بلغیریا نے ایک کمیشن مقرر کیا ہے جو جملہ حقوق کی تحقیقات کرے گا۔

دفعہ سوم۔ ایک لاکھ دس ہزار فرانک گورنمنٹ کے حقوق تلغراف و ڈاکخانجات کے معاوضے میں دئیے جارہے ہیں۔

دفعہ چہارم۔ ایک لاکھ اسی ہزار تین سو سات فرانک روشنی گھروں کے لئے ادا کئے جارہے ہیں۔

دفعہ پنجم (للہ للہ بلدیاتی ...) حفظان صحت کے متعلق دئیے جارہے ہیں۔

دفعہ ششم۔ یہ مختلف رقومات جن کا مسودۂ معاہدہ میں ذکر کیا گیا ہے اور جن میں رومیلیا کے زر تخلیہ کی رقم بھی بحیثیت سود شامل ہے مسودۂ معاہدہ کی توثیق کے بعد پندرہ دن کے اندر ادا کر دی جائیں گی۔

دفعہ ہفتم۔ مشرقی ریلوے کمپنی کا جو کچھ قرضہ حکومت بلغاریا کے ذمے ہے اس کا تصفیہ راست کمپنی اور حکومت بلغاریا میں ہوگا۔ اس قرضے میں وہ تاوان بھی شامل ہے جو بلغاریا کے ریلوے لائن کے قبضے سے تصفیہ تاوان تک کمپنی کو واجب الادا ہے۔

دفعہ ہشتم۔ جب ان ہر دو حکومتوں کے مابین ان امور متنازعہ کا تصفیہ ہو جائے گا جو روسی و ترکی مسودۂ معاہدہ میں بیان کئے گئے ہیں تو سلطنت عثمانیہ بلغاریا کے نئے سیاسی دور کو تسلیم کرے گی۔

دفعہ نہم ۔ ترکی و بلغاروی مسودۂ معاہدہ کی باہمی توثیق قسطنطنیہ میں ایک ماہ کے اندر کی جائے گی۔

کامل پاشا کی معزولی سے متحدین کی کسی قدر حوصلہ شکنی ہوئی تھی لیکن پھر ان کی ہمت بندھی۔ ان کا پہلا حملہ گورنمنٹ کے اس حکم پر ہوا جس میں یہ ہدایت دی گئی تھی کہ کوئی عام جلسہ اس وقت تک نہ کیا جائے گا جس وقت تک کہ اس کی اطلاع چوبیس گھنٹے قبل پولیس کو نہ دی جائے گی۔ یہ انتظامی حکم اس مصلحت پر مبنی تھا کہ تمام مخالف جماعتیں متفق ہوگئیں اور ایک جلسۂ عظیم منعقد کرنے والی تھیں جس میں محصولخانہ کے قلیوں اور بندرگاہ کے مزدوروں کو بوسنہ و ہرزیگووینیہ کے متعلق آسٹروی و ترکی مسودۂ معاہدہ اور کمیٹی کی مطلق العنانی اور ایسے ہی امور کے خلاف احتجاج کے لئے پیشتر سے فراہم کیا گیا تھا۔ اس جلسے کے بعد یہ لوگ بالعالی جاکر حسین حلمی پاشا کی معزولی کا مطالبہ کرتے جس نے ان قلیوں کو صدارت عظمی پر ہنگامہ کرنے کی وجہ سے مقدونیوں کے ذریعے منتشر کرایا تھا۔ پولیس نے یہ اطلاع شایع کی تھی کہ وہ اس جلسے کے انعقاد میں کسی طرح سے مزاحم نہ ہوگی لیکن بدامنی نہ ہونے کے لئے اطراف میں فوجی پہرہ متعین کیا جائے گا۔ اس پر جلسہ موقوف کر دیا گیا لیکن بانیان جلسہ نے ظلم و تشدد اور آزادی کے سلب ہوجانے پر بہت کچھ اظہار رنج کیا۔

پارلیمنٹ میں اس مسئلے پر بحث کی گئی۔ اسماعیل کمال بے اور صریح اور آتانے کے یونانی نمائندوں نے گورنمنٹ کی مخالفت میں بہت سرگرمی دکھائی اور بہت کچھ مباحثے کئے لیکن ووٹ پر صرف تیس آدمی ہی مخالف جماعت کے نکلے (۲ر مارچ) کمیٹی کا تسلط مسلم تھا لیکن اس تسلط میں بھی کمیٹی کی ناؤ ایک ایسے طوفان میں گھری ہوئی تھی جس سے اس کے غرق ہوجانے کا خطرہ تھا۔

گو نوجوان ترک اپنی کامیابی سے آپ ششدر رہ گئے تھے لیکن اس کے ساتھ ہی انھیں اپنی قوت کا بھی بہت کچھ زعم تھا۔ ۲۵ر جولائی کے انقلاب نے مطلق العنانی کا خاتمہ کرکے تمام دنیا کو حیرت میں ڈالدیا تھا۔ حیرت کی زیادہ وجہ یہ بھی تھی کہ یہ انقلاب بہت خاموشی کے ساتھ عمل میں آیا تھا جس پر ترکوں کو ناز تھا کہ کوئی تاریخ ایسا واقعہ نہیں پیش کرسکتی۔ وہ یہی دہراتے تھے کہ یہ انقلاب نہیں بلکہ ارتقاء ہے تمام دنیا کو

حیرت تھی کہ فوج کے ذریعے ایک ایسا بڑا انقلاب بغیر خونریزی اور بغیر کشت وخون کے اتمام کو پہنچا اور قدیم دور مطلق العنانی جس سے قیاصرۂ روما اور بائزنٹیم کے خاندان ہارفیر وجینیاں کا بدترین زمانہ واپس آگیا تھا مٹا اور دستوری حکومت نے اس کی جگہ لی۔ بانیان انقلاب نے یہ اچھی طرح سے ذہن نشین کر لیا تھا کہ یہ صرف عثمانیوں کی ہی قسمت میں لکھا ہوا تھا کہ تاریخ کے ان قوانین کو باطل کریں جو کئی صدی سے غیر متغیر سمجھے گئے تھے اور دنیا کو یہ ثابت کر دکھائیں کہ کس طرح ایک مجلس وضع قوانین بغیر فوج کے اپنے معمولی احکام سے سوسائٹی اور گورنمنٹ کو بدل سکتی ہے۔ بعض غیر ملک والوں نے اس ٹھنڈے انقلاب کا سبب قرآن کے اس حکم کو ٹھیرایا جس میں ام الخبائث سے بچنے کی ہدایت ہے اور اس انقلاب کو "انقلاب آنبوشا" سے تعبیر کیا۔ بظاہر یہ کہدینا آسان ہے کہ یہ سکوت وامن جس پر اس قدر اظہار مسرت ہو رہا تھا عدم وقوع جنگ کا نتیجہ تھا۔ اور حکومت نے بلاچون وچرا اور پیش از پیش اس انقلاب کے آگے سر تسلیم خم کر دیا اور جہاں تک حکومت کا تعلق تھا یہ انقلاب ڈر کی وجہ سے عمل میں آیا تھا۔

اس وقت کا منظر بھی عجب دلخراش تھا جب کہ سلطان کو خود اپنی مطلق العنانی کے خلاف اعلان کرنا اور یہ کہنا پڑا کہ حکومت دستوری کی تجدید کا وہ مدت سے متمنی تھا لیکن غداروں نے اس کو دھوکا دیا جس کی وجہ سے ۳۲ سال تک وہ اور اس کی عزیز رعایا ایک دوسرے سے علیحدہ رہے۔ اس کا کمیٹی کی میر مجلسی کا اعلان بلاشک وشبہ ایسا ہی تھا جیسا ہنری سوم کا لیگ کی صدارت کا اعلان اور اس سے امید یہ تھی کہ رنگ میں رنگ ملائے۔ اس نے ان تمام مصاحبین کو بلا پس وپیش حوالے کر دیا جن کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ اور ذرا بھی ان کی طرفداری اور ہچ نہیں کی بلکہ برخلاف اس کے اس نے ان کے ساتھ وہی سلوک کیا جو ڈاکوؤں کے لئے کیا جا سکتا تھا کیوں کہ وہ اس کی نظر میں ایسے ہی سلوک کے مستحق تھے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ ڈاکو اور بدمعاش تھے خواہ وہ جاسوس ہوں یا قاتل یا سزا دہندے۔ لیکن یہ جاسوس، یہ قاتل اور یہ سزا دہندے اس کے احکام کی تعمیل کرتے اور اپنا مفوضہ کام انجام دیتے تھے۔ وہ جاسوسی کرتے تھے تو اس کے لئے

کرتے تھے۔ وہ قتل کرتے تھے تو اس کے لئے اور سزا دیتے تھے تو اس کے لئے۔ اس نے اپنے ان وفادار ملازمین کی تائید میں ایک لفظ بھی اپنے منہ سے نہ نکالا اور ذرا بھی ان کے بچانے کی کوشش نہ کی اور اس طرح یہ لوگ اپنے آقا کا حکم بجالانے کے جرم میں مستوجب سزا ٹھیرے تھے۔ یہ سچ ہے کہ اس گروہ میں کوئی ایسا شخص نہ تھا جو اس کو صلاح دیتا کہ شمشیر بکف عزت کی موت اس رسوائی و ذلت سے ہزار درجے بہتر ہے جو اس کی خوف و بزدلی کے اعلان سے ہوگی۔ مخبروں اور جاسوسوں کا کمینہ پن ان کے مالک کی بزدلی کے ہم پلہ تھا۔ ہر ایک نے اپنی جان کا پہلے خیال کیا اور رشوت دے کے ایسے مقامات میں چھپ گئے جہاں گرفتاری کا خوف نہیں ہو سکتا تھا۔

نوجوان ترکوں نے بغیر لڑے فتح حاصل کی تھی اس لئے انھوں نے حمیدی نظم و نسق پر بہت ڈرتے ڈرتے ہاتھ ڈالا۔ ان کے ان دوستوں نے جنھیں کسی جماعت سے سروکار تھا جو غیر ملکی اور نوجوان ترکوں کے ہمیشہ سے سرگرم ممد و معاون تھے بہت کچھ سمجھایا بھی تھا کہ ظاہری حالات پر نہ جاؤ اور کبھی اس قسم کا اعتبار نہ کرو جو حکومت دستوری کی وفاداری پر حامیان مطلق العنانی اور خود سلطان نے کھائی ہے بلکہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کے مطلق العنانی کا بخوبی صفایا کر دو لیکن انھوں نے نہ مانا۔ ان بانیان انقلاب کو وہ الفاظ یاد دلائے گئے۔ جو مراد چہارم کے استاد نے مراد چہارم کو کہے تھے کہ "اے بادشاہ خرابیوں کا انسداد تلوار اور صرف تلوار ہی کر سکتی ہے" مگر ان پر کچھ اثر نہ ہوا بلکہ انھوں نے اس بات کا ذمہ لیا کہ سلطان کی تبدیلی خلوص پر مبنی ہے۔ اب وہ مطلق العنانی کی کبھی کوشش نہ کرے گا۔ اصل بات یہ تھی کہ گو سلطان کو اتنی ہمت نہ تھی کہ مقابلے کے لئے میدان میں اتر آتا اور فوج کو حملے کا حکم دیتا لیکن وہ چالبازیوں کا مرد میدان تھا چنانچہ اس نے انھیں چالبازیوں سے کام لے کر اس نے دستوری حکومت کو توڑنا چاہا۔ کمیٹی کے اراکین اندھے اور بہرے بنے بیٹھے تھے اور ان کو اپنی حالت سے اطمینان تھا کہ اب ہم خود مطلق العنان حاکم ہیں اور وہ ایک دوسرے کو اس پر مبارک باد دے رہے تھے کہ علما کی انقلابی تحریک نے جس میں فوج بھی شامل ہو گئی تھی انھیں متنبہ کیا کہ ابھی مطلق العنانی کا جھگڑا نہیں مٹا۔ اس انقلابی جماعت نے عوام کے جذبۂ اسلامی کو

ابھارا تھا جو قدیم خیالات اسلام پر مبنی تھا۔ یہ قدیم خیالات تعصب اور تنگ نظری پر مبنی ہیں جن کی رو سے کافروں کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں کیا جا سکتا جنھیں اللہ نے مسلمانوں کے ہاتھ سے مٹنے کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور جن کی رو سے مغربی اصول و قوانین شیطان کے نکالے ہوئے اور شریعت کے خلاف ہیں اس لئے ان کو کسی طرح سے روا نہیں رکھا جا سکتا۔ میں نے اوپر ان وجوہ کو بیان کر دیا ہے جن کی بنا پر عالموں، حاجیوں اور سفطوں نے عبدالحمید کی مخالفت کی تھی اصلاح پسند ترکوں نے یہ غلطی کی کہ اس زبردست جماعت کو اپنے مانند نئے خیالات کا علم بردار باور کر لیا۔ اس میں شک نہیں کہ بعض لوگ ایسے بھی تھے جو دستوری حکومت کے زبردست طرفدار تھے مگر ایسے اعلیٰ دماغ چند ہی تھے عام طور پر اس مذہبی فرقے نے انقلاب کا ساتھ محض اس لئے دیا تھا کہ سلطان کی مطلق العنانی کی جگہ مذہبی فرمانروائی کا رواج ہوگا۔ جب فوجی انقلاب سے دستوری حکومت کا دوبارہ قیام ہوا تو علما کو اس سے صرف حیرت ہی نہیں ہوئی بلکہ بہت صدمہ بھی ہوا۔

قومی نیابت، آزادی، مساوات وغیرہ کو مشرق میں کون جانتا ہے۔ یہ سب مغرب سے لئے گئے ہیں۔ ان کی قدر و قیمت ان علما کے پاس کیا ہو سکتی تھی اور حالت یہ تھی کہ یورپ سے جو جلاوطن واپس ہو رہے تھے وہ ان مغربی خیالات کی گٹھری اپنے ساتھ لا رہے تھے جو شریعت اسلام کے منافی تھی۔ ان میں کے بعض چاہتے تھے کہ عورت کو آزادی دیجائے اور وہ حرم سرائے کی قید اور برقع کی غلامی سے باہر نکالی جائے اور جو نماز کہ مذہب اسلام سے فرض گردانی گئی تھی اس سے یہ لوگ بے اعتنائی کا اظہار کر رہے تھے۔ پس دستور کے قیام نو کے دوسرے روز سے ہی ان علما نے دستور کو ایک مخالفانہ انقلاب سے بدلنے کے لئے ریشہ دوانیاں شروع کر دیں حالانکہ بظاہر ان کا رویہ اس کے خلاف تھا اور وہ دستور کے مداح و معترف تھے اور اس کو شریعت اسلامی کے موافق ثابت کیا تھا۔

اکثر مرتبہ ان کی یہ در پردہ دستوری مخالفت آشکارا ہو ہی گئی تھی۔ بوسنہ و ہرزیگوینہ کا مسئلہ پارلیمنٹ میں چھڑا ہوا تھا تو ایک عالم نے جو اسقب کا نمائندہ تھا یہ کہہ ہی دیا اگر یہ دو صوبے اور ان کے ساتھ بلغاریا بھی سلطنت عثمانیہ کی قلمرو سے خارج

ہوگیا ہے تو اس کا سبب یہ ہے کہ اسلام پر ادبار و بدبختی چھائی ہوئی ہے اور پانچ وقت کی نمازوں سے روگردانی کی جارہی ہے جس پر اس کے اکثر ساتھیوں نے مرحبا کے نعرے بلند کئے۔ صدر اعظم حلمی پاشا نے جب اپنا وزارتی خطبہ پارلیمنٹ میں پڑھا اور یہ اعلان کیا کہ صنعت و حرفت، تجارت اور زراعت کے متعلق حکومت مغربی اصول پر اپنے ملک کی ضروریات و حالات کے مطابق عمل پیرا ہوگی تو مصطفےٰ عاصم حاجی نمائندہ قسطنطنیہ نے جس کی حریت پسندی مسلمہ تھی غصے سے ٹوک دیا کہ "افندی یہ کہتے ہوئے تمھیں شرم نہیں آتی۔ ہمیں قوانین یورپ کی کیا ضرورت ہے۔ کیا ہمارے پاس شریعت و قرآن موجود نہیں جو ہم یوروپ کی گداگری کریں۔

جب مخالف انقلاب اور مذہبی جماعتوں نے دیکھا کہ کمیٹی اپنے پرسکون انقلاب پر پھولی نہیں سمارہی ہے اور اپنے دشمنوں کو ان کی حالت پر چھوڑ دیا ہے اور کچھ کام نہیں کر رہی ہے یا اگر کر رہی ہے تو اپنے ہی طرفداروں میں پھوٹ پڑنے کے تو یہ مختلف جماعتیں مرور وقت کے ساتھ متحد ہوگئیں۔ ہر جماعت کا یہی خیال تھا کہ دوسری جماعت کو اپنی اغراض کا آلہ بنائے شیخ درویش وحدتی مدیر "ولقان" نے حمایت اسلام کے لئے ایک انجمن بنام "انجمن اسلامی" قایم کی۔ اس انجمن کے کئی ہزار طرفدار پیدا ہو گئے۔ قانون شریعت کی پابندی اور اس قانون کو تمام سلطنت عثمانیہ کا قانون قرار دینے کے متعلق کئی جلسے ہوئے۔ مساجد میں وعظ کیا گیا جس میں متقی مسلمانوں کو صیانت اسلام کے لئے مستعد رہنے کا حلف دیا گیا تھا۔ صوفیوں نے ان میں مذہبی تحریک کی اشاعت کی۔ ساتھ ہی یلدیز سے قاصد روانہ ہوئے جنھوں نے بڑے بڑے وعدے کئے اور مٹھیوں سے روپیہ تقسیم کیا۔

کمیٹی کی مخالفت سے احرار مذہبی جماعت سے مل گئے تھے۔ اسی مخالفت سے اندھے ہوکر انھوں نے اس جماعت کو اپنی پناہ میں لے لیا۔ احراری اخبارات نے کمیٹی کو تباہ کرنے کے لئے کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا اور اس پر سخت سخت حملے کئے۔ ان سب میں ممتاز "اخبار سربست" تھا۔ یہ مولانا زادے کا اخبار تھا اور اس کا مدیر خصوصی حسن فہمی بے کمیٹی کے بانیوں میں سے تھا لیکن بعد میں کمیٹی سے علٰحدہ ہوگیا۔ اس میں حجت کی قابلیت بہت اچھی تھی۔ "نیران" کا ایڈیٹر مراد بے تھا۔ وہ سابق میں

مقرب سلطان تھا لیکن بعد میں جلا وطن کیا گیا لیکن کمیٹی کے راز افشا کرنے کی وجہ سے سلطان پھر اس پر مہربان ہو گیا۔ یہ راز اسے زمانۂ جلا وطنی میں پیرس میں معلوم ہوئے تھے لیکن جب اس نے دیکھا کہ سلطان نے اپنے لمبے چوڑے وعدے پورے نہیں کئے تو وہ پھر فرار ہو گیا اور سلطان کی مخالفت شروع کر دی "خود مختار" اخبار "اقدام" کا فرانسیسی ایڈیشن تھا اور اس کا ناشر احمد جواد بے تھا۔

ان تمام جماعتوں کا دار و مدار فوج پر تھا۔ اگر فوج کمیٹی کی وفادار رہی تو مذہب پرست، مخالف دستور اور حریت پسند جماعتیں کچھ نہیں کر سکتی تھیں۔ بدقسمتی سے کمیٹی کو فوج کی وفاداری پر بھروسا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ فوجی مدارس کے تعلیم یافتہ افسر دستوری حکومت کے طرفدار تھے سپاہیوں کی وفاداری کا کمیٹی نے خیال نہیں کیا وہ حالانکہ تمام فوجی افسر جنھوں نے سپاہی کے عہدے سے ترقی کی تھی وہ سب سلطان کے موافق تھے۔ پیدل میں ان کی تعداد فوجی مدارس کے تعلیم یافتہ افسروں کے برابر تھی۔ رسالے میں وہ چالیس فیصدی تھے۔ توپخانہ اور انجینرس میں سب فوجی مدارس کے افسر تھے لیکن چونکہ فوجی افسروں کو سپاہیوں سے اتنا ربط ضبط کا موقع نہیں ملتا تھا جتنا انھیں اس لئے ان کا اثر سپاہیوں پر زیادہ تھا قسطنطنیہ کا فوجی دستہ جس میں سلطان کی باڈی گارڈ فوج شامل نہ تھی عبدالحمید کا طرفدار تھا اور کمیٹی اس بات کو اچھی طرح سے جانتی بھی تھی۔ جب بعض دور اندیش لوگوں نے فوج کی اضطرابی حالت سے متنبہ کیا تو کمیٹی کی طرف سے اطمینان کے لہجے میں جواب دیا گیا کہ فوج نے وفاداری دستوری کا حلف اٹھایا ہے اور مسلمان کبھی حلف شکنی نہ کریں گے۔ سلطان کے البانی دستے کو سلطان کے پاس سے علیحدہ کر دیا گیا لیکن دوسری فوجیں ویسی ہی رہیں۔ کمیٹی کو کھمنڈ تھا کہ اس کے پاس چار مقدونی سبک سوار فوج کی پلٹنیں ہیں جو اس کے حکم پر کشتوں کے پشتے لگا دیں گی اور ان کے علاوہ توپخانے کی فوج بھی اسی کی طرفدار ہے۔ باوجود اس کے یلدیز کے ایلچیوں اور سوفتاؤں کے زیر اہتمام سپاہیوں کی ایک بہت بڑی سازش ہوئی اور اس قدر جلد اس کا ظہور ہوا کہ اراکین کمیٹی بھونچکے رہ گئے۔

لیکن اس تنبیہ سے بے پروائی نہیں برتی گئی اور مقابلے کی تجویز کا بھی

کھلم کھلا شہر میں ذکر کیا گیا تھا۔ آٹھ اپریل کو آدھی رات کے کچھ تھوڑی دیر بعد حسن فہمی بے مدیر اختصاصی "سربست" کرا کوئی پل پر قتل کیا گیا جب کہ وہ پیرا سے استانبول واپس ہو رہا تھا۔ "احرار" کے تمام اخبارات نے کمیٹی کو اس جرم کا ذمہ دار قرار دیا۔ اور چھ احراری نمائندوں نے جن میں دو ترک، دو آرمینی، ایک البانی، اور ایک عرب تھا وزیر ممالک داخلی (Minister of the Interior) سے اس قتل کا جواب طلب کیا۔ ان نمائندوں کے نام یہ ہیں۔ حقی بے نمائندہ ایسیا، ڈاکٹر رضا نور نمائندہ سینوپ، زہراب افندی، نمائندہ قسطنطنیہ، ہمپارٹزوں نمائندہ کوزن۔ مفید بے نمائندہ ارگیرو کاسٹرو۔ رسیم زنل بے نمائندہ جدہ۔ ایک پرجوش مباحثے کے بعد جواب کی تاریخ ۱۰ سر مقرر کی گئی۔ لیکن ۱۰ ار کو ایک دوسرے مسئلے پر بحث چھڑ گئی اور یہ جواب ۱۷ ار پر ملتوی کیا گیا لیکن ۱۷ ار کو بھی اس کی نوبت نہ آئی اور اس طریقے سے یہ مسئلہ یہیں ختم ہو گیا۔ اس میں شک نہیں کہ کمیٹی اپنے ایک خطرناک دشمن کے قتل کرانے میں کبھی پس و پیش نہ کرتی لیکن سچ تو یہ ہے کہ حسن فہمی سلطان کے حکم سے قتل کیا گیا تاکہ مخالفین انقلاب کی سازش جس سے وہ واقف تھا فاش نہونے پائے یہ سازش اس نوعیت کی تھی جس سے اس کی حریت پسندی کو سخت صدمہ پہنچا تھا۔ یہاں تک کہ کمیٹی کی عداوت پر بھی یہ صدمہ غالب آگیا تھا جس کی وجہ سے وہ اس سازش کو ظاہر کر دینا چاہتا تھا۔

۱۰ ار کو اخبارات قسطنطنیہ نے لندن کا ایک تار شائع کیا جس میں "ڈیلی ٹیلیگراف" کی یہ خبر درج تھی کہ ترکی میں اہم ترین واقعات پیش آنے والے ہیں جن سے انقلاب کا اندیشہ ہے۔ احرار نے صاف طور پر اعلان کر دیا ہے کہ وہ کمیٹی سے اس وقت تک جنگ موقوف نہ کریں گے جب وقت تک کہ ان کے دو آدمیوں کو کابینہ میں رکن اور تیسرے کو پارلیمنٹ کا نائب صدر نہ بنایا جائے گا۔ یکم مئی ۱۹۰۹ء کو حلمی پاشا نے نمائندہ "ترکی" سے ملاقات کی۔ اس ملاقات میں اس نے بیان کیا کہ مجھے معاملات کی خطرناک صورت اختیار کرنے کی وجہ سے فکر تھی۔ میں نے اسماعیل کمال بے کو طلب کیا جو جماعت احرار کا ایک ممتاز شخص تھا۔ اور اس کو سمجھایا کہ یہ سازشوں میں حصہ لینا ٹھیک نہیں اس سے خانہ جنگی کا

اندیشہ ہے لیکن وہ کچھ نہ سمجھا"

اس حالت میں حکومت کو چاہئے تھا کہ حفاظتی تدابیر اختیار کرتی اور سب سے پہلے مقدونی افواج کو طلب کرتی جو باشندگان دارالخلافت سے تعلق نہ رکھنے کی وجہ سے کمیٹی کی خیر خواہ تھیں۔ حکومت ہاتھ پر ہاتھ دھری رہی۔ ۱۳ اپریل کی دو بجے شب کو مقدونی سبک سوار کی چوتھی پلٹن نے جس پر کمیٹی کو پورا بھروسا تھا بغاوت کا نشان بلند کیا۔ یہ بغاوت بہت جلد تمام پیدل دستوں میں پھیل گئی۔ سپاہی استامبول کو جوق جوق روانہ ہوئے اور سینٹ صوفیا میں جو مرکز بغاوت تھا سفیطوں اور سوقیوں کے ساتھ شامل ہو گئے پارلیمنٹ کا محاصرہ کر لیا اور بابعالی اور محکمۂ سر عسکری کا رخ کیا۔ عجلت اور ہمت سے کام لیا جاتا تو یہ فتنہ یہیں دب جاتا کیوں کہ صرف معمولی درجے کے افسروں نے بغاوت کی تھی۔ لیکن تمام وزرا مضافات شہر یا شہر میں اپنے اپنے مکانوں میں تھے۔ حکم کون دیتا۔ قیمتی وقت رسالے کو داؤد پاشا سے لانے میں صرف ہو گیا اور بجائے اس کے کہ باغیوں پر فائر کیا جاتا صرف معمولی حملے کئے گئے جب سپاہیوں نے دیکھا کہ کوئی ان پر سردار ہی نہیں تو باغیوں کے ساتھ مل گئے وزیر جنگ کے حکم سے ابین یونو پر توپیں چڑھائی گئیں تاکہ کرا کوئی پل کو مسمار کر دیں اور پیرا کی پلٹنوں کو باغیوں سے ملنے سے روکیں لیکن توپخانے کی فوج اپنے افسروں کو قتل کر کے دشمن سے جا ملی۔ بابعالی میں سراسیمگی پھیلی ہوئی تھی۔ وقت کام کی جگہ باتوں میں چلا گیا تھا۔ صرف محمود مختار پاشا سپہ سالار افواج قسطنطنیہ ہی ایک ایسا شخص تھا جو صورت حال سے واقف تھا اور چاہتا تھا کہ باغیوں کے مقابلے میں معقول جارحانہ تدابیر اختیار کی جائیں لیکن صدر اعظم اور اس کے رفقا کے پس و پیش سے وہ کچھ نہ کر سکا[1] تین پلٹنیں پیدل کی اور ایک توپخانہ مشین گن کا لیکے جنھیں اس نے

[1] ۔ یہ وہ کمزور عذرات ہیں جو اس واقعے کے بعد حلمی پاشا نے اپنی اور اپنے ساتھیوں کی عدم دور اندیشی میں پیش کئے جو اس پر آشوب زمانے میں ان سے ظاہر ہوئی۔ انھوں نے ایک ملاقات میں بیان کیا کہ "اس واقعے کے تین روز قبل میں نے اپنے مکان پر ایک کمیٹی منعقد کی جس میں وہ تین جلیل القدر اصحاب تھے جن پر قوم کو اعتماد تھا اور جن کی رائے کی مجھے ضرورت تھی۔ میں نے

بر سر کار رکھا تھا سر عسکری پر قبضہ کیا اور اس کو باغیوں کے ہاتھ سے بچانے کی کوشش کی لیکن دو بجے دن کے حلمی پاشا اور اس کے رفقا نے سلطان کو اپنا استعفا پیش کیا۔ اب

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ :۔ ان سے خواجوں اور بازاری طبقے کی شورش کا ذکر کیا اور یہ دریافت کیا کہ آیا میں فوج پر بھروسہ کر سکتا ہوں۔ انھوں نے مجھے یہ قطعی یقین دلایا کہ فوج دستوری حکومت کی طرفدار ہے اور رہے گی اور اس کی طرف سے مجھے کوئی تردد نہ کرنا چاہئے۔ ان کے اطمینان پر میں صرف انھیں تدابیر کی طرف رجوع ہوا جو سابقہ سلطان اور اس کے حاشیے کی سازش سے بغاوت کے ظہور پذیر ہونے پر ضروری ہو سکتی تھیں۔ میں قسم کھاؤں گا کہ کیسی ہی بغاوت کیوں نہ ہوتی میں اس کا فوری دفعیہ کرتا لیکن جب اس منحوس روز کی صبح ہوئی تو میں نے دیکھا کہ خود سالونیکا کے سپاہی اور بعض افسر جن پر ہمیں اعتماد تھا اس بغاوت میں بڑا حصہ لے رہے ہیں تو میں نے مدافعت فضول سمجھی۔ یہ کہنا اب آسان ہے کہ ان چند پلٹنوں سے جن کی وفاداری مسلمہ تھی بغاوت کا فوراً انسداد ہو سکتا تھا لیکن ان باغی سپاہیوں کے سوا پچاس ہزار سے بڑھ کر وہ بدمعاش بھی تھے جن کو مثل باغیوں اور سفطوں کے حرم سرائے سے نقدی دیگئی تھی اور جو قتل و غارتگری پر آمادہ تھے۔ ان حالات میں مدافعت آپس کی خانہ جنگی کا باعث ہوتی۔ یورپ کی طرف سے فوراً دوسری مداخلت ہوتی اور میں اپنے ملک کی تباہی کا سبب ہوتا۔ باغیوں نے صدر اعظم اور پارلیمنٹ کے صدر نشین کی معزولی کا مطالبہ کیا تھا۔ اگر میں مدافعت کا حکم دے دیتا تو ملک میری وجہ سے تباہ ہوتا۔ جو کچھ گزرا اس سے یہ ثابت ہو گیا ہو گا کہ میں اپنی جان سے نہیں ڈرتا۔ میں اپنی جان اپنے ملک پر قربان کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہوں.....؛

صدر اعظم کی اس تقریر کو درج کرنے کے بعد ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ اس گفتگو کا اعادہ کیا جائے جو ان میں اور لفٹنٹ کرنل فائق بے "متصرف" سقوطری میں ۱۳ر اپریل کو ہوئی۔ بغاوت کے انسداد کے متعلق حیرت ظاہر کرتے ہوئے حلمی پاشا نے جواب دیا کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ بغاوت نہیں ہے سپاہیوں نے بلوہ کیا ہے۔ خود ہی یہ بلوہ کم ہو جائے گا۔ فائق بے نے بے فائدہ اصرار کیا کہ صدر اعظم یا وزرا باغیوں پر فائر کرنے کا حکم دیں لیکن اسے یہی یقین تھا کہ یہ ہنگامہ بہت جلد دب جائے گا۔ آخر مجبوراً اس نے سر عسکری کو جانے کا تہیہ کر لیا۔

کیا فائدہ تھا۔ اس پر بھی محمود مختار پاشا کی فوجیں سر عسکری میں رات تک اڑی رہیں اور باغیوں کے ایک حملے کو رد کیا جس سے وہ بعجلت تمام وزیر جنگ کو بزور گرفتار کرنا چاہتے تھے۔ وزرا کے مستعفی ہونے کے بعد جب مدافعت کی ضرورت باقی نہ رہی تو مختار پاشا کی فوجوں نے سر عسکری کا تخلیہ کر دیا۔

پہلے پہل تو باغیوں نے شریعت کی پوری پابندی کا مطالبہ کیا حالانکہ سپاہی شریعت کے ایک لفظ سے بھی واقف نہ تھے۔ اس پابندیٔ شریعت کے ساتھ انھوں نے صدر اعظم حلمی پاشا اور پارلیمنٹ کے صدر نشین احمد رضا بے کی برطرفی اور اراکین کمیٹی کی دار الخلافت سے جلا وطنی کا بھی مطالبہ کیا۔ جیسا جیسا بغاوت پھیلتی گئی ان کے مطالبات میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ انھوں نے وزیر جنگ علی رضا بے پاشا، اور اراکین کمیٹی کی حوالگی کا مطالبہ کیا تاکہ انھیں گولی سے اڑا دیا جائے۔ کمیٹی اور کمیٹی کے اخبارات "چورہ امت" اور "تعنین" کے دفاتر اور عورتوں کی انجمن اور فوجی انجمنوں کے مکانات لوٹے گئے۔ اخبارات قسطنطنیہ میں دوسرے روز شریف عثمانی فوج کے کارنامے پر بہت کچھ مدح وستائش کی گئی اور اسکی حب الوطنی کو آسمان پر چڑھایا گیا۔ اور افسروں کی عدم موجودگی کی یہ وجہ بتائی گئی کہ سپاہیوں نے اپنے افسروں کو گرفتار کر کے بے بس کر دیا اور مشکیں کس دی تھیں لیکن حقیقت یہ تھی کہ بغاوت کی ابتدا افسروں کے قتل سے ہوئی جو تمام دن ہوتا رہا۔ تقریباً تین سو افسر مارے گئے بدمست سپاہیوں نے ان تمام افسروں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کے قتل کیا جو مدارس فوجی کے تعلیم پائے ہوئے تھے۔ انھوں نے پہلے کہا تھا کہ سابق میں تمام افسر سپاہی ہوتے تھے اور سپاہی کے درجے سے ترقی کرتے تھے۔ ایسا ہی اب بھی ہونا چاہیئے۔ اس کے لئے مکتبی افسروں کو برخواست کر کے مدارس فوجی بند کر دینے چاہئیں۔ افسروں نے جب یہ حالت دیکھی تو معمولی کپڑے پہن کے سالونیکا کو جانے کی کوشش کی جہاں انھیں انقلاب قسطنطنیہ کے مقابلے کی امید تھی۔

سپاہیوں کے مظالم میں وزیر عدالت کا قتل بھی شامل ہے اور ایسا ہی نمائندۂ رطاقوئی محمد امیر ارسلان کا قتل بھی جو پارلیمنٹ کے سامنے مارا گیا۔

ایک اور قتل قابل ذکر کپتان بحری علی بے کابلی کا ہے جو بدھ کے روز بڑی بیدردی سے قتل کیا گیا۔ اس بغاوت میں جن جماعتوں نے سب سے پہلے حصہ لیا ان میں بیڑے کی جماعت بھی تھی۔ جنگی جہاز "مسعودی" اور "آثار توفیق" کے جہازراں اور چند دوسرے جہازوں کے آدمی "دستور" کی وفاداری پر ثابت قدم رہے۔ علی بے نے کابلی "آثار توفیق" کے کپتان نے توپوں کا منہ یلدیز کی جانب موڑ دیا اور سپاہ کو حکم دیدیا کہ اس کے حکم پر انھیں سر کرنا شروع کر دیں۔ جب اس کی اطلاع ہوئی تو کوارٹر ماسٹروں نے علی بے کابلی کے اسباب جنگ پر قبضہ کر لیا۔ باغیوں نے اس کے ہاتھ پاؤں باندھے اور اسے یلدیز لے گئے جہاں وہ سلطان کی آنکھوں کے سامنے جو نہایت اطمینان سے اس منظر کو دیکھتا رہا تلواروں اور برچھیوں سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا۔

شہر میں بغاوت پھیلی ہوئی تھی۔ حلمی پاشا اور اس کے وزرا مستعفی ہو چکے تھے۔ احمد رضا بے پارلیمنٹ کے صدر نشین نے بھی حسب ذیل خط کے ذریعے اپنا استعفا پیش کیا تھا۔ "اب تک میں نے اپنی زندگی کو اپنے ملک کی بہبودی کے لئے وقف کیا۔ اب چونکہ ایک تحریک میری مخالفت میں کی جارہی ہے اس لئے میں صدارت پارلیمنٹ کی خدمت سے اپنا استعفا پیش کرتا ہوں اور یہ میرا استعفا بھی ملک کی خدمت کے لئے ہے"

اراکین کمیٹی قتل کے ڈر سے فرار اور روپوش ہو گئے تھے۔ محمود مختار پاشا جسے سپاہی بندوق سے اڑانا چاہتے تھے ایک انگریزی جہاز میں روانہ ہو گیا۔ اور جب دو پلٹنوں نے موداہیں اس کے گھر کو گھیر لیا تو وہ وہاں موجود نہ تھا۔

۱۴ ار کی صبح کو سلطانی فرمان شایع ہوا جس میں توفیق پاشا سابق وزیر خارجہ کو جو ابھی اپنی خدمت سفارت روما پر روانہ نہیں ہوا تھا صدارت عظمیٰ پر مامور کرنے کا اعلان تھا۔ شیخ الاسلام ضیاء الدین جس نے باغیوں کے مطالبات کی جانبداری کی تھی بدستور اپنی خدمت پر رہا۔ کابینے کے اراکین حسب ذیل مقرر ہوئے۔

وزیر جنگ مارشل ادھم پاشا رستم لادرسا دو موکس، صدر نشین مجلس نظمیہ (Council of state) ذہنی پاشا سابق وزیر تجارت و تعمیرات، وزیر خارجہ رفعت پاشا (حسب سابق)، وزیر تعمیرات نورو ڈنگمین (حسب سابق) وزیر مالیات

نووی بے ناظم وظائف ؛ وزیر عدالت وامور مذہبی وصدر نشین مجلس اعیان حسن فہمی پاشا۔ وزیر اوقاف خلیل حامد پاشا (حسب سابق) وزیر زراعت ومعدنیات وجنگلات مورو کورڈیٹو افندی (بحال) وزیر البحر (فی الحال) امیر البحر امین پاشا صدر نشین مجلس بحر ۔ وزیر ممالک داخلی (فی الحال) عدل بے مشیر محکمۂ تنقیح۔ محمود مختار پاشا کی جگہ جنرل ناظم پاشا پہلے دستے کا سپہ سالار بنایا گیا۔ اور جنرل خورشید پاشا توپخانہ کا افسر اعلیٰ ۔

باغی سپاہیوں نے سعید پاشا یا کامل پاشا ان میں سے کسی ایک کو صدر اعظم اور ناظم پاشا کو وزیر جنگ بنانے کا مطالبہ کیا تھا لیکن سعید پاشا اور کامل پاشا دونوں نے اس خطرناک خدمت کو قبول کرنے سے صاف طور پر انکار کر دیا۔ سلطان ناظم پاشا کو وزیر جنگ بنانے کے خلاف تھا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس تمام عرصے میں پارلیمنٹ میں کیا ہو رہا تھا۔ ۱۳ر اور ۱۴ر کو پارلیمنٹ کا اجلاس نہیں ہوا کیونکہ جس نواح میں پارلیمنٹ واقع تھی اس کو سپاہیوں نے گھیر لیا تھا اور اکثر نمائندے نہیں آئے تھے۔ ۱۵ر کو رضا پاشا نمائندہ قرہ حصار کی صدارت میں جو سب سے دیرینہ رکن تھا پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا۔ صرف آٹھ رکن حاضر تھے۔ چونکہ ارکان کی تعداد کافی نہ تھی اس لئے بغیر کسی تصفیے کے مجلس برخاست ہو گئی۔ صرف یہ طے ہوا کہ اخبارات میں تمام نمائندوں کو پارلیمنٹ میں آنے کی اطلاع دی جائے۔ دوسرے دن اس دعوت پر جو بمثل حکم تھی (۱۸۸) اراکین آئے تصفیہ یہ کیا گیا کہ جن جن شہروں نے دستور کی مخالفت اور شورش میں حصہ لیا تھا انھیں ایک اطلاع دی جائے۔ اس اطلاع میں لکھا تھا کہ:۔

"چند روز سے صدائے احتجاج بلند ہے اور عوام کا مطالبہ یہ ہے کہ بلند پایہ شریعت اسلامی کی پوری پابندی کی جائے۔ سرزمین وطن کے سپوت ترکی سپاہیوں کو مزید شکایات فوجی خدمت اور انتظام کے متعلق ہیں اور ان کا مطالبہ یہ ہے کہ ان کی شکایات دور کی جائیں۔ انھوں نے اس بارے میں نمائندگان پارلیمنٹ سے جو خود ان کے اور ان کے بڑوں کی طرف سے نائب بنائے گئے ہیں درخواست کی تھی جس میں نئے صدر اعظم اور نئے وزیر جنگ کے انتخاب کی ضرورت کو ظاہر

کیا تھا جن پر سب کو اعتماد ہو اور جو اپنے تمام نظم و نسق میں مقدس قانون شریعت کو پیش نظر رکھیں اور ہمیشہ مفاد دستور کی حفاظت کریں جس کا وجود تمام قوم کی متفقہ خواہش سے ہوا ہے۔ اس درخواست کے ساتھ ہی نمایندگان پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا سپاہیوں کے مطالبات منظور کئے گئے جس پر اراکین کابینہ نے استعفا پیش کیا پارلیمنٹ کے اس تصفیے کے بعد ایک سلطانی فرمان شائع ہوا جس میں ان لوگوں کے عفو تقصیرات کا ذکر تھا جنھوں نے اس مظاہرے میں حصہ لیا تھا۔ تمام سپاہی مسرت و اطمینان کے ساتھ اپنی چھاؤنیوں کو روانہ ہوئے۔ اس طریقے سے سپاہیوں نے اپنی اطاعت و فرمانبرداری کا ثبوت دیا (؟) جس سے وہ ممتاز ہیں۔ پارلیمنٹ کے تمام نمایندے اس واقعے کی اہمیت کو ملحوظ رکھ کے یہ اپنا فرض منصبی سمجھیں گے کہ آئندہ سے شریعت محمدی کے محترم اصول پر چلیں اور دستوری انتظامات کو اسی شریعت پر رکھیں جو سرزمین وطن کے سپوتوں کے اغراض و حقوق کی نگہداشت کی ذمہ داری لیتی ہے اور اس پر تن دہی سے عمل پیرا ہوں جو تن دہی ہمیشہ سے ان کا شعار رہی ہے......"

۱۷ / کو پارلیمنٹ کے ارکان حاضرہ نے جو کل ۱۹۱ تھے احمد رضا بے کی جگہ صدر نشین منتخب کرنے کی کارروائی شروع کی جس کا استعفا حالات کے اعتبار سے مجبوراً قبول کیا گیا تھا۔ صرف ایک بلغاری نمایندہ ڈالٹشیف احمد رضا بے کی حمایت میں اٹھا۔ پارلیمنٹ کے نمایندوں نے کبھی اس طرف خیال نہیں کیا کہ نئے وزرا کے متعلق جو بغیر ان کی مرضی اور مشورے کے مامور کئے گئے تھے کوئی بحث چھیڑی جائے یا ان سے معاہدے لئے جائیں کیونکہ اس میں ان کی اپنی خیر نہ تھی لیکن جب کہ ترکی کے صوبجات یورپ کے دستور کی حمایت میں اٹھنے والے تھے اور جب کہ مقدونی اور تھریسی افواج باغیوں کی سرکوبی کے لئے چٹلجہ تک آگئی تھیں تو انھیں ہمت سے کام لینا چاہئے تھا۔ کچھ نہیں تو احمد رضا بے کے لئے اعتماد کا اظہار کیا جاتا اور توفیق پاشا اور دوسرے وزرا پر جو بغاوت کے سلسلے میں مامور ہوئے تھے نکتہ چینی کی جاتی لیکن سچ تو یہ ہے کہ مزلیہ افندی نمایندۂ سمرنا، اور پتش ڈورف نمایندۂ مونستر کی وجہ سے پارلیمنٹ کی ہیئت ہی کچھ اور ہو گئی تھی۔

صوبہ اور دالخلافت کا مقابلہ۔ مقدونی فوج کا قسطنطنیہ پر قبضہ (۲۴ اپریل)
حکومت، کمیٹی، اور پارلیمنٹ کی یہ حالت تھی۔ دارالخلافت کی فوج کو ایک طرف
سفطوں نے مذہبی جوش دلایا تھا تو دوسری طرف یلدیز کی اشرفیوں نے
ان کی جیبوں کو گرم کیا تھا اور وہ سلطان کو ایک برتر ہستی سمجھ رہی تھی کہ صوبجات یورپ
کی فوجیں دستور کی حمایت پر اٹھیں۔ گو ۱۳ اپریل کو باغیوں نے دوراندیشی سے
ٹیلیگراف کو اپنے قبضے میں کر لیا تھا تاکہ باشندگان صوبجات کو تار کے ذریعے سے بغاوت کا
حال معلوم نہ ہو جائے لیکن اس پر بھی یہ خبر بدھ کی شام کو سالونیکا میں پہنچ گئی۔ کمیٹی کی مرکزی جماعت
کے جلسے سالونیکا میں ہوتے تھے چنانچہ اب بھی صیانت دستور کی تدابیر پر غور کرنے کے لئے اس جماعت
کا جلسہ ہوا۔ فوجی افسروں کو اپنے ساتھیوں کے قتل کی خبر معلوم ہو چکی تھی اور انھیں ڈر تھا کہ کہیں وہ خود بھی
"مکتبی افسر" ہونے سے دارالخلافت کی فوج کا شکار نہ ہو جائیں اس لئے انھوں نے
کمیٹی کو اپنا مامن بنایا اور دارالخلافت پر کوچ کی آمادگی ظاہر کی۔ ۱۵ر تاریخ پنجشنبہ کو
فوج کی پہلی گاڑی سالونیکا سے قسطنطنیہ روانہ ہوئی۔ ۱۶ کا تمام دن اور تمام رات
گاڑیاں چلتی رہیں لیکن کامیابی کا انحصار ایڈریانوپل کے دوسرے دستے کے فیصلے پر
تھا جس کے متعلق سلطان کے طرفدار ہونے کا گمان تھا۔ یہ دستہ اگر سلطان کی
طرفداری کا اعلان کرتا تو مقدونی فوج دارالخلافت پر کوچ کرنے سے رک جاتی۔
سپہ سالار افواج سالونیکا حسنی پاشا تھا جس کے داماد رحمی بے نمایندۂ سالونیکا
ورکن کمیٹی کے سر کا مطالبہ باغیوں نے کیا تھا۔ حسنی پاشا فی الفور ایڈریانوپل روانہ
ہوا اور صالح پاشا سپہ سالار افواج ایڈریانوپل سے گفتگو کی۔ صالح پاشا مستعد اور
بہادر آدمی تھا اور اسے عبدالحمید سے سخت نفرت تھی۔ ۱۶ر کی شام کو دوسرے
دستے کے سترہ سو سپاہی چٹلجہ کے مقابل اترے جو قسطنطنیہ کا قلعہ تھا۔ ساعت بساعت
سپاہیوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا اور فوجی گاڑیاں بغیر وقفے کے سپاہیوں کو
اتارتی جا رہی تھیں۔ تھریس اور مقدونیہ نے قسطنطنیہ کو اعلان جنگ دیدیا تھا۔
ہر طرف رضاکاروں کی جماعتیں ترتیب دی گئیں۔ محمود شوکت پاشا نے جو تیسرے
دستے کا سپہ سالار تھا سالونیکا سے فوجیں روانہ کرنے کا انتظام اپنے ہاتھ میں
لیا۔ نیازی بے رضاکار پلٹنوں کے ساتھ ریسنہ سے آیا۔ انور بے فوجی سفیر برلن سے

اور ابراہیم حقی پے فوجی سفیر وائنا سے بعجلت تمام ترکی کو واپس ہوئے تاکہ محبانِ وطن کو حمایت دستور کی دعوت دیں۔ دستور کی پہلی فوج چٹلجہ پر آتے ہی حکومت کے چھکے چھوٹ گئے۔ صدر اعظم توفیق پاشا نے جلد اعلیٰ افسر توپخانہ خورشید پاشا کو اس پیام کے ساتھ بھیجا کہ قسطنطنیہ میں سب امن چین ہے۔ ۱۷ کی دوپہر کو پارلیمنٹ نے اپنے تیس اراکین کا وفد بھیجا تاکہ مقدونی سپاہیوں کو اطمینان دلائے کہ آزادی خطرے میں نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ خورشید پاشا کے مشورے سے چٹلجہ کا توپخانہ قسطنطنیہ بھیجا گیا تاکہ یہ بخوبی آشکارا کیا جائے کہ پارلیمنٹ کو کچھ دھوکا نہیں۔ اس توپخانے میں صرف ایک کپتان اور دو لفٹننٹ جملہ تین افسر تھے جنھوں نے سپاہی کے درجے سے ترقی کی تھی۔ پارلیمنٹ کے سامنے انھوں نے بینڈ بجایا۔ سپاہیوں کی درخواست پر پریزیڈنٹ نے اجلاس ملتوی کر کے ایک تقریر کی جس میں ان کا خیر مقدم کر کے ان کے شہری ہونے پر مبارکباد دی تھی۔ اس نے اپنی تقریر میں ان کی بہت کچھ مدح سرائی کی تھی چنانچہ ایک جگہ اس نے یہ کہا تھا:۔

"پارلیمنٹ سے زبردست اور کوئی طاقت خدا کے سوا نہیں۔ اور کیوں اس کا سکہ نہ چلے جب کہ اس کی حمایت پر تم جیسے بہادر ہوں۔ یہ کبھی باور نہ کرنا کہ تمھارے ساتھیوں نے پارلیمنٹ میں خلاف آئین کوئی کام کیا ہے۔ نہیں بلکہ وہ اب بھی تمھارے ایسے ہی نیک دوست ہیں جیسے سابق میں تھے۔ نمائندگان پارلیمنٹ تم سے اور تمام فوج سے فوجی انقیاد کی امید رکھتے ہیں۔ تم تمام جانتے ہو کہ ہمیں سلطان کی اطاعت کرنی چاہیئے اور جو وہ حکم دے اسے تسلیم کرنا چاہیئے.....

تم نے پارلیمنٹ کو مبارکباد دینے کی زحمت گوارا کی اور یہاں تک آئے۔ یہ اچھی طرح سے سمجھ لو کہ دنیا کا کوئی فرد بشر عثمانیہ مجلس شوریٰ کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ پس یہ بخوبی واضح کر دو کہ جبتک قوم عثمانی باقی ہے عثمانیہ قومی مجلس شوریٰ بھی رہے گی۔"

پارلیمنٹ سے سپاہی یلدیز روانہ ہوئے جہاں انھوں نے سلطان اور اس کے بیٹے برہان الدین کے لئے نعرہ ہائے مسرت بلند کئے۔ برہان الدین نے اپنے نامور باپ کی طرف سے ان کی وفاداری کا شکریہ ادا کیا۔ یہاں ان کی اکل و شرب سے خاطر کی گئی اور اب وہ اپنے چھاؤنیوں کو لوٹنے کی تیاری کر رہے تھے کہ

یہ سنکر ان کی حیرانی کی کوئی انتہا نہ رہی کہ ان کی عدم موجودگی میں چٹلجہ کے قلعوں پر دستوری فوج نے قبضہ کر لیا اور ان کے لئے توپوں سے تیار ہیں۔ اس طرح سے خورشید پاشا نے اس فوج کو دھوکا دیا۔ ۱۸ر تاریخ اتوار کو دستوری افواج کے سراغرسانوں نے جن کی قسطنطنیہ میں آمد و رفت تھی کوچک چکمہ جی پر قبضہ کر لیا جو اسی نام کی جھیل پر، دارالخلافت کے ریلوے اسٹیشن سے دو گھنٹے کی مسافت پر واقع ہے۔ ۱۹ر کو سین اسٹیفانو پر انھوں نے قبضہ کیا۔ ۲۰ر کو پندرہ ہزار کی فوج اور ساٹھ توپیں قسطنطنیہ کے سامنے تھیں۔ محاصرہ ایک طرف کوچک چکمہ جی سے شروع ہو کے جو دریائے مارمورا پر واقع تھا دوسری طرف کاواک پر ختم ہوا تھا جو باسفورس کے دہانے پر دریائے اسود کی جانب واقع ہے۔ حسین حسنی سپہ سالار فوج رومیلیا نے اعلان شائع کئے جن میں سر عسکری کے حکام اور عوام الناس کو مخاطب کر کے اطمینان دلایا تھا کہ تشویش نہ کریں۔ ۱۳ر اور ۱۴ر اپریل کے باغیوں کو سزا دیجائے گی۔ ان اعلانات کے ذریعے سے ان شرائط کو بھی بیان کر دیا گیا تھا جن پر قسطنطنیہ کی فوج سے مصالحت ممکن تھی۔

جونہی افواج دستوری مضافات قسطنطنیہ میں داخل ہوئیں جماعت اتحاد و ترقی کے نمایندے سین اسٹیفانو روانہ ہوئے اور وہاں توفیق بے ابوضیا نمایندۂ تیک و مدیر "تصویر افکار" کو عارضی صدر منتخب کر کے قومی مجلس قائم کی کیونکہ احمد رضا بے جسے نمائندے ابتک بھی اپنا باقاعدہ صدر سمجھتے تھے موجود نہ تھا۔ توفیق بے نے استامبولی پارلیمنٹ کے تجاویز کو باطل و کالعدم قرار دیا۔ اور اس کی وجہ یہ بتلائی کہ جن نمائندوں نے ان تجاویز کو منظور کیا ان پر تلوار مسلط تھی۔ اور انھیں وہ آزادی حاصل نہ تھی جو قومی نیابت کے لئے ضروری ہے۔ ۲۱ر کو احمد رضا بے سین اسٹیفانو آیا اور کرسی صدارت پر عوام الناس و نمایندگان کے نعرہ ہائے مسرت کے ساتھ متمکن ہوا۔ ۲۲ر کو مجلس اعیان کے اراکین بھی سین اسٹیفانو میں جمع ہو گئے اور اس طرح سے ایک عثمانی مجلس کبیرہ قائم ہوئی جس کی طرف سے ایک اعلان شائع ہوا جس میں محاصرہ کن فوج کے انتظامات کی توثیق کر کے اس کی مخالفت کرنے والے کو قانونی مجرم قرار دیا گیا تھا۔

مجلس کی طرف سے اس اعلان کا ووٹ دیا ہی گیا تھا کہ گولڈن ہارن کا

بحری دستہ آموجود ہوا۔ اراکین کو سخت دغدغہ تھا کہ دیکھئے اب کیا ہوتا ہے لیکن خوش قسمتی سے اس دستے نے مجلس کی طرفداری کا اعلان کر کے اپنے آپ کو مجلس کی خدمت کے لئے پیش کیا۔ سلطان کو اس دستے کے پھر جانے سے بہت بڑی زک ہوئی کیونکہ اسے بحری فوج کی وفاداری پر بھروسا تھا اور وہ یہ سمجھے ہوئے تھا کہ بیڑے کی توپیں رومیلی فوج کو شہر میں داخل نہ ہونے دیں گی۔ مجلس نے بہت خوشی کے ساتھ محمود شفقت پاشا کو تمام بری و بحری افواج کا قائد عام مقرر کیا جو اسی روز صبح کو سالونیکا سے جنگی انتظامات کے لئے آیا تھا۔

قسطنطنیہ میں حکومت ساکت و صامت تھی۔ مدافعتی انتظامات آسانی سے کئے جا سکتے تھے لیکن ان انتظامات کی طرف مطلق توجہ نہیں کی گئی۔ سلطان کے پاس بیس ہزار کی فوج تو تھی ہی۔ اگر وہ سنجک شریف (لوائے محمدی) بلند کرتا اور یہ اعلان کر دیتا کہ نیک مسلمان خلیفہ کی حمایت پر اٹھیں اور باغیوں پر حملہ کریں تو تمام استامبولی مسلح ہو جاتے اور اس کے لئے اپنی جان سے دریغ نہ کرتے۔ تمام آنکھیں اسی لئے یلدیز پر تھیں مگر یلدیز خاموش تھا جیسا کہ اس ہنگامے سے اس کو کوئی واسطہ ہی نہیں۔ دہشت اگر پھیلی ہوئی تھی تو باشندگان شہر میں پھیلی ہوئی تھی۔ پیرا میں چاندڑ وخانے کی گپیں اڑ رہی تھی۔ ایک افواہ یہ اڑی کہ سلطان نے ستر ہزار موزر بند وقتیں استامبول کے غریب لوگوں میں تقسیم کیں۔ اور سفرا کو یہ متنبہ کر دیا گیا کہ اگر دول یورپ کی طرف سے مداخلت ہو گی اور رومیلی فوج کو مراجعت کے لئے مجبور نہ کیا جائے گا تو پیرا میں آگ لگا دی جائے گی اور تمام عیسائی قتل کر دئے جائیں گے! رومیلیوں کے استامبول میں داخل ہوتے ہی تمام وہ لوگ جو مذہبی یا دستور کی مخالف جماعت سے تعلق رکھتے تھے پیرا کو بھاگ گئے۔ پیرا کے باشندے جہازوں اور ٹرینوں سے یورپ کو فرار ہو گئے۔ حریت پسند اخبارات نے سلطان پر سخت سخت حملے کئے اور اس کی معزولی کا مطالبہ کیا۔ دستور کی مخالف جماعت کے اخبارات اور احراری رسالے بھی جنھوں نے ۱۳ اپریل کو سلطان کی تعریف و توصیف کے راگ الاپے تھے تاکہ وہ ان کے سابقہ طرز عمل کو معاف کر دے اب اس کے خلاف ہو گئے اور اس کو نشانۂ ملامت بنایا۔ صرف سپاہیوں نے ہی مردانگی سے کام لیا اور یہ

اعلان کر دیا کہ ہم سلطان کی طرف سے لڑیں گے۔ اور کبھی اس کی وفاداری سے نہ ہٹیں گے۔
بریں ہمہ رومیلیوں میں اور کابینہ توفیق پاشا میں صلح کی گفت و شنید ہو رہی تھی۔ ان لوگوں نے سلطان کو صورت حال سے بالکل بے خبر رکھا اور محمود شفقت پاشا کے شہر میں داخل ہونے کے لئے راستہ صاف کرنے کی کوشش کی۔ ادھم پاشا وزیر جنگ ناظم پاشا سپہ سالار دستہ اول، اور دارالخلافت کے مختلف فوجی حکام محاصرہ کن فوج کے سپہ سالار سے ملے ہوئے تھے۔ باغی سپاہیوں سے جنھوں نے افسروں کو قتل کیا تھا انھیں کوئی واسطہ نہ تھا۔ خود توفیق پاشا نے محض اس لئے صدارت عظمیٰ کو قبول کیا تھا کہ کابینہ میں مذہبی، اور دستور کی مخالف جماعتیں بالکل متسلط نہ ہو جائیں۔ ۲۳/ اپریل جمعہ کو دو بجے سرکاری اخبار "تقتین وقائع" نے بطور ضمیمہ محمود شفقت پاشا کا یہ اعلان شائع کیا کہ فوج رومیلیا سلطان کو معزول کرنے نہیں آئی ہے۔ وہ صرف یہ چاہتی ہے کہ شہر میں دوبارہ امن و امان قایم کرے۔ اس کے سوا اور کوئی مطلب اس کے مد نظر نہیں۔ وہ باغی جو طالب عفو ہوں گے انھیں معاف کر دیا جائے گا لیکن وہ لوگ جو فرائض فوج میں ہارج ہوں گے اس کی ذمہ داری ان پر عائد ہو گی۔ اعلان کا خاتمہ حسب ذیل الفاظ پر تھا۔

"میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ اس اعلان کو فوراً ہی شائع کر کے اس کی اطلاع سفارتخانوں کو دیدیں۔ میرے خیال میں یہ میرا فرض ہے کہ ایک تحریری اطلاع سلطان کو بھی دوں گا"

اس اعلان سے علی العموم یہ سمجھا گیا کہ سلطان میں اور رومیلیوں میں کوئی تصفیہ ہو گیا ہے لیکن داؤد پاشا کی چھاؤنیوں کا جبری قبضہ جو اس وادی میں واقع تھیں جس سے محمود شفقت کی فوجیں یلدیز پر حملہ کرنے گزرتیں اس اعلان کو جھٹلا رہا تھا۔ اس کے علاوہ احمد رضا بے کی وہ گفتگو بھی جو مجلس قومی کا اجلاس ختم ہونے پر اس روز ہوئی تھی بہت معنی خیز تھی۔ کسی نے اس سے سوال کیا کہ کل ۲۴/ کو کیا ہو گا۔ انھوں نے جواب میں کہا کہ کل تو کوئی مباحثہ نہیں ہے۔ اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ کل کیا ہو گا لیکن اتنا ہے کہ کل جو کچھ ہو گا وہ ہمارے سے ہی متعلق ہو گا۔" ۲۴/ کو صبح کے چار بجے رومیلی فوجیں باروتخانوں کو روانہ ہوئیں جو آتت میدان، قطعین اور

قاسم پاشا کے درمیان بلندی پر واقع تھے۔ اور انھیں ایک مختصر سی جھڑپ کے بعد فتح کیا۔ ایک بڑا دستہ فوج کا پیرا کو روانہ ہوا تاکہ اس پر قبضہ کر کے غیر ملکی تبلیغ خانوں کی (مشنوں کی) حفاظت کرے۔ کچھ فوجیں چچلی کی طرف بڑھیں اور ایک خاصی جنگ کے بعد فوجی مدرسے پر قبضہ کیا ساتھ ہی رومیلیوں نے ایک طرف تاس کچلہ کی چھاؤنیوں پر حملہ کر دیا جہاں چوتھی مقدونی سبک سوار فوج کی تین پلٹنیں تھیں جنھوں نے ۱۳ر کی بغاوت میں بہت بڑا حصہ لیا تھا اور دوسری طرف مچکہ کے اسلحہ خانہ پر یورش کی جہاں دو پلٹنیں تھیں توپخانہ کی رجمنٹ اور خندق کنوں کی پلٹن نے جو ٹیکسم کی چھاؤنیوں پر قابض تھیں اپنے تحت افسروں کی سرکردگی میں رومیلیوں پر گولہ باری کی۔ ایک خونریز جنگ کے بعد قریب ساڑھے آٹھ بجے کے تینوں دستوں نے اطاعت قبول کی۔ استامبول میں بابعالی کے سوا کہیں زیادہ مقابلہ نہوا جہاں کی محافظتی پلٹن کو سخت ہزیمت ہوئی۔ دوپہر کے قریب تمام شہر پر رومیلیوں کا قبضہ تھا۔ صرف یلدیز کی فوجیں جنھوں نے اس لڑائی میں حصہ نہیں لیا تھا اپنی جگہ پر رہیں لیکن یلدیز کا محاصرہ کر لیا گیا۔ اور مصالحت کی گفتگو ہوئی۔ محمود شفقت پاشا نے بغیر کسی شرط کے اطاعت کا حکم دیا۔ یلدیز کی فوجوں نے ہتھیار کے ساتھ چلے جانے کی اجازت طلب کی۔ اب سلطان کا سوال تھا۔ اس کے متعلق باتفاق سبھوں نے معزولی کی رائے دی۔ اور بعضوں نے تو اس کے سر کا بھی مطالبہ کیا۔

عبدالحمید کی معزولی (۲۷ر اپریل)

عبدالحمید کے پاس یلدیز میں اب بھی چھ سات ہزار کی فوج اور پندرہ توپیں تھیں۔ اگر وہ خود بھی موثر جارحانہ طریقہ اختیار کرتا تو گو تخت تو کسی صورت سے نہ بچتا مگر عزت اور آن بان تو ہاتھ سے نہ جاتی۔ اور شاید شرائط بھی ایسے سخت نہوتے لیکن سلطان میں یہ ہمت نہ تھی۔ علاوہ بریں اس کا طرز عمل ۱۳ر اپریل سے اپنی معزولی کے

زمانے تک مورخ کے لئے ایک معمّا رہے گا۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں ہوسکتا کہ ۱۳ اپریل کی بغاوت کو یلدیز کے ایلچیوں نے بھڑکایا تھا اور سلطان نے بنک سے اپنی ذاتی رقم لے کر باغیوں میں تقسیم کی تھی چنانچہ جو کاغذات حرم سرائے سے برآمد ہوئے ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ منصوبہ اسی کا تھا لیکن سوال یہ ہے کہ اس نے اپنی فتح سے فائدہ کیوں نہیں اٹھایا اور کیوں رومیلی فوجوں کو دارالخلافت کا محاصرہ کرنے دیا؟ جب شام کو رومیلی فوجیں قسطنطنیہ میں داخل ہوئیں یلدیز کے سپاہیوں کو حکم دیا گیا کہ اگر مقدونی شہر میں داخل ہونا چاہیں تو ان کا کوئی مقابلہ نہ کیا جائے۔ پہلے دستے کے سپاہیوں نے اگر مزاحمت کی تو اپنی طرف سے کی۔ سلطان کا ہرگز یہ حکم نہ تھا۔ حملہ آوروں کی اس قدر عاجلانہ پیش قدمی کا یہی سبب تھا کہ کسی نے ان کی مزاحمت نہیں کی۔ وابستگان عبدالحمید ۱۳ / اپریل کی کوشش کے خلاف تھے کیوں کہ وہ اچھی طرح سے جانتے تھے کہ سلطان سے اس مہم کا بن پڑنا ممکن نہیں۔ عبدالحمید کو بیرونی دنیا کا علم مطلق نہ تھا۔ اور وہ خواہ مخواہ ایک مشرقی تکیا ولی مشہور ہوگیا تھا۔ گمان تو یہ گزرتا ہے کہ اس معاملے میں وہ اپنے مصاحب داور آغا اور اپنے عزیز فرزند برہان الدین کی وجہ سے مجبور ہوگیا تھا جسے وہ اپنا ولیعہد بنانا چاہتا تھا (یہ داور آغا اوّل درجے کا خواجہ سرا تھا۔ کہیں غلطی سے اسے قیزلر آغا نہ سمجھ لیا جائے جو خواجہ سراؤں کا افسر ہوتا ہے) مشکل تو یہ تھی کہ اس بغاوت میں حصہ لینے والوں میں کوئی بھی قیادت کا اہل نہ تھا۔ اتوار کا تمام دن (۲۵) حرم سرائے اور محمود شفقت میں گفت وشنید ہوتی رہی۔ اس اثنا میں تمام یلدیز کی چھاؤنیوں کے سپاہیوں نے حتیٰ کہ انھوں نے بھی جو یلدیز کی چاردیواری میں تھے اطاعت قبول کی شام کے قریب تمام بیرونی چھاؤنیوں پر رومیلیوں کا قبضہ تھا۔ ۲۶ / دوشنبہ کو پارلیمنٹ اور مجلس اعیان کا بحیثیت مجلس قومی سینٹ صوفیا کی حوالی میں اجلاس ہوا تاکہ معزولی سلطان کے متعلق بحث کی جائے حالانکہ ۲۳ / کے اعلان میں اس کا ذکر تک نہ تھا۔ مجلس اعیان کی طرف سے وزیر سول لسٹ نوری بے، اور پارلیمنٹ کی طرف سے توفیق بے ابوضیا، نمائندۂ تیگ اور طلعت بے نمائندۂ ایڈریانوپل، و نائب میر مجلس پارلیمنٹ و صدر کمیٹی معزولی

سلطان کا سوال پیش کرنے والے تھے۔ اب بحث شروع ہونے والی ہی تھی کہ قائد عام نے اجلاس کو دوسرے روز کے لئے ملتوی کرنے کا حکم اسلہ بھیجا۔ رات میں یلدیز نے بغیر کسی شرط کے اطاعت قبول کی۔ قائد عام نے احمد رضا بے کو بذریعۂ تار تمام نمایندوں اور اراکین کو ۲۷ کی شام کے آٹھ بجے غیر معمولی اجلاس میں شرکت کی دعوت دی۔ وقت مقررہ پر سوائے احراری لیڈروں کے جو فرار ہو گئے تھے تمام اراکین مجتمع ہوئے۔ معزولی کے متعلق بحث ہوئی کہ کس طرح اس کا اعلان کیا جائے۔ آیا دستور کے خلاف عمل پیرا ہونے کے جرم میں غدار و باغی ٹھیرا کے معزول کیا جائے یا دستور قدیم کے موافق مقدس قوانین شریعت کی خلاف ورزی پر بڑے بڑے علما کا فتویٰ حاصل کیا جائے فتوے ہی کی رائے ٹھیری تاکہ مخالف جماعتوں کو اس قدیم مذہبی اصول کی خلاف ورزی پر نکتہ چینی کا موقع نہ ملے۔ فتویٰ تیار تھا۔ فتوے کی عبارت سابقہ فتووں سے بالکل مختلف تھی یہ اس لئے کہ خود عبدالحمید کی ذات سے جرائم کو منسوب کرنا سخت جرم تھا جس کی سزا موت تھی۔ فتوے کی عبارت حسب ذیل ہے:۔

"زید جو خلیفۃ المسلمین ہے اہم مسائل شریعت کی خلاف ورزی اور رعایا کے پیسے کو ناواجبی طور پر خرچ کرتا ہے جو احکام شریعت کے منافی ہے۔ رعایا کو قتل اور مقید۔ اور جلاوطن اور اس پر ہمیشہ ظلم و ستم کرتا ہے"۔

یہی نہیں بلکہ حلف شکنی کرتا اور امور اسلام میں فساد ڈالتا' اور ملک میں نقض امن اور خونریزی کرتا ہے"۔

"اگر مسلمان ایسے خلیفہ سے اس کا اقتدار چھین لیں جس کے متعلق تمام دنیا کے مسلمانوں کو شکایت ہے اور جس کے تخت پر رہنے سے مسلمانوں کو خطرہ ہے تو کیا اس کی معزولی حق بجانب ہو سکتی ہے؟ اور کیا اس کو رعایا معزول کر سکتی ہے"۔

اور کیا ان لوگوں کی رائے پر عمل کیا جا سکتا ہے جو ارباب حل و عقد ہیں اور جن کی رائے زید امیر المسلمین کے متعلق یہ ہے کہ وہ معزولی کے قابل ہے؟ اس کے متعلق علمائے دین متین کا کیا فتویٰ ہے۔

جواب: بیشک وہ معزولی کے قابل ہے۔ اس کو معزول کرنا چاہیئے۔ اس فتوے کے پڑھنے کے بعد سلطان عبدالحمید کی معزولی اور اس کے بھائی رشاد افندی محمد خامس کے نام سے سلطان ہونے کا اعلان نعرہ ہائے مسرت کے ساتھ کیا گیا۔ چار چار اراکین کے دو کمیشن مرتب ہوئے ایک سلطان عبدالحمید کو اس کی معزولی کی خبر پہنچانے اور دوسرا شاہزادہ رشاد کو اس کی تخت نشینی کی خبر دینے روانہ ہوا۔ دو اراکین مجلس اعیان عارف حکمت پاشا سابق وزیر بحر اور عرم افندی، اور دو اراکین پارلیمنٹ اسعد پاشا نمائندۂ ڈوراز و اور کراسو افندی نمائندۂ سالونیکا یلدیز روانہ ہوئے تاکہ سلطان عبدالحمید کو اس کی معزولی کی اطلاع دیں۔ وہ بہت افسردہ اور دلگیر تھا۔ جب اسعد پاشا نے جو سلطان کا ہی نمک پروردہ تھا سلطان کو اس کی معزولی کی خبر سنائی تو وہ بہت طیش میں آگیا۔ بات یہ تھی کہ اسعد پاشا کا ایک بھائی غنی بے نامی "قاتلان بادشاہ" میں سے تھا۔ رہزنی میں وہ فہیم پاشا کا مدمقابل تھا جو اس سے ڈرتا تھا۔ جب غنی کے مطالبات کی کوئی حد ہی نہ رہی اور سلطان کو اس کی دھمکیوں سے حرم سرائے کے در پردہ امور کھل جانے کا اندیشہ ہوا تو سلطان کے حکم سے وہ پیرا آئیں شام کے پانچ بجے علانیہ قتل کر دیا گیا۔ اس کا قاتل حافظ پاشا نامی سابق میں رہزنوں کا سردار تھا اور قتل کے بعد منتظم بارگاہ راغب پاشا کا مددگار اور مجلس نظم و نسق بلدہ کا رکن بنایا گیا۔ اسعد پاشا اپنے بھائی کے قتل کی وجہ سے سلطان کا جانی دشمن ہو گیا تھا۔ عبدالحمید کو بڑی فکر اپنی زندگی کی تھی۔ اراکین کمیشن نے اسے اطمینان دلایا کہ اسے صرف مقید کیا جائے گا۔ عبدالحمید نے "چراغاں" میں رہنے کی اجازت چاہی جہاں عزیز نے خودکشی کی تھی اور جہاں مراد کو قید کیا گیا تھا لیکن حکامان فوج نے اس کو سالونیکا میں قید کرنا مناسب سمجھا۔ حسین حلمی پاشا دوسری محاصرہ کن فوج کے سپہ سالار کرنل غالب بے صدر ناظم (جندرمہ) مسلح پولیس و پولیس کمیدان علی فتحی بے سفیر فوجی متعینہ پیرس یلدیز روانہ ہوئے تاکہ معزول سلطان کو روانگی

لہ۔ یہ اسعد پاشا وہی ہے جو جنگ بلقان میں اہل مانٹینگرو کی فتح کے بعد سقوطری کا حاکم ہوا۔ اور جسے ایک زمانے میں شاہ البانیا بننے کی امید تھی۔

کا حکم دیں۔

تین گھنٹے تک عبدالحمید نے حجت، اور منت وسماجت کی کہ اسے سقوطری نہ بھجوایا جائے۔ آدھی رات کو وہ یلدیز سے راہی ہوا۔ اس کے ساتھ اس کی سات بیویاں، پانچ خدمتگار، دو بیٹے، شہزادہ محمد عبدالرحیم عمر سولہ سال اور شاہزادہ محمد عبید عمر چھ سال، چار خواجہ سرائیں اور نو ملازمین تھے۔ ۲۹ کی صبح کو دو بجے وہ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ ایک اسپیشل ٹرین میں سالونیکا کو روانہ ہوا۔ اس کی محافظت پر فتحی بے، اور دو اور افسر اور بیس آدمی جندرمہ کے تھے۔

دستور کی مخالف جماعت کا بظاہر تو اس وقت صفایا ہو گیا لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ جماعت ہمیشہ کے لئے توڑ دی گئی۔ معزولی عبدالحمید کے بعد با امن انقلاب کا دعویٰ باقی نہ رہا۔ محاصرہ کی حالت جاری رہی۔ فوجی عدالت (کورٹ مارشل) قائم ہوئی اور کئی درجن سول اور فوجی حکام کو پھانسی دی گئی جن میں یوسف پاشا ڈویژن کا جنرل بھی تھا جس نے ارض روم کی افواج کو دستور کے مخالف بنانے کی کوشش کی تھی۔ یہ لوگ خواہ مخواہ قتل کئے گئے ورنہ جو لوگ دراصل اس بغاوت کے محرک تھے وہ سب فرار ہو گئے تھے کیونکہ کسی نے انھیں ہاتھ لگانے کی جرأت نہیں کی تھی۔ ایک داور آغا خواجہ سرا ہی گرفتار ہوا۔

انیسواں باب

محمد خامس۔ دستوری حکومت

وزارت حلمی پاشا۔ کمیٹی اتحاد و ترقی کی مخفی مطلق العنانی ۔ وزارت حقی پاشا۔ مجلس اعیان کی پارلیمنٹ سے مخالفت ؛ تحریک داماد فرید ۔ اخراجات جنگ یونانیوں سے مقاطعہ پچیس کروڑ کا قرضہ ۔ وزرا اور کمیٹی میں لڑائی۔ پارلیمنٹ کے اتہامات ۔ سنہ ۱۹۱۰ء و سنہ ۱۹۱۱ء کی البانی بغاوتیں ۔ جماعت اتحاد و ترقی میں نا اتفاقی ، پارلیمنٹ اور حکومت کی بے اقتداری ۔ تیسرے اجلاس کی موقوفی مسئلۃ العرب ۔ وزارت حقی پاشا کا خاتمہ ۔ جنگ اطالیہ ۔ حقی پاشا کا زوال۔ اطالیہ کا طرابلس میں دخل ۔ وزارت سعید پاشا ، پارلیمنٹ میں لطفی فخری کا واقعہ ۔ صدر اعظم اور مجلس اعیان ۔ دستور کی دفعہ ۳۵ ۔ برخاست پارلیمنٹ۔ کمیٹی اور صدر اعظم۔ البانی بغاوت ، محمود شفقت پاشا کے خلاف فوجی لیگ۔ زوال کابینہ ، وزارت غازی احمد مختار پاشا۔ برخاست پارلیمنٹ ۔ البانوی مطالبات۔ وزرا میں نا اتفاقی ۔ مسئلہ مقدونیہ ۔

محمد خامس۔ دستوری حکومت

فوج اگر مدد نہ کرتی تو دستور اپنے حکام کی نااہلی کی بدولت خطرے سے محفوظ نہ رہتا۔ کیونکہ ان حکام کو نہ آگے کی ہی خبر تھی اور نہ یہی وہ جانتے تھے کہ حکومت کو پیش از پیش کیا کیا انتظامات کرنے پڑتے ہیں۔ اس فتنے کے فرو ہونے کے بعد خیال تو یہ ہوتا تھا کہ فوجی افسر اپنے ہاتھ میں زمام حکومت لے لیں گے۔ استامبول میں فوج نہ ہونے کے سبب دہشت پھیلی ہوئی تھی۔ صوبوں میں صرف ارض روم میں بغاوت کا اندیشہ تھا سو فوراً ہی اس کا انسداد کر دیا گیا تھا۔ باقی تمام صوبوں میں خاموشی چھائی ہوئی تھی محمود شوکت پاشا کا طوطی بول رہا تھا لیکن نہ تو اس میں آمر سلطنت بننے کا ہی مادہ تھا اور نہ اس کی خواہش ہی تھی۔ جب امن ہو گیا تو وہ قیادت افواج بری و بحری سے دست بردار ہو کے اپنی سابقہ خدمت پر خود ہی واپس آگیا بلکہ ایثار نفس کو کام میں لا کے پارلیمنٹ کے بیکاروں کو ایک فوجی قانون بھی نافذ کرنے دیا جس کی وجہ سے اس کا درجہ بجائے برنجی فریق (سینیر لفٹننٹ جنرل) کے صرف فریق (جنرل ڈویژن) رہ گیا حالانکہ یہ وہ شخص تھا جس کی بدولت تمام پارلیمنٹی اراکین موت کے منہ سے بچ گئے تھے۔ حلمی پاشا دوبارہ صدر اعظم ہوا مجلس وزرا میں فرید پاشا وزیر ممالک داخلی، اور صالح پاشا وزیر جنگ مقرر ہوئے لیکن دستوری حکومت کا نام ہی نام تھا کیونکہ بجائے فوجی حکومت کے کمیٹی اتحاد و ترقی کی در پردہ حکومت مارشل لا کے ذریعے سے عمل میں آرہی تھی۔ قومیت اور وطنیت کا ہی سب طرف کلمہ پڑھا جا رہا تھا جس کی وجہ سے ملک اگر تھا تو بس ایک گروہ کا ہی تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے ہی عرصے کے بعد صدر اعظم اور کمیٹی میں ایک مخفی لڑائی شروع ہو گئی۔

جب ان لوگوں نے کمیٹی پر سخت حملے شروع کر دئے جن کے اغراض کو کمیٹی نے

باقتضائے قومیت پورا نہیں کیا تھا اور اس کو ٹٹی کی آڑ میں حکومت کرنے کا الزام دیا تو کمیٹی بھی ایک نئی چال چلی۔ قانون مجالس کی رو سے سیاسی کلب ممنوع قرار دیئے گئے تھے۔ یہ قانون دراصل ترکوں کے سوا دوسری قوموں کے لئے نافذ کیا گیا تھا۔ اسی قانون مجالس کا حوالہ دے کے کمیٹی نے یہ اعلان کیا کہ اب کمیٹی کا وجود باقی نہیں رہا۔ آئندہ سے صرف پارلیمنٹ کی جماعت اتحاد و ترقی رہے گی جس میں پارلیمنٹ کی جماعت کثیر کے ساتھ، جس کا کمیٹی کے سابقہ دستور العمل پر عمل درآمد رہا ہے، اتحاد و ترقی کے کلب بھی شامل ہیں جو صرف معاشری اور تعلیمی امور کے لئے مخصوص رہیں گے۔ مگر یہ دکھاوے کا اعلان تھا۔ نئے منصب کی نظر کرتے کمیٹی کی قوت اور اختیارات میں اور بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ کمیٹی کی تین شاخیں تھیں مرکزی شاخ سالونیکا میں تھی۔ اس کا کام مقدونی فوج کو کمیٹی کی اطاعت میں رکھنا تھا۔ دوسری شاخ قسطنطنیہ میں تھی۔ اس کا کام حکومت کو سیدھے راستے پر رہنمائی کرنی تھا۔ تیسری شاخ مونستر میں تھی۔ اس کے ذمے البانی اور یونانی معاملات تھے۔ موقوفی کمیٹی کے متعلق جو خبر اڑائی گئی تھی اس کی اصلیت بھی تھوڑے ہی دن میں ظاہر ہو گئی۔ اور کمیٹی کی نسبت اخبارات کے آئے دن کے تذکروں اور خود کمیٹی کی معاملات ملک میں دخل ہی سے لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ یہ خبر کہاں تک سچ تھی سالونیکا کی مرکزی شاخ سے ایک جنرل خلیل بے نمایندۂ منتشہ کے ساتھ جو پارلیمنٹی جماعت اتحاد و ترقی کا قائد بھی تھا کونسل وزرا کے اجلاسوں میں شریک رہتا اور ان میں حصہ لیتا تھا۔

جماعت اتحاد و ترقی پارلیمنٹ میں کمیٹی کے ہدایات پر چلتی تھی۔ اور پارلیمنٹ میں اس جماعت کا وہی اثر تھا جو ایم کومبس کے زمانے میں جماعت یسار (جماعت جمہوری و لبرل) کا تھا۔ تمام کاروبار حکومت ایک ایسے گروہ کے ہاتھ میں تھے جس کے کوئی ذمہ دارانہ فرائض نہ تھے اور جس کے افراد سب سیاہ و سفید کرتے تھے۔ پارلیمنٹ کے اجلاس برائے نام ہوا کرتے تھے۔ تمام معاملات کا تصفیہ کمیٹی اتحاد و ترقی کی کونسلوں میں ہوتا تھا۔ مندرجۂ ذیل واقعہ میں نے اس زمانے میں ایم کونسٹنس سفیر فرانس متعینۂ قسطنطنیہ سے سنا تھا جس کی بعد میں سابق صدر اعظم فرید پاشا نے بھی تصدیق کی۔ اس سے معلوم ہو گا کہ کمیٹی کے نزدیک وزرا کی

کیا عزت تھی۔ حلمی پاشا نے قسطنطنیہ سے فرید پاشا سے جو والونا میں تھا تار سے یہ دریافت کیا تھا کہ آیا وہ وزارت ممالک داخلی کو قبول کرے گا؟ حلمی نے تین تار دئیے اور تینوں کا بھی کوئی جواب نہ آیا۔ اب اس نے والی والونا کو تحریر مخفی بین تار دیا جس میں اس نے والی مذکور کو متذکرہ پیام فرید پاشا کو پہنچا دینے کی ہدایت دی اور یہ بھی خفیہ طور پر دریافت کرنے کے لئے کہا کہ آیا سابقہ تار فرید پاشا کو پہنچے یا نہیں۔ ولونا کا ناظم تلغراف کمیٹی کا نمایندہ تھا۔ اس نے صدر اعظم کا پہلا تار بیچ میں ہی سے اڑا لیا اور کمیٹی کے پاس قسطنطنیہ میں روانہ کیا تھا۔ کمیٹی نے اس پر یہ احکام دئیے کہ ایسی جملہ خط وکتابت مکتوب الیہ کے پاس نہ پہنچنی چاہیئے۔ حلمی پاشا نے ناظم تلغراف کو برطرف کر دیا تو کمیٹی نے اس پر اعتراضات کی بھرمار کر دی۔ آخر مجبوراً اسے اس سوادائی کو بحال کرنا پڑا۔

صدر اعظم کے اکثر معاونین سے کمیٹی ناراض تھی۔ گو فرید پاشا وزیر ممالک داخلی اور نوراڈ جو نگھین انکندی وزیر تعمیرات دونوں نہایت قابل آدمی تھے لیکن چونکہ وہ صدر اعظم کے یار ومددگار تھے اس لئے کمیٹی کی ان سے آن بن تھی۔ کمیٹی نے ان کو خدمت سے علیحدہ کر دینے کا تصفیہ کیا۔ اس کے لئے پارلیمنٹ سے ناراضگی کا ووٹ لینے کی ضرورت مناسب نہیں سمجھی گئی بلکہ ایسا چارۂ کار مناسب سمجھا گیا جس سے وہ خود بخود طیش میں استعفا دیدیں۔ طلعت بے کمیٹی کا سب سے زیادہ با اثر رکن تھا۔ صدر اعظم نے اس کو محض اس وجہ سے وزیر ممالک داخلی بنایا تھا کہ کابینہ کو اس کے وجود سے تقویت ہوگی لیکن جب پارلیمنٹ کا ۱۴۔ نومبر ۱۹۰۹ء کا اجلاس ہوا تو اس کو اراکین اپنے مخالف نظر آئے چنانچہ اس کو اراکین مقابلہ اور کمیٹی سے جو اس کی معزولی کا موقع دیکھ رہی تھی حیص بیص کرنی پڑی۔ ۱۴؍ دسمبر کو پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا۔ اس اجلاس میں جو واقعہ پیش آیا اس سے یہ بخوبی واضح ہوتا ہے کہ ترک مذہبی معاملات میں جب کہ کوئی شریعت کا مسئلہ زیر بحث ہوتا ہے لکیر کے فقیر ہی رہنا پسند کرتے ہیں اور گو وہ کیسے ہی تعلیم یافتہ اور روشن خیال کیوں نہوں جدید خیالات کا سبق یہاں وہ طاق نسیاں میں رکھ دیتے ہیں

عہدہ داروں کے تقررات کے متعلق قانون تنسیخ" بغرض تعمیل شیخ الاسلام

کے پاس بھیجا گیا تھا۔ (یہ "قانون تنسیخ" وہ قانون ہے جو پارلیمنٹ، مجلس اعیان اور سلطان کی منظوری کے بغیر نافذ نہیں ہو سکتا۔) شیخ الاسلام نے اس قانون کو عدم تعمیل میں ڈال رکھا تھا۔ پارلیمنٹ میں تمام علما نے جن میں مصطفیٰ عاصم نمایندۂ قسطنطنیہ، حسن فہمی افندی نمایندۂ سائنوپ، اور علی غالب بے نمایندۂ کراسی تھے شیخ الاسلام کے اس طرز عمل کے متعلق سوال کیا۔ اور اس امر پر اعتراض کیا کہ پارلیمنٹ کے تنسیخت کمیشن نے جن افسروں کو خدمت سے علیحدہ کیا تھا ان کو شیخ الاسلام نے حسب حال رکھا ہے اور بغیر کمیشن کی منظوری کے خود اپنی طرف سے اعلیٰ افسروں کا تقرر کیا ہے۔ شیخ الاسلام نے یہ جواب دیا کہ اس سے زیادہ کوئی باضابطہ شخص نہیں ہو سکتا۔ اپنی حریت پسندی کا اس نے جیسا کچھ ثبوت دیا ہے اس سے کسی قسم کا شبہ اس پر نہیں کیا جا سکتا۔ پارلیمنٹی کمیشن کی تجاویز کو وہ اس وجہ سے قبول نہیں کر سکتا کہ ان کے متعلق پہلے ہی اس کی رائے نہیں لی گئی اس کے خیال میں "اگر یہ تجاویز خلاف قانون وخلاف رسم ورواج ہوں تو وہ ان کی تعمیل نہیں کر سکتا" شیخ الاسلام کے فرائض منصبی کا لحاظ کرتے ہوئے یہ قانون اور رسم ورواج شریعت کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ پارلیمنٹ کی خاطر داری ظاہر کرنے اس نے یہ اور اضافہ کیا کہ وہ ان کاغذات کو مکرر دیکھے گا جنھیں کمیشن نے اس کے پاس بھیجا ہے لیکن ان میں تغیر وتبدل کا جو اختیار اسے حاصل ہے وہ تو حسب دستور اسے رہے گا۔ جب اس نے اپنی یہ تقریر ختم کی تو روکھے طور سے مخاطب ہو کے کہا کہ "اب آپ لوگوں کو اور تو کچھ مجھ سے پوچھنا نہیں؟" اس پر ایک عالم حسن فہمی افندی نے جو تنسیخت کمیشن کا رکن تھا شیخ الاسلام کے خلاف ایک لمبی چوڑی تقریر کی بہت سخت مباحثہ ہوا یہاں تک کہ "تو تو میں میں تک نوبت پہنچ گئی اور میر مجلس پارلیمنٹ کو اجلاس ملتوی کر دینا پڑا۔ اجلاس دوبارہ ہوا تو یہ تجویز پیش کی گئی کہ "پارلیمنٹ کی رائے یہ ہے کہ "قانون تنسیخ" کے متعلق کمیشن کی رپورٹ پر اس کے ارکان کے دستخط ہونے کے بعد فی الفور اس پر عمل درآمد کیا جائے۔ اور اس دوران میں دوسرے مسائل زیر بحث کو طے کرنا چاہیئے" اکثر نمایندوں کی رائے یہ تھی کہ اگر شیخ الاسلام اس تجویز کو قبول کرے تو معاملہ رفع دفع کیا جائے۔ خلیل بے میر مجلس جماعت اتحاد وترقی نے کہا کہ شیخ الاسلام کو آج کی

تجویز کے آگے سر تسلیم خم کرنے کے سوا چارہ نہیں ورنہ انھیں اپنا استعفا پیش کرنا چاہئے۔ صاحب ملا نے کہا کہ وہ کمیشن کی تجاویز سے کلیتہً اتفاق نہیں کر سکتا۔ اور وہ اپنا استعفا پیش کر دے گا لیکن آخر میں فریقین آپس میں راضی ہو گئے۔ شیخ الاسلام نے کہا کہ کبھی اس نے پارلیمنٹ کے تجاویز پر ناراضی نہیں ظاہر کی۔ کمیشن کو چاہئے کہ وہ ایک دوسری رپورٹ پیش کرے وہ اس کی تنقیح کرے گا۔ اگر یہ رپورٹ اس کی نظر میں رسم و رواج، اور شریعت کے مطابق اور ضروریات ملازمت پر مبنی ہو تو وہ اس کی تعمیل کرے گا۔ اگر نہیں ہے تو وہ اس کے نقائص بتلائے گا۔ اگر اس کے مشورے پر عمل نہیں کیا گیا تو وہ خدمت سے علیحدہ ہو جائے گا۔

صاحب ملا حمیدی حکومت کے شدید ترین مخالفین میں سے تھا جلا وطنی کی عزت بھی اس نے حاصل کی تھی۔ اور اپنی حریت پسندی کی وجہ سے اپنے معاصرین میں ممتاز تھا۔ عبدالحمید کی معزولی کے بعد اس نے تمام دنیا کے مسلمانوں میں ایک اعلان تقسیم کیا تھا جس میں انھیں ہدایت دی تھی کہ قرآن رواداری اور عدل و انصاف کی تعلیم دیتا ہے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ قرآن کو انھیں معنوں کے ساتھ پڑھیں۔ یہ سب کاغذی باتیں تھیں۔ کام جب پڑا تو مذہبی اثرات دل سے بھلائے نہ جا سکے اور شیخ الاسلام باوجود اپنی حریت پسندی کے مذہبی جانبداری کو ترک نہ کر سکا۔

یہی وہ شیخ الاسلام تھا جو کل اس قدر حریت پسند اور آزادی کا طرفدار تھا لیکن جب اس کے افعال پر نکتہ چینی کی گئی تو دستور کی حیثیت بھی اس کے مذہبی عہدے کے آگے کچھ نہ تھی اور وہ باعتبار فرائض مذہبی بہت بالاتر انسان تھا۔ ۴ دسمبر کے اجلاس کی یہی ایک نمایاں خصوصیت نہ تھی۔ یہ ایک لازمی بات تھی کہ شیخ الاسلام اپنے حقوق کی حفاظت کرتا صدر اسلام ہونے کے لحاظ سے اگر وہ اپنی عظمت کو قانون سے بالاتر ظاہر نہ کرتا تو تعجب کی بات تھی۔ مگر سب سے زیادہ تعجب اس امر پر تھا کہ پارلیمنٹ نے اپنے شاہی حقوق سے کام لینے میں پس و پیش کیا اور ناکامی اٹھائی۔ انھوں نے شیخ الاسلام کے خلاف عدم اطمینان کا ووٹ اس خوف سے پاس نہیں کیا کہ اس کا تقرر صدر اعظم کا اختیاری نہیں ہے بلکہ براہ راست سلطان اس کا تقرر کرتا ہے اور اس پر اعتراض کرنے کی صورت میں دستور سے تجاوز لازم آئے گا۔

ان ناتجربہ کار نمایندوں کے خیال میں شیخ الاسلام کے خلاف عدم اطمینان کا ووٹ دینا گویا سلطانی حقوق پر حملہ تھا۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ خیال کس وجہ سے کیا گیا کیونکہ دستور مرمہ کی رو سے جو نمایندوں کا منظور شدہ تھا یہ لازمی تھا کہ "اگر سوال کے بعد اعتراضی ووٹ غلبۂ آرا سے منظور ہو جائے تو وزیر معزول ہوگا۔ اگر یہ اعتراض کا ووٹ صدر اعظم کے مقابلے میں ہو تو وزرا مع صدر اعظم معزول ہو جائیں گے"۔ مثل شیخ الاسلام کے صدر اعظم سلطان کی طرف سے مقرر ہوتا ہے اور جب پارلیمنٹ کو صدر اعظم کی معزولی کا اختیار تھا جو صدر کابینہ تھا تو شیخ الاسلام کے مقابلے میں تو اس کو یہ حق بدرجہا ہو سکتا تھا۔

کچھ دن بعد صدر اعظم حلمی پاشا مع وزرا مسئلۂ مراعات پر معزول ہوا۔ یہ مراعات دریائے فرات و ٹائگریس (دجلہ) کی جہاز رانی کے متعلق لنش کے معاملے سے متعلق تھے۔ پارلیمنٹ نے یہ تحریک کی کہ یہ مراعات پسندیدگی کے لئے پہلے پارلیمنٹ اور مجلس اعیان میں پیش ہونے چاہئے تھے۔ صدر اعظم نے اس تحریک سے اختلاف کیا۔ ۱۸ر دسمبر کو حلمی پاشا نے اپنا اور اپنے وزرا کا استعفا پیش کیا۔ دوسرے دن یہ استعفا منظور اور حقی پاشا سابق مشیر قانونی بابعالی وحال سفیر روم کو تار دیا گیا کہ وہ صدارت عظمیٰ کا جائزہ لے۔

کابینۂ حقی پاشا۔ مجلس اعیان اور ایوان۔

اخراجات جنگ۔ اشیاء یونانی سے مقاطعہ۔ پچیس کروڑ کا قرضہ۔ کابینہ اور کمیٹی کی لڑائی۔ پارلیمنٹ میں افتراپرداز یاں۔

۱۱ر جنوری ۱۹۱۱ء کو حقی بے قسطنطنیہ میں داخل ہوا۔ دوسرے دن اس نے کابینہ کی ترتیب کا کام شروع کیا جو اندرونی سیاسی جھگڑوں کے باعث بہت مشکل ہو گیا تھا۔ کمیٹی کی تین علیحدہ علیحدہ جماعتیں ہو گئی تھیں جنھیں متفق الخیال

ہونے کا دعوے تھا لیکن اکثر ان میں مخالفت رہتی تھی جیسا کہ حلمی پاشا کے بارے میں ہوئی تھی۔ ایک جماعت اتحاد و ترقی کی انتظامی کمیٹی کی تھی جسے حکومتی معاملات میں دخیل ہونے سے انکار تھا۔ دوسری جماعت سالونیکا کی مرکزی کمیٹی کی تھی جسے سیاسیات سے بالکل الگ رہنے کا دعویٰ تھا اور جس نے اپنے لئے معاشری اور شہر کے تعلیمی امور بظاہر مختص کر لئے تھے۔ ان کے سوا ایک اور مرکزی کمیٹی تھی جس کا مقام مونستر تھا۔ اس کمیٹی میں تمام فوجی افسر تھے۔ بظاہر یہ کمیٹی بالکل الگ تھلگ نظر آتی تھی لیکن سب سے زیادہ اقتدار اسی کا ہی تھا۔

چونکہ کمیٹی کے مخالفین حلمی پاشا کی معزولی کی ذمہ داری کمیٹی پر رکھ رہے تھے اس لئے عمر ناجی بے نمائندہ مرکزی کمیٹی سالونیکا نے ترکی اخبارات میں اس کا رد شائع کیا اور صدر اعظم سے باصرار یہ درخواست کی کہ وہ ضروریہ وضاحت کر دیں گے کہ آیا مرکزی کمیٹی سالونیکا نے ان کی مخالفت کی اور انھیں استعفا دینے کے لئے مجبور کیا۔ حلمی پاشا نے اس کا جواب نہایت مناسب پیرائے میں دیا۔ خلیل بے نمائندہ تفتیش و میر مجلس جماعت اتحاد و ترقی پارلیمنٹ نے ایک اعلان شائع کیا جس میں یہ ثابت کیا کہ کمیٹی قسطنطنیہ نے معزولی صدر اعظم میں کوئی حصہ نہیں لیا مگر بدقسمتی سے یہ اعلان اس کے خلاف ثابت کر رہا تھا۔ اعلان میں یہ بتایا گیا تھا کہ جماعت اتحاد و ترقی کا اجلاس اس غرض سے منعقد ہوا تھا کہ آیا حلمی پاشا کی مثل سابق معاونت کی جائے یا ان کی جگہ کسی اور کو مامور کیا جائے لیکن ابھی اس امر میں کوئی تصفیہ ہی نہیں کیا گیا تھا کہ صدر اعظم نے آپ ہی استعفا دیدیا۔

دو سخت دشواریاں حقی بے اور اس کے وزرا کو پیش آئیں ایک تو یہ امر کہ جماعت اتحاد و ترقی سے کس طرح کے تعلقات کئے جائیں اور دوسرے فوجی اور دیوانی اقتدارات کا سوال۔ محاصرے کی بدولت جو ۲۴ اپریل ۱۹۰۹ء سے شروع ہوا تھا فوجی اقتدارات غیر محدود ہو گئے تھے حقی بے نے ان شرائط پر صدارت عظمیٰ کی خدمت قبول کی تھی کہ جماعت اتحاد و ترقی جو پارلیمنٹ کی جماعت کثیر تھی ان تمام سوالات کو پیش اور ان پر بحث کرے جو پارلیمنٹ میں اس کے ارکان معرض بحث میں لائیں گے فوجی عمل دخل برخاست کر دیا جائے۔ اور فوج

جو دارالخلافت پر قبضہ کئے ہوئے ہے دارالخلافت سے اپنی چھاؤنیوں کو روانہ کر دی جائے۔ کمیٹی نے حقی بے کے ان شرائط کو منظور کیا جو خود اس سے متعلق تھیں لیکن فوج کو بے دخل کرنے کا سوال حل طلب تھا کیونکہ دستور کی عمارت فوج کے ہی بل پر کھڑی ہوئی تھی۔ یہ سوال اور بھی دقت طلب اس وجہ سے ہو گیا تھا کہ وزارت جنگ کی خدمت کسی اعلیٰ افسر کو منظور نہ تھی۔ اس گتھی کو سلجھانے کا صرف ایک ہی طریقہ تھا وہ یہ کہ محمود شفقت پاشا سے وزارت جنگ قبول کرنے کے لئے درخواست کی جائے۔ حقی پاشا نے یہی کیا۔ ۲۴ گھنٹے کے تامل کے بعد محمود شفقت پاشا نے وزارت جنگ کا جانیزہ لیا اور ساتھ ہی اپنی سابقہ خدمت صدر مہتممی یکم و دوم و سوم دستۂ فوج کو بھی باقی رکھا جس کی وجہ سے اس کی حیثیت افواج یورپ کے قائد عام کی تھی۔ اور ایسا ہی دارالخلافت کی قابض فوج کا سپہ سالار بھی بدستور رہا۔ یہ واقعات ایسے تھے جو حقی بے کے سابقہ دستور العمل کے خلاف تھے لیکن ضرورت خود ہی قانون ہے۔ کابینہ کو فوجی سہارے کی ضرورت تھی۔ اگر یہ سہارا حاصل نہ کیا جاتا تو کابینہ کا وجود اور عدم وجود برابر ہو جاتا۔ محمود شفقت پاشا کی موجودگی کابینہ میں کابینہ کی ذمہ دار تھی۔ وزرا کے تقررات ۱۵ ار کو ختم ہوئے۔ اور ۱۵ ار کو ساڑھے تین بجے حقی بے کے صدر اعظم ہونے کا باضابطہ اعلان ہوا۔

حقی بے کے پانچ شرکا جماعت اتحاد و ترقی سے تعلق رکھتے تھے اور کابینۂ حلمی پاشا میں بھی وہ شریک رہے تھے۔ ان کے نام یہ ہیں طلعت بے وزیر ممالک داخلی جاوید بے، فینانس رفعت پاشا، خارجہ، نجم الدین بے عدالت۔ حلاجین افندی تعمیرات۔ وزارت بحری پر خلیل پاشا امیر البحر کا انتخاب ہوا۔ باقی وزرا حسب ذیل ہیں۔ شریف حیدر بے وزیر اوقاف۔ یہ نیا مامور کیا گیا۔ مورو گورڈیو افندی وزیر معدنیات و جنگلات۔ یہ کامل پاشا کے زمانۂ صدارت میں بھی اسی خدمت پر مامور تھا۔ امر اللہ افندی وزیر تعلیمات۔ یہ دستور کے ابتدائی دور میں ایک ماہ کے لئے ناظم غلطہ سرائے کالج رہا تھا۔ حقی بے کی خواہش تھی کہ صاحب ملا کو بدستور شیخ الاسلام رکھے لیکن ارکان پارلیمنٹ نے بہت سخت مخالفت کی جس کی وجہ سے اس کو اپنا ارادہ بدل دینا پڑا۔ اس نے ایک معمولی قاضی حسین حسنی افندی کو شیخ الاسلام بنایا۔

۲۴ کو حقی پاشا[1] اور وزرا پارلیمنٹ میں شریک ہوئے ان کا نہایت شاندار خیر مقدم کیا گیا۔ جو مباحثہ پارلیمنٹ میں اس جدید وزارت کے متعلق ہوا اس کی رو سے ۱۸۷ ارکان نے کابینہ پر اپنے اطمینان کا ووٹ دیا۔ ۳۴ رائیں وزارت جدیدہ کے خلاف تھیں اور ۲۶ نے کوئی رائے کا اظہار نہیں کیا۔ اس اجلاس سے دو اہم نتایج ظاہر تھے۔ یہ پہلا موقع تھا جب کہ صدر اعظم ایک خاص دستور العمل کے ساتھ کرسئ صدارت پر متمکن ہوا تھا اور عاملانہ اختیارات اس نے اپنے ہاتھ میں لئے تھے۔ اہم ذمہ واریوں سے بچنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اور آزادی سے کام کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا۔ اور اس لحاظ سے بھی یہ پہلا موقع تھا کہ پہلی مرتبہ پارلیمنٹ میں ایک باضابطہ مخالف جماعت نظر آئی جس کا ایک خاص مطمح نظر تھا۔ اس کے پہلے ہر تجویز کی مخالفت پر اسّی اسّی سو سو ارکان کھڑے ہو جاتے اور اس طرح سے کابینہ کا وجود معرض خطر میں ہو جاتا لیکن جب ووٹ کا وقت آتا تو یہ تعداد گھٹ گھٹا کر آٹھ پر آجاتی جو منحوس عدد تھا۔ غرض ایک بے ضابطگی تھی۔ اب اعتدال پسند جماعت حریت نے اس وقت تک فریق مقابل رہنے کا اعلان کیا جس وقت تک کہ جماعت اتحاد و ترقی برسر حکومت ہو۔ یہ جماعت گویا باضابطہ ارکان مقابلہ تھی۔ اس میں کل باون آدمی تھے۔ ان میں سے ۳۴ نے تو کابینہ کے خلاف رائے دی۔ اور جنھوں نے کسی طرف رائے ہی نہیں دی ان میں کے اکثر یونانی نمائندے تھے۔

مجلس اعیان نے اس موقع کو پارلیمنٹ کے مقابلے کے لئے غنیمت سمجھا اور اس کے انتظامات کی مخالفت پر آمادہ ہو گئی۔ ۱۵ جون کو داماد فرید نے یہ تحریک پیش کی کہ مجلس اعیان پارلیمنٹ کے اس ملامت کے ووٹ کو نامنظور کرے جو ۱۸۷۶ء کے دستور پر دیا گیا ہے جس کے بعض دفعات مجلس اعیان کی رائے کے بعد سلطان کے حکم سے منظور کئے گئے ہیں داماد فرید صقلبی الاصل اور خاندان بوقاتی سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ خاندان سابق میں آئشر ناگورا کے ممتاز خاندانوں سے تھا۔ اور اسلام قبول کیا تھا اور سترھویں صدی عیسوی میں اسے ترکی حقوق حاصل ہوئے تھے۔

[1] صدارت عظمیٰ پر نامزد کئے جانے کے بعد حقی بے کو پاشا کا خطاب دیا گیا۔

داماد فرید نے عبدالمجید کی سب سے چھوٹی لڑکی مہدیہ سلطانہ سے شادی کی تھی۔ یہ ۱۸۵۷ء میں پیدا ہوئی تھی اور اس کا پہلا شوہر نجیب پاشا ۱۸۸۵ء میں انتقال کر گیا تھا۔ دور عبدالحمید میں داماد فرید مشیر سلطنت اور سلطان کے زیر عتاب تھا۔ عبدالحمید کی اس سے بدگمانی کی زیادہ تر وجہ یہ تھی کہ ترکی کے متعلق اس کے بچوں کے اتالیق نے ایک کتاب لکھی تھی جس کی نسبت خیال یہ کیا گیا تھا کہ خود اس نے بھی اس کی تصنیف میں حصہ لیا ہے۔ جب مجلس اعیان کی تنظیم ہونے لگی تو کمیٹی نے اس کے رکن منتخب کئے جانے پر اعتراض کیا تھا مگر اب تک اس نے حریت اور اعتدال پسندی کا ثبوت دیا تھا اس لئے جب تحریک مذکور اس کی طرف سے پیش ہوئی تو سب کو حیرت ہوئی اور زیادہ تر حیرت اس وجہ سے بھی تھی کہ تحریک کے الفاظ بہت سخت تھے جس سے مذہبی جذبات کو ابھارنے کی کوشش کی گئی تھی اور تمام تر مدعا یہ تھا کہ سلطان کی مطلق العنانی کو مسترد کیا جائے۔ تحریک میں اس نے ظاہر کیا تھا کہ "کرامول نے جب انگلستان میں مطلق العنانی کا خاتمہ کیا تو فرقہ بندی کا بھی خاتمہ کیا" اس کے بعد اس نے انقلاب فرانس و لہستان کا ذکر کر کے اصول جمہوریت پر بہت کچھ لعن طعن کی اور سلطان کو بہت بڑھایا اور یہ واضح کیا تھا کہ وہی سلطنت کا مالک ہو سکتا ہے۔ اور پھر یہ ظاہر کر کے کہ مشرق مشرق ہے اور مغرب مغرب اس نے اصول مسلمہ کے طور پر پیش کیا تھا کہ سلطنت عثمانیہ کو اگر ضرورت ہے تو انصاف، آزادی، عمدہ نظم و نسق، محاصل ملکی کے عمدہ انتظام، غیر ممالک میں قومی وقار اور سپہ پرستی کی۔ اس کے خیال کے مطابق یہ تمام باتیں دستور ۱۸۷۶ء سے پوری ہو سکتی تھیں اس کے ساتھ ہی اگر دفعہ ۱۱۳ کو نکال دیا جائے تو باقی تمام دفعات ترکی کی معاشری حالت پر نظر کرتے ہوئے کافی سے زیادہ تھیں۔ اب دیکھنا یہ ہے یہ دفعہ ۱۱۳ جو مہمہ دستور میں ۱۱۵ کر دی گئی تھی کیا تھی؟ یہ دفعہ محاصری حالت کے متعلق تھی اور ان الفاظ پر ختم ہوتی تھی۔ "اگر ایسی خبریں ملیں یا ظاہری اسباب ایسے ہوں جن سے سلطنت کے کسی حصے میں بدامنی کا اندیشہ پایا جائے تو گورنمنٹ محاصری حالت کا اعلان کر سکتی ہے۔ اس محاصری حالت میں عارضی طور پر قوانین دیوانی مسدود کر دیے جائیں گے۔ اور مارشل لا کے تحت مقامات متاثرہ کا انتظام عمل میں آئے گا۔

مارشل لا نوجوان ترکوں کی حکومت کے بقا کا ایک ذریعہ تھا اور گو دستور اور مارشل لا دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں لیکن بقائے دستور کے لئے یہ اس زمانے میں ضروری تھا۔ کمیٹی کے تخیل پسندوں نے اپنی دانست میں ایک با امن انقلاب سے ایک مسلمہ اصول تاریخ کو بدلنے کی کوشش کی تھی لیکن ان کا یہ افسوں ۱۳ اپریل کو باطل ہو گیا۔ ۲۴ اپریل کو روہیلی فوجیں قسطنطنیہ میں داخل ہوئیں۔ اس وقت سے قسطنطنیہ اور دیگر ولایات میں مارشل لا جاری تھا۔ یہ مارشل لا ہی ایسا زبردست آلہ تھا جس سے دستور کی حفاظت ہو سکتی تھی۔ دفعہ ۱۱۵ کو حذف کرنا دستوری حکومت کو انقلابی جماعتوں کے مقابلے میں بے اسلحہ کرنا تھا۔ اور داماد فرید کا مطلب بھی یہی تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ سلطان کی مطلق العنانی سلطان کو دیدی جائے۔ اس نے اپنی تحریک میں واضح کیا تھا کہ ۱۲۹۳ھ (۱۸۷۶ء) کے دستور سے سلطان ایک مرکزی قوت قرار دیا گیا تھا جس کی وجہ سے وہ نہ صرف تنظیم قانون ہی کا مقتدر تھا بلکہ ساتھ ہی عاملانہ اختیارات بھی اسے حاصل تھے۔ اس طرح سے وہ سلطنت کے امن وامان کا ذریعہ تھا۔ دستور مرممہ سے جس میں اختیارات سلطانی کی تخفیف اس حد تک عمل میں آئی ہے کہ وہ صدر اعظم اور وزرا کا تقرر نہیں کر سکتا نہ صرف تقسیم اختیارات کا بہت بڑا فائدہ ہی ہاتھ سے جاتا رہا جو دستور کو حاصل ہوا تھا بلکہ نراج کی دوبارہ عملداری میں کوئی شک نہیں رہا۔ اور اخیر نتیجہ یہ ہوگا کہ مختلف اقوام کی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنانے سے سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائینگے۔

۲۲ فروری کو داماد فرید کی تحریک پر مباحثہ ہوا۔ صرف دو مقرروں نے اس کی تائید کی۔ یہ سچ ہے کہ یہ دونوں ارکانِ مجلس اعیان مشہور و معروف آدمی تھے۔ ایک تو جار جیادیس افندی یونانی عیسائی سابق والی سموس تھا اور دوسرا کامل بے موجودہ ترکی کے بڑے شاعر کا بیٹا اکرم بے تھا جو خود بھی موجودہ ترکی کا مسلم ادیب اور قدیم طرز کا حریت پسند اور اپنے باپ کی طرح مدحت پاشا کا کامل طرفدار ہونے کی وجہ سے واجب التعزیر قرار دیا گیا تھا۔ ایک عجیب بات یہ تھی کہ نوجوان ترکوں میں مدحت پاشا کا جو گروہ تھا وہ داماد فرید کے خیالات سے موافق تھا لیکن جب ہم ان مختلف سازشوں پر جو نوجوان ترک کی مختلف جماعتوں میں

ہورہی تھیں غور کرتے ہیں تو یہ کوئی عجیب بات نہ تھی۔ علی حیدر بے مدحت نے جو مدحت کا سب سے بڑا بیٹا تھا داماد فرید کے نام جو مبارکباد کا تار بھیجا گیا تھا اس کو اخبارات میں شائع کرا دیا۔ اس تار سے کمیٹی کی بہت کچھ رسوائی ہوئی لیکن کسی ترکی اخبار کو اس تار پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ مدحتی گروہ زیادہ نہ تھا لیکن ایسا بھی نہ تھا جو کسی شمار میں نہ آتا۔ اس میں سب بڑے بڑے لوگ مثل اکرم بے وغیرہ کے تھے جن کی یہاں تفصیل باعث طوالت ہے اور بعض ایسے بھی تھے جو مستعد اور کام کرنے والے آدمی تھے اور مثل دوسری جماعتوں کے زبانی جمع خرچ ان کے پاس نہ تھا۔ ان میں بھی کئی فرقے تھے۔ مدحتی گروہ کمیٹی کی عثمانیت (Panottomanisation) کا مخالف تھا۔ اس عثمانیت کی جگہ وہ طریقہ عدم مرکزیت کا حامی تھا جس کی بدولت مختلف اقوام امن کے ساتھ ترقی کر سکتیں۔ یہ صرف تصورات کی دنیا تھی اگر ایسا کیا جاتا تو ملک کو بہت خطرہ پہنچتا کیونکہ اس تفریق اقوام سے ترکی پارہ پارہ ہو جاتی۔ اور اگر پارہ پارہ نہ ہوتی تو مرکزیت باقی نہ رہتی۔ اس خطرے سے بچنے کی تدبیر انھوں نے یہ سوچی تھی کہ قومی خود اختیاری پر ایک زبردست خود مختار عاملانہ قوت کو مسلط کیا جائے جس کا سلطان ہی مقتدر ہو سکتا تھا چنانچہ سلطان صرف تخت پر برائے نام ہی نہ رہتا بلکہ زمام حکومت بھی اس کے ہاتھ میں ہوتی۔

ایک عالم موسیٰ کاظم افندی نے داماد فرید کی اس تحریک کی سخت مخالفت کی مگر مخالفت کی وجوہ عجیب و غریب تھیں۔ اس کی مخالفت شریعت پر تھی جو وہ مقدس اور غیر مبدل قانون ہے جس کے سامنے سول قانون خواہ وہ کیسا ہی اہم کیوں نہ ہو دم نہیں مار سکتا اس نے آیات قرآنی سے یہ استدلال کیا کہ بادشاہت قوم کا حصہ ہے "اس صورت میں ہم کیونکر ایک شخص کو مطلق العنان حاکم بنا سکتے ہیں۔ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ خلیفہ اس وقت تک خلیفہ ہے جب تک کہ وہ اپنی قوم سے مشورہ لیتا ہے۔ سلطان بھی انھیں شرائط کے تحت ہمارا خلیفہ ہے۔ شارع اسلام بھی ان امور کے متعلق جن میں کوئی قطعی حکم نہ ہوتا تھا اپنی قوم سے مشورہ لیتے تھے۔ قومی بادشاہت کی وجہ سے ہی بادشاہ سچا خلیفہ کہلایا جا سکتا ہے"۔ اس مذہبی اور اعتقادی پہلو پر بحث کر کے اس نے سیاسی نقطۂ نظر سے بھی بحث کی

جس پر مجلس میں ایک ہنگامہ بپا ہو گیا۔ مختلف اجزا کے اتحاد کی ضرورت پر بحث کرتے ہوئے اس نے کہا "اتحاد سے ہی قوم ہمیشہ کے لئے زندہ رہ سکتی ہے۔ ہمارے پراگندہ اور منتشر رہنے کی صورت میں ترکی حکومت اگر قائم رہ سکتی ہے تو صرف فوجی قوت سے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ دوسری قومیں مٹ جائیں گی"۔ اس کی گفتگو یہیں تک پہنچی تھی کہ سعید پاشا میر مجلس نے اس میں دخل دیا۔ ساتھ ہی دوسرے ارکان بھی مخالفت پر کھڑے ہو گئے سابق صدر اعظم فرید پاشا نے تند ہو کر کہا کہ "بس بس ختم کرو۔ اگر ختم نہ کرو گے تو میں اس کمرے سے چلا جاؤں گا۔ یہ بحث ہم میں اور ہمارے عیسائی محبان وطن میں پھوٹ ڈالنے والی ہے"۔ بالآخر میر مجلس نے موسیٰ کاظم افندی کو رد کر دیا۔ جب رائے لی گئی تو اکیس اراکین نے داماد فرید کی تحریک سے اتفاق کیا اور اس کو باضابطہ طور پر کمیشن میں بھیجنے کہا۔ بیس اراکین نے اظہار رائے کی جرأت نہ کی۔ اور رائے سے محترز رہے۔

جماعت اتحاد و ترقی کی نا اتفاقی سے کمیٹی کی مطلق العنانی بڑھ گئی جس کی وجہ سے اکثر نمایندے کمیٹی کے مخالف ہو گئے اور فوجی قانون کے انسداد کا مطالبہ کیا۔ کچھ تو اس وجہ سے اور کچھ مجلس اعیان کی متذکرہ بحث سے ارکان مقابلہ کی ہمت بہت بڑھ گئی۔ لیکن جب ان کو متذکرہ معاملے میں شکست ہوئی تو انھوں نے جارحانہ طریقہ اختیار کر کے شاہی قرابتداروں اور دامادوں کے وظائف کا مسئلہ چھیڑا جاوید بے وزیر مالیہ نے جس نے ایک سال پہلے سلطانی دامادوں کے وظائف موقوف کر دئے تھے پھر ان کی دوبارہ اجرائی کا مطالبہ کیا۔ اس بحث میں مقررین نے معرکۃ الآرا تقریریں کیں خصوصاً علما نے تو "دامادوں" کے مضمون پر وہ طلاقت لسانی کے جوہر دکھائے جن کا اعادہ یہاں نہیں کیا جا سکتا۔ بالآخر پارلیمنٹ نے ان وظائف کو نامنظور کیا۔ اس پر جاوید بے پارلیمنٹ سے دروازوں کو زور سے بند کرتے ہوئے چلا گیا۔ چند منٹ بعد یہ معلوم ہوا کہ اس نے استعفا دیدیا۔ دوسرے دن صدر اعظم نے اطلاع دی کہ اگر پارلیمنٹ اپنے فیصلہ کو بدل نہ دے گی تو وہ اور اس کے وزرا مستعفی ہو جائیں گے۔ بات تو یہ تھی کہ حقی پاشا کو ان دامادوں کی تنخواہیں جاری کرنے یا نہ کرنے سے کوئی مطلب نہ تھا ورنہ اس بات سے اسے کوئی بحث تھی کہ انھیں تیس ترکی پونڈ ماہوار

منظور کی جائے یا اس سے کم یا زیادہ۔ وہ استعفا دے دینا چاہتا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ کسی کے تابع رہنا اسے منظور نہ تھا اور اس کے علاوہ البانی معاملات پر بھی بحث ہونے والی تھی جس میں شرکت اسے منظور نہ تھی۔ ان حالات کے لحاظ سے اس نے اس موقع کو اپنے مستعفی ہونے کے لئے غنیمت سمجھا۔

ایوان نے مطالبہ نامنظور کیا اور اپنے فیصلے پر قائم رہی۔ صدر اعظم نے اطلاع دی کہ وہ قلمدان وزارت سلطان کے سپرد کر دے گا۔ چونکہ اب ذمہ دار حکومت باقی نہ تھی اس لئے مجبوراً پارلیمنٹ کو البانی نمایندوں کی تجویز پر جو مباحثہ ہونے والا تھا اس کو جدید کابینہ کے قیام تک ملتوی کر دینا پڑا۔ وزرا معزول ہوئے نہ اس وجہ سے کہ کسی اہم قومی مسئلے میں ان پر تعریض کی گئی بلکہ اس وجہ سے کہ پارلیمنٹ نے ایک ذرا سے واقعے کو نظر انداز نہیں کیا اور چھچھورے پن سے اپنے فیصلے پر اڑی رہی۔ جیت اسی کی ہوئی۔ اگر وہ ایسا نہ کرتی اور دامادوں کے وظائف کو منظور کر لیتی تو یہ بھی اندیشہ تھا کہ بعد میں ہر مطالبے کو اسے منظور کرنا پڑتا اور پھر کابینہ کو ہر طرح سے البانی مسئلے میں اس پر فتح ہوتی۔ دراصل ان ہر دو صورتوں میں سوال یہ تھا کہ آیا پارلیمنٹ خود کو کابینۂ وزرا کے اختیار میں دیدے گی۔ پارلیمنٹ کو اس بات پر مجبور کرنے کے لئے فوجی طاقت سے کام لیا گیا۔ ۲۴ مئی کو پارلیمنٹ نے ۱۵۰ مسلح افسروں سے مرعوب ہو کر جنھوں نے پارلیمنٹ میں گھس کر نصف دائرے میں نمائندوں کو گھیر لیا تھا دامادوں کے وظائف کو منظور کیا۔

لیکن بہت جلد وزرا آپس میں مخالف ہو گئے چنانچہ محمود شوکت پاشا وزیر جنگ اور جاوید بے وزیر مالیہ کی مخالفت سے مجلس وزرا ہی تہ و بالا ہو گئی تھی بظاہر ان دونوں کی مخالفت کا سبب قانون حساب تھا جسے پارلیمنٹ نے گزشتہ اجلاس میں منظور کیا تھا۔ ہر دفتر وزارت میں مالیات کا ایک معتمد ہوتا تھا جو صرف اپنے ہی محکمے کے زیر اثر رہتا تھا اور ہر قسم کے اخراجات کے لئے جس کی منظوری لینی پڑتی تھی۔ محمود شوکت پاشا محکمۂ جنگ کو اس قاعدے سے مستثنیٰ قرار دینا چاہتا تھا کیونکہ اس قاعدے سے جیسی کچھ تعویق اور طوالت ہوتی تھی اس سے اسے اندیشہ تھا کہ جنگی خدمات میں بدنظمی اور ابتری نہ پھیل جائے اور اس کے سوا

اس نے یہ بھی حجت پیش کی کہ فوجی انتظامات اکثر بالکل راز کے ہوتے ہیں۔ ان کے اخراجات کی تفصیل بھی کسی طرح نہیں کی جاسکتی۔ جاوید بے نے اس کا یہ جواب دیا کہ جب تک مالیہ کو جمع وخرچ کا حال معلوم نہ ہو اور جب تک خزانہ کا موازنہ نہ کیا جائے سلطنت کے مالیہ کا انتظام درست نہیں ہوسکتا۔ آخر کئی کمیٹیوں کے بعد یہ طے پایا کہ پارلیمنٹ کے افتتاح پر وزیر فینانس قانون حساب میں ترمیم کے متعلق ایک مسودہ پیش کرے گا اور اس مسودہ پیش کرنے کے پہلے ان وجوہ کو معقول طور پر بیان کرے گا جن کی وجہ سے ترمیم ناگزیر ہے۔

ملکی جھگڑوں سے توجہ پھیرنے کے لئے حکومت نے یونان سے چھیڑ چھاڑ شروع کی ترکی اخبارات میں ایک باقاعدہ تحریک یہ کی گئی کہ اکریت کو سلطان کے قبضے میں واپس دیا جائے ورنہ سلطنت ترکی دول اعظم کی حیثیت سے گر جاتی ہے۔ یونان کو جنگ پر مجبور کرنے کا ایک عمدہ طریقہ یہ تھا کہ اس کے سامان کو بائیکاٹ اور اس طرح سے یونان اور اہل یونان کو تباہ کیا جائے۔

یہ تجویز مقاطعہ نوجوان ترکوں کی پیدا کی ہوئی تھی۔ مقاطعہ کمیٹی کے آغاؤں کا استدلال حسب ذیل تھا۔ (آغا ترکی میں بعض بڑے رئیس جاگیرداروں کو کہتے ہیں جو قدیم زمانے کی یادگار تھے۔ نیز ادنی طبقے کے لوگوں اور ناخواندہ آدمیوں کے لئے بھی یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے)۔ اہل یونان ترکی میں رہتے بغیر مال واسباب کے آتے ہیں۔ اور عثمانی رعایا کے کام کاج سے پھلتے پھولتے اور متمول ہوتے ہیں یہاں تک کہ بعد میں انھیں کا عمل دخل ہو جاتا ہے۔ ساحلی تجارت عثمانی دریاؤں میں قریب قریب تمام انھیں کی ہے۔ شراب فروش اور چائے وقہوہ فروش سب یونانی ہیں۔ اور اکثر تجارتی دوکانیں انھیں کے ہاتھ میں ہیں۔ اس کا بند وبست ضروری ہے۔ اگر عثمانی بندرگاہوں میں یونانی جہازوں کی آمدورفت موقوف کردی جائے تو یونانی جہازرانی کی جتنی کمپنیاں ہیں آپ ہی تباہ ہو جائیں گی۔ جب اس طرح سے یونانی جہاز ترکی سمندر سے غائب ہو جائیں گے تو ترک یونانی اثر سے نجات پا کے کشتیاں خریدیں گے جہازراں کمپنیاں قائم کریں گے۔ ساحلی تجارت کو فروغ دیں گے اور ان طریقوں سے یورپ کو

حیرت میں ڈالیں گے۔ مقاطعہ کمیٹی کے آغاؤں کی یہ بدقسمتی تھی کہ اس مقاطعے سے نہ صرف یونانی تجارت پر اثر پڑا بلکہ تمام غیر ملکوں کی تجارت بھی اس لپیٹ میں آگئی۔ کسی ملک کا بھی سامان اگر وہ یونانی جہاز میں آتا نہ اتارا جاتا۔ اسی وجہ سے جہاز "اگزیموس" کا سامان بیروت میں نہیں اتارا گیا حالانکہ فرانسیسی صدر قونصل اور حاکم بیروت نے بہت کچھ کوشش کی۔ یہ جہاز مارسیلز سے بیروت آیا تھا اور اس پر ڈیڑھ لاکھ فرانک کا سامان تجارت خانہ "مورج" کا تھا مقاطعے کی سب کمیٹیاں تمام بندرگاہوں میں پھیلی ہوئی تھیں اور مرکزی کمیٹی سالونیکا کے زیر اثر تھی۔ ان سب کمیٹیوں کی یہ حیثیت ہوتی تھی کہ چونکہ یہ معاشی جنگ عثمانیہ جمہوریت کی طرف سے ہو رہی ہے اس لئے حکومت کو اس میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں۔ جب کسی غیر ملکی جہاز میں یونانی تجارت ہوتی تو اس کا بھی مقاطعہ کیا جاتا۔ ہر روز مقاطعین اور غیر ملکی جہازراں کمپنیوں میں جھگڑے ہوتے تھے۔ مقاطعین ان کمپنیوں کو بزور روکنا چاہتے تھے کہ وہ یونانیوں کو اپنی خدمت میں نہ لیں گو پہلے ہی ان یونانیوں سے معاہدہ کیوں نہ کر لیا گیا ہو۔ قسطنطنیہ میں مقاطعین نے پانی کے پیپوں کو روکدیا جو روسی جنگی جہاز کے لئے جا رہے تھے کیونکہ جس شخص نے اس کا اجارہ لیا تھا وہ یونانی تھا۔ روسی سفیر غصے میں آگیا اور ایک سخت نوٹ بابعالی کو روانہ کیا۔ تمام قونصل خانوں میں ان کے ملک کی جہازران کمپنیوں اور تجارت خانوں کی طرف سے شکایتیں وصول ہوئیں مقاطعے کے انسداد کے لئے دوبارہ سفرائے بابعالی میں کوشش کی۔ صدر اعظم اور وزیر خارجہ نے بہت کچھ وعدے کئے کہ غیر ملکی جھنڈوں کا احترام کیا جائے گا لیکن یہ وعدے سب زبان کی حد تک ہی رہے۔

انصاف تو یہ ہے کہ حکومت اپنے وعدوں کو پورا کرنا چاہتی تھی لیکن اس کا کوئی بس نہ چل سکا اور وہ مجبور تھی۔ مرکزی کمیٹی مقاطعہ سالونیکا اور کمیٹی قسطنطنیہ ہی سب کچھ تھیں۔ ان کمیٹیوں نے گویا حکومت کے ہاتھ پیر باندھ لئے تھے جماعت اتحاد و ترقی کے طرفدار جتنے اخبارات تھے ان میں بہت سخت مضامین اس مبحث پر شایع ہوئے کہ قوم کے ارادے کے خلاف گورنمنٹ کو حکم دینے کا حق نہیں "منیر حقیقت" نے جو مونستر کی جماعت اتحاد و ترقی کا

اخبار تھا یہ لکھا کہ اس مقاطعے سے ہی یونان اور ترکی کے تعلقات کشیدہ ہو سکتے ہیں اور یونان جنگ کے لئے مجبور کیا جا سکتا ہے۔ تمام ترکی اخبارات میں "ینی گزٹ" ہی ایک ایسا اخبار تھا جس نے جرات سے کام لے کے مقاطعے سے اختلاف کیا اور یہ واضح کیا کہ اس مقاطعے سے ترکی کا ہی زیادہ نقصان ہوگا۔ "انجمن معاشی جنگ" کی مخفی حکومت اور گورنمنٹ کی مجبوری کریم آغا کے حسب ذیل واقعے سے بخوبی ظاہر ہوتی ہے۔ سالونیکا کے بازاری طبقے نے ایک یونانی کی دکان لوٹ لی جس نے سابق میں ممالک متحدہ میں ہجرت کی تھی اور وہاں کا شہری تسلیم کیا گیا تھا۔ اس نے کچھ سرمایہ وہاں پیدا کر لیا تھا اور سالونیکا میں دکان کھولی تھی۔ ان لوگوں نے نہ صرف دکان کی اشیا کو توڑا پھوڑا اور چھین لیا بلکہ اس کو بھی زدوکوب کیا۔ جب صدر قونصل ممالک متحدہ نے والی سے اس سلوک کی شکایت کی اور سفارتخانہ امریکہ نے بھی اس کی تائید کی تو کریم آغا گرفتار اور محبوس کیا گیا۔ اٹھارہ گھنٹے کے بعد وہ رہا ہو کر شہر میں مسلح آدمیوں کی حفاظت میں اکڑ کر پھرنے لگا۔ بائیکاٹ کمیٹی نے جس کا وہ میمبر مجلس تھا والی کو دھمکایا کہ اگر ان کے اس لیڈر کو رہا نہ کر دیا گیا تو تمام مسلمان مقابلے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں گے لیکن یہ باتیں عارضی ہوتی ہیں۔ حکومت ایتھنس نے اپنی برانگیختگی کا اظہار نہیں کیا۔ اخیر پر وہی ہوا جو "ینی گزٹ" نے کہا تھا۔ مقاطعے کا جوش آپ ہی آپ فرو اور ختم ماہ جولائی تک اس کا پورا خاتمہ ہو گیا۔

اب شدید مالی ضرورت پیش آئی۔ موازنہ ۱۹۰۹ء سنہ ۱۹۱۰ء میں ایک کروڑ ترکی پاؤنڈ زائد از تخمینہ خرچ ہوا تھا مگر جاوید بے وزیر مالیہ کی چالاکی سے یہ زائد خرچ گھٹ گھٹا کر کاغذ پر صرف نصف رہ گیا تھا۔ یہ تجویز ہوئی کہ پچیس کروڑ باہر سے قرضہ لیا جائے اور اس کو سرکاری طور پر اس طرح خرچ کیا جائے۔ دس کروڑ موازنے کی بھرتی کے لئے۔ پندرہ کروڑ جنگی جہازوں، توپوں، بندوقوں اور کارتوسوں کی خریدی کے لئے۔ اس قرضے کے لئے فرانس ہی ان کا ساہوکار تھا۔ استامبول کے اخبارات نے لکھا کہ ۲۳ جولائی ۱۹۰۸ء کا انقلاب فرانس سے تعلق رکھتا ہے اس لئے حکومت جمہوریہ کو اخلاقی طور پر لازم ہے کہ وہ ترکی

کی درخواست کو منظور کرے۔ یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ ترکی نے خاص اسی وجہ سے فرانس سے قرضے کی درخواست کی۔ نہیں بلکہ زیادہ تر وجہ یہ تھی کہ فرانس دنیا کی بڑی ساہوکار حکومت ہے۔ جاوید بے نے اس بارے میں عثمانی بنک سے مراسلت کی جو ترکی مالیہ کا سب سے بڑا معاون تھا اور جس کے پاس ایک کروڑ چالیس لاکھ ترکی پاونڈ کے تمسکات تھے نوجوان ترکوں کے خیال کے مطابق اگر اس بنک نے ان کی ضرورت کو پورا نہیں کیا تو وہ ان کا دشمن تھا۔

دستوری حکومت دوبارہ قائم ہوگئی اور قانون و عدالت فوجی کے تحت اپنے فرائض پورے کر رہی تھی۔ پارلیمنٹ میں جو موازنے پیش کئے جارہے تھے ان میں چالاکی سے کام لے کر میزانیں غلط دیجارہی تھیں۔ ان امور کی موجودگی میں ترک چاہتے تھے کہ انھیں قرضہ دیا جائے تو مثل سابق کے کفالت نامجات نہ لئے جائیں۔ بقول ان کے یہی کافی تھا کہ ان کے ساہوکاران کے قول کو قابل اعتماد سمجھیں وگرنہ دستوری حکومت ترکی کی بے وقعتی کا الزام ان پر عائد ہوتا تھا جب فرانس، جرمنی، اور انگلستان قرض لینے پر خاص طور پر کفالت نامجات نہیں دیتے تھے تو پھر ترکی کو کیا ضرورت تھی۔ کیا وہ ان ممالک کے ہم پلہ نہ تھا؟ یہ سب صحیح لیکن نوجوان ترک ایک بات بھول گئے تھے۔ وہ یہ کہ ترکی نے کبھی قرضہ برابر ادا نہیں کیا۔ ۱۸۷۶ء میں جب دیوالیہ ہوا تو اس نے اپنی صحیح رقم نہیں بتائی۔ ۱۸۸۱ء میں اس نے اپنے ساہوکاروں سے ایک معاہدہ کیا جس کی بدولت اس کا جملہ قرضہ نصف ہوگیا اور ایک جوڈیشل کونسل عثمانی قرض عامہ کی کی تنظیم کے لئے اس پر مقرر کرنی پڑی۔ نئی دستوری حکومت نے شروع سے ہی یہ اعلان کر دیا تھا کہ عبدالحمید کے تمام معاہدے اس کے نزدیک ناقابل تعمیل ہیں۔ اور جب اس کو موقع ملا اس نے تمام معاہدے جو غیر ملکیوں سے کئے گئے تھے فسخ کر دئے گو یہ معاہدے از روئے قانون کیسے ہی مستحکم کیوں نہ تھے۔ اتحادی اخبارات یہ جتانے میں ایک دوسرے سے سبقت لیجانا چاہتے تھے کہ عثمانی اپنے گھر کے آپ مختار ہیں۔ وہ اپنی مرضی کے موافق جو چاہیں کر سکتے ہیں اور نیک و بد میں انصاف کرنے کا اختیار

انھیں کو حاصل ہے۔

جب جاوید بے نے پچیس کروڑ فرانک قرضے کی تحریک پیش کی تو نظامت عثمانیہ بنک نے کفالت نامجات دینے کے لئے لکھا۔ اس پر غرور سے یہ جواب دیا گیا کہ سلطنت کی ساکھ ہی خود کفالت ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مراسلت موقوف اور جاوید بے اگست میں پیرس روانہ ہوا تاکہ براہ راست عثمانیہ بنک کے صدر نظما سے اس کا تصفیہ کرے۔ یہاں بھی وہی نتیجہ نکلا۔ آخر اس نے ایک دوسری جماعت (رویر بنک، لوئی ڈریفس فرم اور بنار بنک) سے تحریک کی۔ اس جماعت نے بھی کفالت نامجات طلب کئے۔ جاوید نے کروڑگیری کی آمدنی کفالت میں پیش کی اور پانچ لاکھ ترکی پاؤنڈ پیشگی اس شرط پر حاصل کیا کہ پیرس بورس (صرافۂ پیرس) میں اس قرضے کا حوالہ دیا جائے۔ یہ اگر نہ ہو تو قرضہ نہیں دیا جا سکتا۔ حوالے کی جب درخواست کی گئی تو فرانسیسی گورنمنٹ نے چند شرائط پیش کئے۔ ایک تو اس انتظام کے متعلق تھی جس سے ترکی کے جمع و خرچ کے تفصیلی حسابات سے اس کی مالی حالت کا صحیح حال معلوم ہو سکتا۔ نیز تمام ذخیرۂ حرب فرانس سے خریدا جائے۔ اور تعمیرات میں اسے مراعات دی جائیں۔ باب عالی نے ان شرطوں کو نامنظور کیا اور برلن سے درخواست کی۔ (۴۲) جرمنی اور آسٹروی بنکوں نے مل کر قسطنطنیہ کے محصولخانوں کی کفالت پر مطلوبہ قرضہ دینے کا ذمہ لیا لیکن اس جماعت نے صرف ستّر لاکھ ترکی پاؤنڈ دیئے۔

کمیٹی اور کابینہ کے تعلقات بہت کشیدہ ہو چکے تھے۔ کابینہ میں دو جماعتیں تھیں۔ ایک جماعت صدر اعظم کی طرفدار تھی اور اس میں محمود شوکت پاشا وزیر جنگ اور رفعت پاشا وزیر خارجہ شامل تھے۔ یہ رفعت میانہ روئی اور صلح جوئی کا طرفدار تھا۔ دوسری جماعت کمیٹی کی طرفدار تھی اور اس میں طلعت بے وزیر ممالک داخلی۔ جاوید بے وزیر مالیہ۔ اور حلاجین افندی وزیر تعمیرات تھے۔ امیر البحر خلیل پاشا نے وزارت بحری سے کمیٹی کے احکام کی تعمیل کی ناراضی سے استعفا دیدیا تھا۔ اس کی جگہ افسر توپخانہ رضا پاشا وزیر بحر بنایا گیا لیکن اس نے بھی استعفا دیدیا اور وجہ یہ بتائی کہ کمیٹی اس کے انتظامات میں دخل در معقول کرتی تھی۔

اب جو باقی کابینہ کے وزرا تھے ان کی حالت تماش بینوں کی سی تھی کمیٹی جو بحیثیت مجموعی غیر ذمہ دار تھی اصل حاکم تھی۔ اور پارلیمنٹ سے جس کی حالت بالکل ناقابل اطمینان تھی اور جو وقت اور موقع کے ساتھ چل رہی تھی اپنے حسب منشا کام لیتی تھی لیکن خود کمیٹی میں بھی پھوٹ پڑ گئی تھی سالونیکا کی مرکزی کمیٹی کو قسطنطنیہ کی کمیٹی سے اختلاف تھا جس کی وجہ سے کمیٹی کو قطعی کارروائی میں پس وپیش ہوتا تھا۔ کمیٹی کے اکثر اراکین قدیم کابینہ کی برخاست اور ایک نئے کابینہ کے تقرر کے حامی تھے قلیل اراکین ایسے تھے جو یہ چاہتے تھے کہ صرف چند وزرا کو ہٹا دیا جائے اور صدارت عظمیٰ پر حقی پاشا ہی مامور رہے کیونکہ ایسا قابل صدر اعظم نہیں مل سکتا تھا۔ جن وزرا کو وہ خدمت سے علیحدہ کرنا چاہتے تھے ان میں وزیر تعلیمات سب سے پہلے تھا۔ اس کے بعد وزیر خارجہ، وزیر اوقاف، وزیر زراعت معدنیات وجنگلات، اور وزیر عدالت۔ ایوان میں غلبۂ آرا صدر اعظم کے خلاف تھا لیکن اظہار کی جرأت نہ تھی۔ دوسری طرف ارکان کابینہ پارلیمنٹ پر حملہ کرنے میں پس وپیش کر رہے تھے۔ پارلیمنٹ نے دسمبر کا تمام مہینہ فضول جھگڑوں میں کھویا۔ اور ان جھوٹی کارروائیوں پر طول طویل مباحثے اور بیکار بحثیں کیں جو کمیٹی کی پولیس کی طرف سے بنائی گئی تھیں۔ الغرض کمیٹی میں نااتفاقی روز بروز بڑھ رہی تھی۔ ایوان میں روز کا ایک نیا جھگڑا اور نیا قضیہ اور آپس میں تو تو میں میں ہو رہی تھی چنانچہ عارف حکمت بے رکن کمیٹی اور طلعت بے وزیر داخلی کا واقعہ اسی قبیل سے ہے۔ گو طلعت بے ایک مستعد اور کارگزار شخص تھا لیکن اس کی بعض وقت کی بدمزاجی ان اوصاف پر پانی پھیر دیتی تھی۔ یہ واقعہ بھی ناشائستہ الفاظ کے لحاظ سے جو فریقین میں کہے گئے آپ اپنی نظیر تھا[1] طلعت بے مستعفی اور اس کی جگہ خلیل بے نمایندہ منتیش ایوان کی جماعت اتحاد و ترقی کا صدر رہا۔

جماعت اتحاد و ترقی میں خاصہ رخنہ پڑ گیا تھا۔ قومیت پسند چاہتے تھے کہ ایسے وزرا کا تقرر عمل میں آئے جو کمیٹی کے سابقہ دستور العمل کو اپنا دستور العمل

[1] دیکھو سیما فورڈی مارسیئی (Semaphore de Marseille) ۳۱ دسمبر سنہ ۱۹۱۰ء۔

قرار دیں۔ اور ملک کی تمام مختلف اقوام کو ترکوں کی سیادت میں متحد کر دیں۔ اور تمام عیسائی قوموں کو سلطنت کے قانون دیوانی کے تابع کریں جو مذہبی قانون سے اخذ کیا گیا تھا۔ قرآن مجید سے مطابق ہونے کی صورت میں ہی حقوق ملکی قابل تسلیم تھے۔ پارلیمنٹ کے تمام مقررین بار بار اس کو ثابت کرتے تھے کہ دستور اور شریعت ایک ہیں۔ ان میں سے بعض کا تو اعتقاد ہی یہی تھا اور بعض تو مسلمانوں کے تعصب شدید کو کم کرنے کے لئے اس استدلال کو ضروری سمجھتے تھے۔ مرکزی کمیٹی سالونیکا میں اکثر متعصب قومیت پسند تھے جو غیر ملکیوں سے سخت نفرت رکھتے تھے اور اسی وجہ سے ان کی رائے حقی بے کو معزول اور طلعت بے کو صدر اعظم بنانے کی تھی۔ یہ لازمی تھا کہ وزارت جدید کا انتخاب کمیٹی سالونیکا، کمیٹی مونستر (جو کمیٹی سالونیکا سے بھی جذبۂ قومی میں بڑھی ہوئی تھی) اور کمیٹی قسطنطنیہ کے نظما سے کیا جاتا جو علم بردار "اسلامیت" و "ترکیت" تھے لیکن محمود شفقت پاشا نے جو حقی پاشا کا طرفدار تھا یہ اعلان کیا کہ صدر اعظم کو معزول کرنے کی صورت میں وہ بھی وزارت جنگ سے استعفا دیدے گا اس لئے انقلاب وزارت کا معاملہ آگے نہ بڑھا۔

۶ مارچ ۱۹۱۱ء کو پارلیمنٹ کا منظر عجیب و غریب تماشا پیش کر رہا تھا۔ جس سے توقع نہ تھی کہ پھر ایوان کی عوام میں کچھ بھی وقعت رہے گی گو اس وقعت میں اب بھی زوال آگیا تھا۔ پارلیمنٹ کا تماشائی اس روز دیکھتا کہ مقابلے کے ایک رکن پر تمام وزرا اپنی اپنی نشستوں سے اٹھ کر ٹوٹ پڑے ہیں۔ صدر اعظم اس کو بازو پر مارتا ہے یہی نہیں بلکہ ارکان غالب میں سے ایک شخص پارلیمنٹ کا جاں نثاری یا دور قدیم کا قابوچی بن جاتا اور اس پر پیچھے سے حملہ کرتا ہے اور دوسری طرف سامنے سے وزرا حملہ کرتے ہیں۔

اس تمام ہنگامے میں احمد رضا بے میر مجلس جس نے پارلیمنٹ میں اپنے استبداد کی وجہ سے کئی دشمن پیدا کر لئے تھے اپنی جگہ پر بیٹھا رہا اور صرف اتنا ہی کہا کہ "صاحبو میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ ہنگامہ نہ کریں"۔ خوش قسمتی یہ تھی کہ اجلاس قریب الختم تھا۔ اور حریت پسند ارکان اور اکثر البانی نمایندے

پارلیمنٹ سے جا چکے تھے اگر وہ ہوتے تو خاصی جنگ چھڑ جاتی۔ جو شخص ذرا اور ان کے ارادتمندوں کے ناواجب حملہ کا نشانہ بنا وہ اسماعیل کمال بے صدر احرار و نمایندۂ برات تھا اور البانیا کے ایک نہایت ممتاز خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ چند البانی نمایندے جو رہ گئے تھے ان میں سے ایک نے مقابلے پر آمادگی ظاہر کی۔ اسماعیل کمال بے نے کہا کہ "وہ بھی دن آئے گا جب کہ آج کے واقعے کا خمیازہ آپ کو بھگتنا پڑے گا۔ یہ خمیازہ ایسا ہوگا جس سے تمھارے دوست روئیں گے اور تمھارے دشمن ہنسیں گے۔ تم لوگ نہیں جانتے کہ عزت کیا ہے۔ اس واقعے کے وہ نتائج ہوں گے جن پر تم کفِ افسوس ملو گے"۔

یہ حملہ جو البانیا کے ایک بڑے رئیس خاندان کے رکن پر کیا گیا تھا من جملہ ان وجوہ کے تھا جن سے البانیا ترکوں کے تسلط سے چلا گیا۔ ارناؤطی بدل گئے اور نوجوان ترکوں سے ان وعدوں کو پورا کرنے کا مطالبہ کیا جو کشادہ دلی کے ساتھ ان سے کئے گئے تھے مگر جس کے جواب میں ترکوں نے البانیا کو خونریزی اور آتش زنی کا میدان بنا دیا۔

بغاوت البانیہ (۱۹۱۰-۱۹۱۱ء)

البانی لیگ کا قیام محض اس وجہ سے ہوا تھا کہ یورپ کو معاہدۂ برلن کی تعمیل سے روکا جائے۔ گو اس منصوبے میں لیگ کو ناکامی ہوئی لیکن اس لیگ سے جو اہم نتائج بعد میں پیدا ہونے والے تھے وہ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھے یہاں تک کہ خود عبدالحمید کو بھی جس کی سازشوں سے اس لیگ کا وجود ہوا تھا اس کی خبر نہ تھی۔ یہی وہ لیگ تھی جس نے ارناؤطیوں میں ان کی گم گشتہ قومیت کا احساس پیدا کیا۔ اور یہی وہ احساس تھا جو معزولی

عبدالحمید کے بعد پے در پے البانی بغاوتوں کا سبب ہوا یہاں تک کہ جب بلقان نے ترکی کے خلاف سازش کی تو یورپ میں عثمانی تسلط کی تباہی کے بانیوں میں البانی بھی شامل تھے۔

اس دو سال کے عرصے میں جبکہ لیگ خود مختاری البانیا کے انتظامات کر رہی اور امور نظم و نسق میں مصروف اور محاصل مقرر کر رہی تھی البانیوں کو یہ یقین ہو چلا تھا کہ وہ بیرونی خطرے کے مقابلے میں متحد ہو سکتے ہیں چنانچہ البانیا میں قومی تحریک کے آثار مختلف طور پر ظاہر ہونے لگے۔ اور گو یہ آثار منضبط نہ تھے اور ان میں تخالف بھی تھا لیکن ان کا مرکز ایک تھا یہ قومی تحریک یونانیوں اور صقلبیوں کے مقابلے میں تھی جو البانی خود مختاری کے دشمن تصور کئے گئے تھے۔

نوجوان ترکس اور اہل یورپ کے مقابلے کے لئے عبدالحمید نے ان پہاڑی باشندوں کو اپنی خدمت میں لیا تھا۔ سابقہ دربانوں کے عوض جن کے ذمے پاشاؤں اور باغی بیگوں (قاتلان سلطان) کا سر لانا ہوتا تھا باڈیگارڈ کی فوج مقرر کی گئی تھی چنانچہ عبدالحمید کی خاص فوج اسی باڈیگارڈ، پلٹنوں اور حبشی رسالے پر مشتمل تھی۔ اس باڈیگارڈ اور پلٹن کے سپاہی یہی پہاڑی باشندے ہوتے تھے۔ ان لوگوں کی بہت کچھ عزت افزائی کی جاتی اور ان کے ساتھ پیسے سے بہت کچھ سلوک کیا جاتا تھا۔ انھیں کسی قسم کی روک ٹوک نہ تھی اور وہ اپنے آپ مختار اور آزاد تھے بلکہ انھیں کافروں کو قتل کرنے اور لوٹنے کی بھی اجازت تھی اس بارے میں سلطان کا طرز عمل شاہ آسٹریا کے طرز عمل کے مماثل تھا نتیجہ یہ تھا کہ قدیم صربستان کے پہاڑوں سے یہ پہاڑی باشندے اترتے اور عیسائیوں کو لوٹتے قتل کرتے، اور ان کی جگہ خود آباد ہوتے تھے۔ اس لحاظ سے البانیوں کو عبدالحمید سے کوئی شکایت نہ تھی۔ اس کے عہد میں ان کے قومی مطالبات صرف اپنی زبان کے سرکاری طور پر تسلیم کرانے اور ان مدارس کے قائم کئے جانے تک محدود رہے جہاں ان کے بچوں کی تعلیم ہو سکتی تھی۔ یہ لوگ پہاڑوں میں فلاکت کی زندگی بسر کرتے تھے اور چونکہ یہ پہاڑی دولت سے متمتع ہونا نہیں جانتے تھے اس لئے مختلف ممالک میں ہجرت کرتے رہے۔

اطالیہ، رومانیہ، اور آسٹریا میں البانی نوآبادیات قائم تھیں۔ ان کی زیادہ تعداد اطالیہ میں تھی۔ کہیں یہ ان البانی سپاہیوں کی اولاد کا ذکر نہ سمجھا جائے جو پندرھویں اور سولھویں صدی کی لڑائیوں میں اسٹراڈیوٹیس کے نام سے اطالیہ میں مشہور اور وہاں آباد تھے اور جن کی اولاد گو اطالوی ہوگئی تھی لیکن جو اپنے کارناموں کے اعتبار سے زیادہ تر البانی ہی تھی۔ ہم بالکل حالیہ ہجرتوں کا ذکر اور اس وقت کا حال بیان کر رہے ہیں جب کہ ۱۸۷۹ء کی لیگ قائم نہ تھی لیکن قومیت کا خیال البانیوں میں ہو چکا تھا اور لیگ کے عالم وجود میں آنے کے سامان ہو رہے تھے۔ اطالیہ اور رومانیا میں جو البانی کمیٹیاں قائم تھیں انھوں نے ارناوطی خود مختاری کے متعلق بہت اچھا دستور العمل مرتب کیا تھا اور اس میں آسٹریا ہنگری اور اطالیہ نے اپنے اپنے علاقے کے قبائل کی حد تک مدد دی تھی۔ اطالیہ اور آسٹریا ہنگری دونوں البانیا کے امیدوار تھے اور ایک طرف اس کی خود مختاری اور سوراج کے مدح سرا تو دوسری طرف اس کے بانٹ لینے کی فکر میں تھے۔

۸ جون ۱۹۰۱ء کو ایم ڈی مارینس نے جو بعد میں اطالیہ کا وزیر خارجہ ہوا مانٹیسیٹیریو میں کہا تھا "ایڈریاٹک میں اطالیہ کے اغراض و مقاصد کا انحصار البانیا کے مستقبل پر ہے۔ بندرگاہ والونا جس کے قبضے میں ہوگی وہ ایڈریاٹک کا بھی بلاشک و شبہہ مالک ہوگا" ۱۹۰۴ء میں جب وینس میں کونٹ گولوکوسکی اور ایم ٹٹونی میں مشورت ہوئی تو البانیا کی حد و بندی کے متعلق بھی مباحثہ ہوا۔ آسٹریا نے مقدونیہ کا ایک بڑا حصہ اس میں شریک کیا تھا۔ جون ۱۹۰۷ء میں پیرس کے "بلقان کوریئر" (قاصد بلقان) میں آسٹرو اطالوی خفیہ معاہدے کا مضمون البانیا کو آپس میں تقسیم کرنے کے متعلق شایع ہوا تھا جس کی رو سے اسکمبی ندی کا شمالی علاقہ آسٹریا اور اس کے جنوب کا علاقہ اٹلی کے تسلط میں قرار دیا گیا تھا۔

خیال تو یہی ہو سکتا تھا کہ نوجوان ترکوں کی تحریک میں البانی عبدالحمید کا ساتھ دیں گے۔ انھوں نے عبدالحمید کا ساتھ نہیں دیا تو اس کے وجہ یہ تھی کہ

نوجوان ترکوں نے ارناوطیوں کی اس نفرت سے فائدہ اٹھایا جو دول یورپ کی ان اصلاحات کی طرف سے انھیں تھی جو وہ ولایات یورپین ترکی میں کرنا چاہتی تھیں۔ ان نوجوان ترکوں نے البانی سرداروں کو سمجھایا کہ مقدونیہ کا نظم ونسق ممالک یورپ کے طرز پر ہوگا جس کی وجہ سے مثل سابق کے غارتگری نہو سکے گی۔ مقدونیہ کے بعد البانیا کی باری آئے گی۔ مجلس رِوَل سے البانیوں کو اس کی تصدیق ہوگئی۔ اور ان کے جو کچھ شکوک باقی تھے وہ جاتے رہے۔ مسلح البانیوں کا ایک بڑا جلسہ شمسی پاشا کے زیر اہتمام فریزووک میں ہوا تاکہ قبائل کو اس امر پر ہموار کیا جائے کہ وہ ولایات مقدونیہ میں جو عارضی طور پر انگلستان اور روس کو انتظام کے لئے دیئے گئے تھے ترکی نظم ونسق کو برخاست کرنے کی تجویز پر صدائے احتجاج بلند کریں۔ شمسی پاشا سلطان کا معتمد علیہ تھا اور یہ جلسہ سلطان کی طرف سے ہی کیا گیا تھا۔ لیکن کمیٹی کے کارپردازوں نے اس خوش اسلوبی سے اپنا فریضہ ادا کیا کہ خود اہل جلسہ نے دستور کے مطالبے میں سلطان کو ایک تار روانہ کیا۔ ایک بیان سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ البانیوں نے اصلاحات کو اپنی سمجھ کے موافق محدود معنوں میں لیا تھا لیکن اسقب کے نوجوان ترکوں نے اس کی اور کچھ تاویل کی چنانچہ ان کا بیان کچھ اور تھا۔ صرف ایک سردار عیسی بولیٹنائز نے سلطان کے اگلے احسانات کو نہ بھول کے سلطان کی موافقت کی لیکن تھوڑے ہی عرصے میں اس کا سخت خمیازہ اس کو بھگتنا پڑا۔

البانیوں کو دستور کے متعلق کچھ بھی معلوم نہ تھا لیکن نوجوان ترکوں نے ان کے اس خوف سے کام لیا جو غیر ملکیوں کی طرف سے انھیں رہتا تھا۔ اور انھیں سمجھایا کہ صرف اسی ایک طریقے سے اول پروگرام اور معاملات ترکی میں یورپ کی دخل ہی سے چھٹکارا مل سکتا ہے۔ دستور البانیوں کے قومی خصائل کا احترام کرے گا۔ یورپین اصلاحات کے خطرے سے بچائے گا۔ قانون شریعت کو جاری کرے گا۔ البانیوں کے لئے مدارس کھولے جائیں گے۔ اور البانیا کی زبان ملکی زبان تسلیم کی جائے گی۔ خود کمیٹی نے آپ کو البانیوں کے قومی تحریکات کا طرفدار ظاہر کیا۔ اسی کے ایما سے قسطنطنیہ کی البانی کلب نے

نومبر ۱۹۱۰ء کو باشندگان غوغیری وتا سکا سے درخواست کی کہ وہ ۱۸۷۹ء کی لیگ میں پھر جان ڈالیں۔ گورنمنٹ نے چار ہزار بندوقیں البانیا اعلیٰ کے قبائل میں تقسیم کرائیں تاکہ صربیوں اور مانٹینگرویوں سے لڑ سکیں۔

اس طرز عمل کے نتائج بہت جلد نکلے۔ یکم ستمبر کو قبائل ہتر و ولٹزا، پرزرند، وآٹیپک نے سالونیکا کو ایک وفد روانہ کیا اور بتاکید امور ذیل کے لئے درخواست کی۔ قانون شریعت کی بحالی۔ غیر مسلموں خصوصاً صربیوں کو اسلحہ رکھنے کی ممانعت۔ ان کے حقوق کا باضابطہ اعتراف۔ البانی مدارس کا افتتاح جس کا صرفہ خود گورنمنٹ برداشت کرے گی و نیز عورتوں کی موجودہ حالت میں عدم تبدیلی۔ چونکہ البانی بہت گرم مزاج واقع ہوئے تھے اور اس کے سوا قصاص کی طرف بھی ان کا میلان تھا اس لئے نوجوان ترکوں نے ان قبائل کو مرعوب کرنے کے لئے عمدہ تدبیر یہی خیال کی کہ ان کی بخوبی سرکوبی کی جائے۔ تاکہ وہ آئندہ ذرا عقل سے کام لیں اور ایسے نامعقول مطالبات نہ کریں انھوں نے اپنی قوت آزمائی کے لئے سب سے زبردست قبائل عیسیٰ بولٹینا ئزا اور لوما کو انتخاب کیا۔ عیسیٰ بولٹینا ئز قدیم زمانے کے جاگیردار بہادروں کی وضع کا آدمی تھا جو لیٹیرے ہوتے تھے چنانچہ وہ زیادہ تر لٹیرا تھا۔ عبدالحمید نے اس کو پنشن مقرر کر دی تھی تاکہ وہ اس کا خیر خواہ رہے۔ اس کی اس سرپرستی کی بدولت عیسیٰ کی بداعمالیوں کی کوئی باز پرس نہ ہوتی تھی۔ حکومت دستوری کے بعد وہ قزاقی کو خیرباد کر کے ایک جاگیردار کی طرح شریفانہ زندگی بسر کر رہا تھا۔ نوجوان ترک اس سے کھٹکے ہوئے تھے۔ انھوں نے مناسب یہی سمجھا کہ اس کو اور اس کے قبائل کو غیر مسلح کر لیا جائے۔ البانی ہتھیار کو بہت عزیز رکھتے ہیں۔ اور کبھی اپنے سے جدا نہیں کرتے ہتھیار چھین لینے سے بڑھ کر ان کے پاس کوئی ذلت نہیں۔ جب اسے بے اسلحہ ہونے کا حکم دیا گیا تو اس نے نہ مانا۔ اس پر جاوید پاشا کو کئی پلٹنوں کے ساتھ اس کی تنبیہ کے لئے بھیجا گیا۔ لڑائی دو ماہ تک رہی۔ بہت خونریز معرکے ہوئے۔ عیسیٰ کے قلعے برباد کر دیئے گئے لیکن جاوید پاشا نے بڑی غلطی یہ کی کہ بے پناہ بستیوں کو جلا یا اور عورتوں اور بچوں کو

قتل کیا۔ مقصد تو یہ تھا کہ البانیوں میں ایک دہشت پیدا کی جائے لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ حکومت کی نیک نامی پر سخت دھبا آگیا اور ارناوطی بدلے کی فکر میں ہوگئے کیونکہ ان کے پاس عورت ایک قابل احترام ہستی ہے۔ مرد اگر قتل ہو تو اس کا خونبہا ہو سکتا ہے لیکن عورت اگر قتل ہو تو اس کے لئے قصاص ہے۔ جاوید پاشا نے صرف عیسی بولیٹنائز کو ستانے پر ہی اکتفا نہیں کی بلکہ تمام البانی جاگیرداروں پر حملہ کیا۔ آٹپک کے علاقے میں اس نے اٹھانوے قلعے تباہ کئے۔ ۱۹۰۹ء کے موسم بہار میں اس نے جاکووا اور ملیسوریس کے علاقے پر چڑھائی کی اور ان قبائل کو بے اسلحہ کر کے ذرائع جنگ سے بے دخل کرنے کی کوشش کی۔ تین ہزار البانی فریز ووک میں ان انتظامات پر احتجاج کرنے کے لئے جمع ہوئے تو انھیں توپوں سے منتشر کر دیا گیا۔ ستمبر میں جاوید کی فوجوں نے لوما پر حملہ کر دیا لیکن ان پہاڑی باشندوں کی سخت مزاحمت سے اسے واپس ہونا پڑا۔ واپسی میں جو کچھ ملا اسے لوٹا یا جلا دیا گیا۔

ولایت سقودرہ میں نوجوان ترکوں کی سیاست نہ چل سکی۔

۱۳ اپریل ۱۹۰۹ء کے رد انقلاب کی کوشش کے بعد حوجیون نے باشندوں کو نوجوان ترکوں کے خلاف برانگیختہ کرنے کی کوشش کی لیکن چونکہ ان کے حقوق میں دست اندازی نہیں کی گئی تھی اس لئے وہ خاموش رہے۔ بغاوت کے جرم میں جب البانیوں کو قتل کیا گیا تو ان کے غصے کی آگ بھڑک اٹھی۔ مردم شماری کی وجہ سے یہ آگ اور بھی دو بالا ہوگئی۔ یہ سمجھا گیا کہ یہ مردم شماری جبری فوجی خدمت اور ان کے حقوق کی پامالی کا پیش خیمہ ہے۔ بمب باری کی جب دھمکی دی گئی تو مسلمانان سقودرہ نے اطاعت قبول کی۔ قبائل کاثولی نے والی سقودرہ کو حسب ذیل عرضداشت پیش کی۔

"اگر نیا دور واقعی نیا دور اور محض افسانہ نہیں ہے تو ہم بھی دستور کو قبول کرنے پر آمادہ ہیں۔ ہم اس شرط پر ٹیکس اور فوجی خدمت کو قبول کریں گے کہ مسلمانان سقودرہ کے ساتھ بھی ایسا ہی عمل کیا جائے گا۔ اور ساتھ ہی ساتھ ایک شرط یہ بھی ہے کہ فوجی سرداری اور "صیغہ آوردہ" کے طریقے کو جو

دونوں مذاہب کی عدم مساوات کی یادگار ہے موقوف کر دیا جائے گا اور ہر قبیلے کو یہ اختیار دیا جائے گا کہ وہ اپنے حاکموں کو خود انتخاب کرے۔ اگر نیا نام اور قدیم دور باقی ہے تو ہمارے سابقہ حقوق میں دست اندازی نہ کی جائے اور ہم کو اپنے حال پر رکھا جائے چنانچہ انصاف بھی یہی چاہتا ہے[1]

جب البانی کمیٹیوں نے فریز ووک میں خاص سیاسی مسائل پر ایک عام جلسہ ۱۷ر جولائی ۱۹۰۹ء کو منعقد کیا تو جماعت اتحاد و ترقی نے اس سے خود فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ ان کا ایک وفد نیازی بے "رستم ریسنا" کی سرکردگی میں ہی نہیں بھیجا گیا بلکہ انھوں نے ایک فہرست ان تجاویز کی بھی تیار کی جو بغیر چون و چرا کے اس جلسے میں تسلیم کئے جانے چاہیئے تھے۔ انھیں اس میں کامیابی ہوی لیکن ان تجاویز کو پیش کرنے کے کانگریس نے اپنے تجاویر کو نقشے کی صورت میں پیش کیا تھا جن سے البانی احساسات کا بخوبی اظہار ہو رہا تھا۔ تجاویر کانگریس حسب ذیل تھے۔ انتظامی خدمات پر البانیوں کے تقررات ہر اہلِ مذہب کو اپنے اپنے قومی مدارس کھولنے اور اپنی قومی زبان میں مذہبی مراسم کی ادائی کا اختیار۔ مدارس کا افتتاح جن میں البانی زبان میں تعلیم دی جائے گی۔ سڑکیں قائم کرنا۔ ولایات کی عام کونسلوں کے اختیارات میں توسیع۔ عدالتوں کی اصلاح۔ عثمانی البانی کانگریس کے سالانہ اجلاس کی منظوری۔ آخری پانچ سال کے اوسط سے محصول بندی (صرف یہی محصول (عشر) البانی دیا کرتے تھے)۔

اہل البانیہ کی اس درخواست پر نہ صرف کوئی لحاظ ہی نہیں کیا گیا بلکہ عثمانی حکام ان کو برانگیختہ کر کر کے خوش ہو رہے تھے۔ نوجوان ترک اپنی ناتجربہ کاری سے ہر چیز کو مرکزیت دینا چاہتے تھے چنانچہ ان امتیازی حقوق کو بھی وہ کالعدم کرنے کے متمنی تھے جو قدیم زمانے سے البانیوں کو حاصل تھے۔ اور انھیں مردم شماری، لازمی فوجی خدمت، اور ان تمام ٹیکسوں پر جو دوسرے صوبجات میں رائج تھے یا رائج کئے جاتے مجبور کر کے انھیں نئے قوانین کا پابند کرنا چاہتے تھے۔

[1] مسئلۂ البانیا افراریغی نین ریویو دے دیوموند (Revue Des Deux-Mondes) ۵ سر دسمبر ۱۹۰۶ء

آخر میں انھوں نے جاگیرداروں (بے) کی جاگیری قوت توڑنے کی کوشش کی تاکہ اس طریقے سے ادنیٰ طبقے کو اپنا طرفدار بنائیں۔ یہ خیال ان کی ملکی ناواقفیت کو ظاہر کر رہا تھا کیونکہ البانیا میں اونچی طبقے کا وجود ہی نہیں ہے اور سب البانی اپنے آپ کو باعتبار حسب و نسب شریف سمجھتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ انھوں نے باشندوں کو بھی بے اسلحہ کرنا چاہا۔

لیکن قومی خیالات میں ہیجان ہو رہا تھا۔ جنوب میں قبائل تاسکی میں جو البانیا کی سب سے مالدار قوم اور پچاس سال سے ترکوں کے زیر نگیں تھے یہ تحریک زوردار نہ تھی۔ وسطی و شمالی البانیا میں یہ تحریک سوراج کے لئے تھی۔ اس قومی تحریک کے اندفاع کے لئے نوجوان ترکوں نے مذہبی تعصب سے کام لینا چاہا۔ البانیا میں رسم الخط لاطینی تھا۔ انھوں نے اس کی جگہ ترکی رسم الخط کو مروج کرنے کی کوشش کی اور یہ استدلال کیا کہ لاطینی رسم الخط میں لکھنے والے کافر ہیں۔ یہ باتیں اہل البانیہ کی برہمی کا باعث تھیں۔ وسمبر ۱۹۰۹ء میں وسط و شمال البانیا کے سرداروں نے ایک خفیہ جلسہ کیا جس میں چند سیاست داں بھی ان کے شریک حال ہوئے۔ سوراج کی کوشش و حصول کی رائے ہوئی اور اس مقصد میں کامیاب ہونے کے لئے ایک عام بغاوت ضروری قرار دی گئی۔ ایک انتظامی کمیٹی دستور العمل تیار اور اس تحریک کو روبراہ کرنے کے لئے قائم ہوئی جو ماہ جولائی میں کی جانے والی تھی گورنمنٹ اور کمیٹی کو اس منصوبے کا علم نہ تھا لیکن ان کی خوش قسمتی سے قبائل لاب و پرشتینہ نے محض مقامی حالات کی بنا پر صدر احکام کی خلاف ورزی کر کے قبل از وقت بغاوت کر دی۔

اپریل ۱۹۱۰ء میں جب مظہر بے والی کوسووو نے نئے ٹکس قائم کرنے کی کوشش کی تو قبائل پرشتینہ ولاب نے جن پر ان محاصل کا پہلے اثر پڑا تھا بغاوت کی۔ ان محاصل درآمد کے خلاف انھوں نے ایک بڑا جلسہ کیا۔ والی نے اس جلسے کو بزور منتشر کیا اور ان پر بغیر سبب اشتعالک کے گولہ باری کی۔ بہت جلد قبائل باغی ہو گئے۔ جس کی وجہ سے کمیٹی کے تمام منصوبے ناتمام رہ گئے۔ کمیٹی نے مناسب یہی سمجھا کہ اعلان بغاوت کر دیا جائے کیونکہ اگر ترکوں کو ان ہر دو

قبائل کی سرکوبی کرنے دیا جاتا تو کمیٹی تمام البانیا میں بدنام ہو جاتی اور اس کے سوا یہ بھی اندیشہ تھا کہ ترک کہیں اس مجوزہ بغاوت سے آگاہ نہ ہو جائیں۔ بغاوت کا اعلان کر دیا گیا مگر قبائلی فوجوں کے اجتماع کے لئے جو اس مہم کے لئے پیش از پیش تیار نہ تھیں مہلت درکار تھی چنانچہ اسی ضرورت کی وجہ سے ہم کو باغیوں کی فن جنگ کی واقفیت کا ثبوت ملتا ہے۔ ترکوں کی فوج فریزووک میں تھی جہاں شاہراہوں کا اتصال ہوتا تھا۔ ہر پلٹن میں تین سو یا اس سے کچھ زیادہ آدمی تھے اور کل پچاس پلٹنیں اور توپخانے کے انتیس دستے تھے اور ان کا سپہ سالار شفقت طرغود پاشا فاتح "یلدیز" تھا کیونکہ اسی نے ہی ۲۵ اور ۲۶ اپریل ۱۹۰۹ء کو یلدیز فتح کیا تھا۔ البانیوں نے خواہ مخواہ جاکوا پر ایک سخت حملہ کر دیا۔ طرغود نے ڈر کے اپنے یمنہ کے ایک بڑے حصے کو واپس طلب کر لیا جس کی وجہ پرشٹینا اور متروویٹزا کا راستہ کھل گیا۔ اسٹملیا اور چرنا لووا میں ترکوں کو ہزیمت ہوئی جس سے قرہ داغ اور گیلانی قبائل کو کچانک کی گھاٹی پر قبضہ کرنے کا موقع ملگیا۔ تمام ترکی فوجوں کا مرکز یہی مقام تھا۔ سڑک کو انھوں نے کھلا چھوڑ دیا تھا۔ قبائل ملسور و دبر نے اس سے فائدہ اٹھایا اور باغیوں کی اصل جماعت سے مل گئے۔ کچانک گھاٹی میں باغی ترکوں سے پہلے ہی پہنچ چکے تھے۔ انھیں اس مقام سے ہٹانے کی کوشش میں طرغود کو تین بار بھی ناکامی ہوئی۔ سرکاری اطلاعوں سے ظاہر ہوتا تھا کہ "لیٹروں" کی کامیابی محض ظاہری تھی جس کا منصوبے میں لحاظ رکھا گیا تھا طرغود پاشا نے عقب اور بازو سے ان پر حملہ کر دیا اور تقریباً بیس کلومیٹر کچانک کے حصے میں قبضہ کر لیا۔ ترکی اخبارات کا بیان تھا کہ باغیوں کی ہمت بڑھانے کے لئے اس نے انھیں اپنے ہراول کے ایک حصے کو توڑنے دیا تھا تاکہ انھیں اپنے یمنہ میسرہ اور عقب کا حال معلوم نہ ہو۔ سچ تو یہ ہے کہ طرغود پاشا نے کچانک کے علاقہ ل پر ناکافی فوجوں سے حملہ کیا تھا جس کی وجہ سے اس کے غیر مستحکم عقب پر البانی کثیر فوج کے ساتھ حملہ آور ہوئے اور اسے شکست دی۔

بہرحال طرغود کے لئے کمک پر کمک پہنچ رہی تھی جس کی مدد سے اس نے

پھر جارحانہ طریقہ اختیار کیا اور بازوئے لشکر پر حملہ کر دیا۔ ادریس سفر کا جو اس سمت کا البانی افسر تھا صرف خیال یہ تھا کہ ترک صرف گھاٹی پر حملہ کریں گے لیکن جب اسے معلوم ہوا کہ توپخانے کی فوج نے دیہات کو تباہ کر دیا ہے اور اصل فوج وادی موراوا کی طرف روانہ ہوئی ہے تو وہ اپنی جگہ چھوڑ کے دیہات کو بچانے کے لئے روانہ ہوا جس سے ترکوں نے گھاٹی پر قبضہ کر لیا۔ شدید مقابلوں کے بعد باغی کچانک اور گیلان کی وسطی پہاڑیوں میں بھگا دئے گئے۔ کئی دیہات پر بمباری کی گئی۔ اکثر دیہات کو خود گاؤں والوں نے چھوڑ دیا۔ جب کچانک اور الیشن پر قبضہ ہو گیا تو فوج کا ایک بڑا حصہ فریز ووک واپس ہوا۔ کچانک سے جہاں عارضی طور پر قیام تھا۔ پھر فریز ووک فوج کا مستقر قرار دیا گیا۔ پرزرند کے اس راستے پر جو استملا اور چرنالوا کے درمیان تھا البانیوں کا قبضہ تھا۔ شوکت طرغود نے اپنی توجہ اب اس طرف پھیری۔ قریب قریب چودہ پلٹنیں استملیا کی طرف روانہ ہوئیں۔ کچھ فوج لیسرجی پر اور کچھ فوج بوڈاکو وا پر روانہ ہوئی۔ اس شاہراہ پر حسن حسین البانیوں کا سردار تھا۔ جب یہ معلوم ہوا کہ ترکی فوجیں استملیا پر بڑھ رہی ہیں تو البانیوں نے چرنالوا کی گھاٹی پر زبردست انتظام کیا چنانچہ ڈاکوا پر جو فوج بھیجی گئی تھی وہ شاہراہ پرزرند کو ۶/اور ۷/ مئی کو پہنچی۔ ۸/ مئی کو یسرجی کی فوج سے مقابلہ ہوا۔ اس کے بعد اس فوج سے ہوا جو استملیا پر بھیجی گئی تھی۔ بغاوت کا خاتمہ کرنے کے لئے گورنمنٹ نے محمود شوکت پاشا کو پورے اختیارات کے ساتھ روانہ کیا۔ اس نے زور وتدبیر دونوں سے کام لیا اور سرداروں کو رقم دے کر اور وعدے کر کے مطیع کیا۔ صرف چند سرداروں نے مثل ادریس سفر اور عیسیٰ بولیٹنائزٹ کے امان قبول نہیں کی اور ملسا کو اپنی پناہ گاہ بنایا۔

استانبول اخبارات نے قبل از وقت استیصال بغاوت البانیا کا جشن منایا۔ وعدے صرف زبانی حد تک تھے۔ جن سرداروں نے ان وعدوں پر یقین کر کے ہتھیار ڈال دئے انھیں گرفتار کیا گیا اور نہ صرف دی ہوئی رقم ان سے چھین لی گئی بلکہ ان کی موروثی جائدادیں بھی ضبط کر لی گئیں ان پر فوجی عدالتیں

قائم کی گئیں اور وہ مقید کئے یا سولی پر چڑھا دیے گئے ۔ ان وجوہ سے قبائل ترکی کے اور بھی دشمن ہو گئے اس کے سوا کارسیکا سے زیادہ البانیا میں قصاص ایک مقدس فریضہ ہے ۔ باقیماندہ چھ سات ہزار باغی البانیوں نے جنھیں قابل سزا قرار دیا گیا تھا مانٹینگرو اور سقودرہ کے قبائل میں پناہ لی اور حکومت استامبول کا برابر مقابلہ جاری رکھا ۔ وہ اچھی طرح سے جانتے تھے کہ پھانسی تو انھیں کسی صورت سے بھی ملے گی اس لیے مانٹینگرو کی سرحد پر چھاپے مارتے رہے اور اس طرح بے قاعدہ لڑائی جاری رکھی جس کی وجہ سے ترکی فوج تنگ ہو گئی تھی اور البانیا میں خطرے کا اندیشہ ویسا ہی باقی رہا ۔ باشندوں کو بے اسلحہ کرنے کا بھی کچھ اچھا نتیجہ نہ نکلا ۔ انھوں نے اپنے وہ تمام قدیم اسلحہ حوالے کر دیے جو ان کے پاس تھے یہاں تک کہ ان قدیم سنگی بندوقوں کو بھی حوالے کر دیا جو سیپیوں سے آراستہ کی گئی تھیں اور جنھیں آنکھ بند کر کے کمیشن بے اسلحگی نے لے لیا ۔ لیکن انھوں نے حفاظت کے ساتھ اپنی موزر اور من شر بندوقوں کو چھپا دیا تھا ۔ ایسا ہی ان میں اسلحہ کی پوشیدہ تجارت ہو رہی تھی ۔ بوسنہ ہرزیگونہ، مانٹینگرو، اور سین جوین ڈی میڈوا کے راستے سے ہزاروں کی تعداد میں عمدہ بندوقیں آ رہی تھیں ۔ البانیوں کے پاس کسی زمانے میں اس قدر اسلحہ نہ تھے ۔ اطالیہ، رومانیہ، اور آسٹریا کی البانی کمیٹیوں نے ایک عام بغاوت کی پرجوش تحریک شروع کی چنانچہ ان کا کلمۂ دعوت سوراج البانیہ تھا ۔

سنہ ۱۹۱۰ء کی بغاوت ولایت کوسووو تک محدود رہی اور سوائے قبائل جاکووا کے جن کے سردار فنٹا ڈوڈا نے اس بغاوت میں بہت سرگرمی سے حصہ لیا دوسرے کاثولی قبائل خاموش بیٹھے رہے مارچ سنہ ۱۹۱۱ء میں کاثولی قبائل سقودرہ نے بے اسلحہ ہونے سے انکار کر دیا اور بغاوت کر دی کستراتی حطی کلیمنٹی اور ان تمام قبائل نے جو سقودرہ کی جھیل کے جنوب و مشرق میں آباد تھے مانٹینگرو کے قابل سزا البانیوں کی مدد سے سرحد کی گڑھیوں پر حملہ کر دیا اور ترکی محافظ فوج کو شکست دی ۔ خطرناک صورت زیادہ تر اس وجہ سے بھی ہو گئی تھی کہ اہل مانٹینگرو قبائل ملسور کی مدد کر رہے تھے ۔ ۱۷ مارچ کو ترکی حاکم نے دفتر سر عسکری کو حسب ذیل تار دیا ۔ "پانچ ہزار البانیوں کی کمک سے اہل مانٹینگرو کی ایک بڑی جماعت نے

سرحدی علاقوں پر حملہ کر دیا۔ چار کمپنیوں نے ان مانٹینگرو دیوں اور مالیسوریوں کی مدافعت کی لیکن ان لٹیروں کی تعداد زیادہ تھی اس لئے پسپا ہونا پڑا۔"

اگر اس بغاوت میں صرف البانی ہی رہتے تو ترک حسب ضرورت فوج کے ساتھ اس کا فی الفور خاتمہ کر دیتے لیکن مشکل تو یہ تھی کہ ان البانیوں کو باہر سے کمک اور ہمت پہنچ رہی تھی۔ مانٹینگرو انھیں گولہ بارود اور اسلحہ مہیا کر رہا تھا۔ مانٹینگرو کی فوجی ٹکڑیاں اپنے افسروں کے ساتھ ان کے دوش بدوش لڑ رہی تھیں۔ ان لوگوں نے تمام لباس البانیوں کا ہی پہن لیا تھا یہاں تک کہ ٹوپی کو بھی انھوں نے بدل دیا تھا۔ اس وجہ سے جبل اسود کے باشندے حطی، گردوی، اور کستراتی کے رہنے والوں سے متمیز نہیں ہو رہے تھے۔ زخمی البانیوں کو مانٹینگرو کے علاقے میں منتقل اور ہاسپٹال پاڈگورٹزا میں ان کی مرہم پٹی کی جا رہی تھی۔ اگر ترکی فوج سے باغیوں کی جماعت مغلوب ہو جاتی تو فوراً مانٹینگرو میں فرار ہو جاتی یا اس مقام کو چھوڑ کر دوسرے مقام پر نبرد آزما ہوتی لیکن مانٹینگرو کے پردے میں کون تھا؟ ترکی اخبارات میں یہ سوال ہوتا تھا لیکن اس کے جواب کی انھیں جرأت نہ ہوتی تھی مانٹینگرو کی فلاکت و غربت مشہور تھی۔ پھر کس طرح حکومت سٹینجی البانی باغیوں کی اسلحہ اور سامان خورونوش سے مدد کر سکتی تھی۔ بلقانی شطرنج میں مانٹینگرو کسی بڑی حکومت کا پیادہ تھا جس سے ترکی کو شہ دی جا رہی تھی۔ ترکی اخبارات البانیا میں بیرونی سازشوں کا جس رمز و کنائے سے ذکر کر رہے تھے اس سے پایا جاتا تھا کہ ان کا اشارہ آسٹریا ہنگری کی طرف ہے لیکن انھوں نے صاف طور پر اس کو ظاہر نہیں کیا۔ ان کا تمام غصہ مانٹینگرو پر برس رہا تھا جس کے ساتھ وہ بالکل صاف بیانی کو کام میں لا رہے تھے بلکہ جنگ کی ضرورت کا بھی اظہار کیا تھا۔

قبائل آپٹک، جاکووا و پرزرند۔ نے جنھیں گزشتہ سال ہزیمت ہوئی تھی پھر اس سال کی مہم میں حصہ لیا جس کی وجہ سے ترکی کو ساٹھ ستر زیادہ دستے البانیائے فوقی میں مجتمع کرنے پڑے۔ شوکت طرغود نے جاوید پاشا کی تقلید کی اور باقاعدہ طور پر دیہات کو تباہ اور ان کے باشندوں کو قتل کیا۔ مانٹینگرو کی سرحد پر ملیسوریوں اور ترکوں کی ایک زبردست فوج کا مقابلہ ہوا۔ ترکوں کے

انتقام کے ڈر سے ان مالیسوریوں نے مانٹینگرو میں پناہ لی۔ جواں مرد مقابلے کے لئے رہ گئے اور بوڑھوں بچوں اور عورتوں نے جن کی جملہ تعداد دو ہزار سے بڑھ کر تھی مانٹینگرو کو اپنا دارالامن بنایا۔ آسٹریا نے یہ دعوے کر کے کہ البانی کاتھولی اس کی حمایت میں ہیں مالیسوریوں کی طرف سے مداخلت کی۔ فرم ڈنبلٹ" میں ایک مضمون شائع ہوا جس میں نوجوان ترکوں کے طرز عمل پر جو البانیا کے متعلق تھا بہت سختی سے تبصرہ کیا گیا تھا اور حکومت عثمانیہ کو توجہ دلائی گئی تھی کہ وہ البانی قومی احساسات پر جلد متوجہ ہو کے اس افراتفری کو دور کرے۔ اس کے ساتھ ہی یونس کی طرف سے ترکی کو ایک نوٹ دیا گیا جس میں اس کو مانٹینگرو سے پرخاش کرنے کا الزام دیا گیا تھا جو خود کی بالکل فکر نہ کر کے ارنا وطنی پناہ گزینوں کے لئے خورونوش کی فکر کر رہا تھا۔ اس نوٹ اور مضمون کا ترکی میں بہت اثر ہوا۔ شوکت پاشا کو لڑائی موقوف کرنے کا حکم ملا اور استامبولی اخبارات میں سرکاری مراسلت شایع ہوئی جس میں بتایا گیا تھا کہ مالیسوریوں کی بغاوت بالکل فرو کر دی گئی اور مرد یتیوں نے اطاعت قبول کی۔ یہ بغاوت بغاوت نہ تھی بلکہ چند سو بدمعاشوں کی معمولی سرکشی تھی جن کے پاس ہتھیار تک نہ تھے۔ اب جنگ کا تو کوئی ذکر نہیں رہا جن باغیوں نے اب تک اپنے ہتھیار نہیں دیے ہیں وہ ایک وقت معینہ میں جس کا تعین مجلس وزرا کی طرف سے ہوگا اپنے ہتھیار دیدیں اور حکومت کی وفاداری کا حلف اٹھائیں۔ اس صورت میں ان کی خطاؤں سے درگزر کیا جائے گا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ترکی اخبارات اور سرکاری تحریرات "رحم" اور "امان" کو غلط طریقے پر استعمال کر رہی تھیں گو عملی طور پر انھیں ہر دو کا فرق بخوبی معلوم ہوتا تھا۔ نیز یہ بھی اعلان کیا گیا کہ سلطان دس ہزار ترکی پونڈ نقصانات کی تلافی میں عطا کرے گا۔ اس رقم سے کیا ہو سکتا تھا۔

مانٹینگرو میں ترکی وزیر صدرالدین بے کی گفت و شنید کے بعد ۲۳ جون کو البانی سرداروں کا ایک جلسہ غرچے میں ہوا جس میں انھوں نے ایک یادداشت اپنی شکایات[1] ۔ اور

[1] ۔ باوجود زمانۂ قدیم سے سلطان کی وفادار رعایا ہونے کے اور باوجود ان عنایات کے جو معزول سلطان

مطالبات کی روانہ کی جن کا خلاصہ حسب ذیل تھا۔ ولایات البانیا کے تنفیذی محکمے کا قیام۔

بقیہ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ:۔ کی طرف سے ہم پر تھیں ہم نے شخصی حکومت کے خلاف بغاوت کرنے میں ذرا بھی پس و پیش نہ کیا جو سلطنت کو تباہ اور رعایا کو تہس نہس کرتی ہے۔ جب ہمارے برادران کوسوو نے فریزووک میں جلسہ اور رعایا کی طرف سے مطلق العنان سلطان کی بیدخلی کا اعلان کیا تو ہم نے بھی دستور کا مسرت کے ساتھ خیر مقدم کیا جو آزادی اور مساوات کی تعلیم دیتا ہے۔ اس نئے دور کے افتتاح کے بعد ہمیں امید تھی کہ تخت سلطانی کو استحکام حاصل ہو گا کہ یہی تمام اقوام کے اتحاد کا ذریعہ ہے۔ سلطنت کی بنیاد استوار و مضبوط ہو گی۔ تمام عثمانیوں کے انفرادی حقوق بالعموم تسلیم کئے جائیں گے اور اس کے ساتھ ان اقوام اور جماعتوں کے حقوق اور اختیارات کو بھی تسلیم کیا جائے گا جن کا فرامین اور خود دستور سے اعتراف کیا گیا ہے۔ آزادئ ضمیر و مذہب اور مذہبی اعتقادات و رسوم کا احترام کیا جائے گا۔ اور نظم و نسق اور مالیہ میں اصلاح ہو گی لیکن بدقسمتی سے ہماری اور ہمارے ساتھ تمام عثمانی رعایا کی امیدیں دھوکے کا شکار ہوئیں۔ سلطانی اقتدار گھٹا دیا گیا اور اس کی سطوت و شوکت کم کر دی گئی مجالس ملکی اور نظم و نسق مملکت ایک ایسی غیر معروف جماعت کے ہاتھ میں ہے جو اپنے کو ملک کی نجات دلانے والی اور مخلص ظاہر کر کے ایک پوشیدہ اور غیر ذمہ دار حکومت کے بل پر مختلف مظالم برپا کر رہی ہے۔ وہ اپنے تصور اور وسوسے کو عالم وجود میں عملی حیثیت سے لانا چاہتی ہے اور یہ ایسا تصور اور وسوسہ ہے جس کی سابق میں نظیر نہیں ملتی۔ اپنے اس انوکھے تخیل کے مطابق مختلف اقوام کو ایک قوم بنانے کے لئے وہ انفرادی اور قومیت کے مقدس حقوق کو پامال کر رہی ہے۔ ہم البانی جنھوں نے دستوری حکومت کو سب سے پہلے لبیک کہا اور اس کی سب سے بڑھ کر اشاعت کی سب سے پہلے اس عجیب پالیسی کا شکار ہوئے۔ جاوید پاشا نے کئی دستوں کے ساتھ پہلے البانیہ پر حملہ کیا اور علاقۂ لوما میں رہزنی کا انسداد کرنے کے بہانے سے کئی مکانات، قلعے اور قریے تباہ کئے اور کئی بوڑھوں اور بے گناہ بچوں کو جلا دیا۔ تمام البانیوں کو اس سے سخت صدمہ ہوا اور وہ بھڑک اٹھے۔ مظلوموں کی کچھ دادرسی نہ کی گئی۔ ہمارے نمائندوں نے تحقیقات اور مجرموں کو سزا دینے کا مطالبہ کیا۔ حکام جمہوری نے انصاف کرنے کی بجائے ایسے نامعقول انتظامات کئے جن سے البانیوں کی دلآزاری اور انھیں تنگ کرنا مقصود تھا اور ان کو سخت سزائیں دے کے ان کی انتقامی آگ کو روشن کیا۔ پشتینہ کے مزارعین پر بغیر پارلیمنٹ کی رائے کے پیداوار کے لحاظ سے ٹکس لگا دیا گیا ان مزارعین نے

البانیوں کا سرکاری خدمات پر تقرر۔ قومی لباس اور قدیم حقوق کی حفاظت خود مختاری مدارس جہاں البانی زبان اور لاطینی حروف ابجد میں تعلیم دی جائے گی۔ عدم مرکزیت نظم و نسق میونسپل خود مختاری۔ مالیہ کے خرچ کا مقامی انتظام۔ زائد مالگزاری سے مختلف معاشی اصلاحات البانیا میں استفادہ۔ یہ یاد رہے کہ پارلیمنٹ میں جتنے

بقیہ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ:۔ پارلیمنٹ سے اپنا انصاف چاہا مگر پارلیمنٹ کے نمایندے مجبور تھے کیونکہ وہ دارالخلافت کے فوجی قانون میں جکڑے ہوئے تھے اور آزادی رائے کا انھیں کوئی اختیار نہ تھا۔ انھوں نے خفیہ کمیٹی کی اس تجویز سے اختلاف نہ کیا۔

ایک بڑی فوج شوکت طرغود پاشا کی سرکردگی میں کوسووو پر بھیجی گئی۔ بظاہر تو یہ فوج اس وجہ سے آئی تھی کہ اصلاحات عمل میں لانے کے لئے راستہ صاف کرے لیکن دراصل اس کے آنے کا مقصد ان لوگوں کو سزا دینا تھا جنھوں نے پوشیدہ حکومت کے نمایندوں سے اختلاف کرنے کی جرأت کی تھی اور نمائندگان رعایا کو اپنا واسطۂ کار بنایا تھا۔ جو کچھ اس مہم کے افسوس ناک نتائج نکلے وہ ظاہر ہیں۔ ایک سرسبز و خوشحال ملک تباہ کر دیا گیا۔ کئی دیہات اور قلعے ویران اور کئی بے گناہ قتل کر دیے گئے۔ مشہور خاندانوں اور اکثر باشندوں کو سزائیں دی گئیں اور انھیں جلاوطن کیا گیا۔ اور البانی مدارس بند کر دیے گئے جن اصلاحات کے لئے کابینہ نے اس قدر ہنگامہ کیا تھا ان کا مطلقاً خیال نہ کر کے شفقت طرغود پاشا اپنی فوج کے ساتھ البانیا سے فاتحانہ طور پر ولایت سقوطری روانہ ہوا۔ ہمارے کوسووو کے بھائیوں کے افسوسناک واقعات اور اس مہم کے اصل مقصد کا انکشاف ہونے کے باوجود ہم نے حسن ظن اور سادہ لوحی سے دستوری اصلاحات کو سچ سمجھا اور یہ یقین کر لیا کہ ایک سپہ سالار کے ورود کی بدولت ہماری سی وفادار رعایا کی بہبودی ہوگی ہم نے اس کی مزاحمت نہیں کی۔ اور اس نئے دور پر مزید اطمینان ظاہر کرنے کے لئے ہم نے بڑی سے بڑی قربانیوں کو بھی گوارا کر لیا۔ ہم اس باضابطہ شرط پر اپنے ہتھیار ڈال دینے پر رضامند ہو گئے کہ ہمارے احتیاجات اور قدیم رسم و رواج کا لحاظ کر کے ہمارے ملک کا بہتر سے بہتر انتظام کیا جائے گا۔ اس قدر انقیاد کے بعد بھی ہمارے ساتھ ایسا غیر شریفانہ سلوک کیا گیا جس کا اعادہ ہماری خودداری اور نخوت قومی کی وجہ سے نہیں کیا جا سکتا۔

البانی نمایندے تھے وہ سب مسلمان تھے اور ولایت سقودرہ کے تین لاکھ کاثولیوں کو کمیٹی کے حکم سے رائے دینے کا حق نہ تھا۔ اس یادداشت کو روانہ کرنے کے تین دن بعد ۲۶ جون کو فریزووک میں البانی نمایندوں کا اجلاس ہوا نمایندہ اسقب حسن بے کی صدارت میں ہوا جو کمیٹی کا شدید مخالف تھا۔ یہ طے ہوا کہ ایک یادداشت حکومت کو روانہ کی جائے جس میں حسب ذیل مطالبات ہوں:۔ البانیوں کو حسب دستور اسلحہ رکھنے کی اجازت۔ ان نئے محاصل سے معافی جو ان کے دیرینہ حقوق کا لحاظ نہ کرکے جن کا سلاطین نے مراد اول کے وقت سے اعتراف کیا تھا عائد کئے گئے تھے۔ البانی سپاہیوں کو البانیا میں فوجی خدمت بجالانے کا اختیار۔

اس یادداشت کو مرتب کرنے کا کام نجیب بے دراغا کو ہوا جو نمایندۂ متروونزا اور اسی نام کے جاگیرداری خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔

اس طرح سے اصل مطالبات پر مسلمان اور کاثولی البانی متفق تھے۔ اب رہے وہ مطالبات جو کاثولی سرداروں کے مجوزہ تھے اگر مسلمان سرداروں کے پروگرام میں ان کا ذکر نہ تھا تو اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ انھیں مسلمانوں نے نامنظور کیا تھا بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ مدارس، لاطینی حروف ابجد، میونسپل خوداختیاری، عدم مرکزیت نظم ونسق کے متعلق البانی نمایندوں نے پارلیمنٹ میں بہت زور کے ساتھ مطالبہ کیا تھا۔

حکومت نے بالآخر حسب ذیل تجاویز منظور کئے۔ باغیوں کو معافی۔ فوجی خدمت کے لئے دو سال سقودرہ اور ایک سال قسطنطنیہ میں تعیناتی۔ مدیر کی خدمت پر تقرر مجلس میں ان اشخاص کے انتخابات جو البانی جانتے تھے۔ محصول مویشی ایک بکرے کو ایک قرش کے حساب سے۔ گڈریوں اور جنگل کے چوکیداروں کو ہتھیار رکھنے کی اجازت لیکن وہ شہروں اور کھیتوں میں انھیں نہیں رکھ سکتے تھے۔ سات ضلعوں میں مدارس تحتانیہ کا گورنمنٹ کی طرف سے افتتاح اور ان کے مصارف کی ذمہ داری۔ شاہراہوں کی تعمیر۔ مرمت مکانات جو بغاوت میں تباہ کردیے گئے تھے۔ ملیسوریوں میں دس ہزار ترکی پونڈ کی تقسیم بطور امداد کی جائے گی جس کا عمل سلطان کے

سفر البانیا کے بعد ہوگا۔ ہر ملیسوری کو روزانہ ایک ترکی پونڈ اور آدھا کلو گرام (آدھ سیر چار تولے) باجرا۔

جنگ سے تنگ آکے مانٹینگرو کے پناہ گزینوں نے ان تجاویز کی منظوری پر ہی اکتفا کی اور ترکی میں واپس آئے۔ باغی جماعتوں کو جو ابھی تک دریائے زم کے سواحل اور سلجے پہاڑ کی چوٹیوں پر مقابلے پر اڑی ہوئی تھیں جب مانٹینگرو میں فرار ہونے کا موقع باقی نہ رہا تو انھوں نے بھی ہتھیار ڈال دیے۔ ملیسوریوں کی بغاوت ختم ہونے کے بعد اضلاع جاکووا، آپٹک، وپرزرند کی جنگجو ٹولیاں بھی منتشر ہوگئیں۔

جماعت اتحاد و ترقی کی تفریق پارلیمنٹ اور حکومت کی بے بسی تیسرے اجلاس کا خاتمہ مسئلۂ عرب

مجلس وزرا کمیٹی کی نمائندگی کی وجہ سے برسر حکومت تھی اور اس لئے اس کا کوئی خاص دستور العمل نہ تھا۔ پارلیمنٹ میں کئی پارٹیاں ہوگئی تھیں۔ اور قابل اطمینان کثرت رائے مفقود تھی جس پر کابینہ کو بھروسا ہو سکتا۔ کمیٹی "اتحاد و ترقی" کے دو حصے ہو گئے تھے۔ ایک جانب اتحادی (یونیانست) تھے جو اپنے پہلے دستور العمل پر ثابت قدم اور کمیٹی کے وفادار تھے۔ دوسری جانب مجیدی طبقہ تھا جو آپ کو استبدادی کہتا اور شخصی حکومت کا طرفدار تھا۔ شروع میں جماعت اتحاد و ترقی میں جتنے آدمی تھے وہ کمیٹی کے طرفدار تھے لیکن جب دستور کا بول بالا ہوا تو ہر شخص اتحادی بننے کا خواہشمند ہوا کیونکہ دور جدید کا طغرائے امتیاز اتحاد و برادری اقوام ملک تھا۔ جو لوگ متعصب اور دستور کے مخالف تھے وہ بظاہر سخت حریت پسند ہو گئے۔ جب تک کہ فوج کمیٹی کی وفادار رہی وہ خاموش رہے۔ اور مثل وفا شعار غلاموں کے کمیٹی کے فیصلوں کی تائید کرتے رہے لیکن وہ

کمیٹی کے اقتدار گھٹنے کے منتظر تھے۔ مشرق میں جو کچھ ہے مذہب ہی ہے اس لئے ایک پوشیدہ جنگ کمیٹی کی مخالفت میں دیونمیوں اور فری مشنوں کے زیر اثر شروع ہو گئی تھی دیونمی ان لوگوں کو کہتے ہیں جو شبتائی کے مریدین کی اولاد ہیں۔ شبتائی نے اٹھارھویں صدی عیسوی میں عیسیٰ ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ اور پھر سزا سے بچنے کے لئے وہ اور اس کے مریدین مسلمان ہو گئے۔ جاوید بے وزیر مالیات دیونمی اور خاص شبتائی کی اولاد تھا۔ طلعت بے حسین جاہد بے ناظم بے اور خود شیخ الاسلام فری مشن تھے۔ "اتحاد و ترقی" میں کمیٹی کا اثر زائل ہو رہا تھا۔ ادھر اخبارات سالونیکا و مونستر میں ملک کے ان باغیوں کے خلاف جو کمیٹی کی مخالفت کر رہے تھے جو مضامین شائع ہو رہے تھے وہ ایسے نہ تھے جن سے کمیٹی سے اختلاف رکھنے والے کمیٹی کے طرفدار ہو جاتے یا آپس کی نااتفاقیوں کا ازالہ ہوتا۔ ساتھ ہی کمیٹی کے خلاف فوج میں پوشیدہ طور پر تحریک ہو رہی تھی۔ کئی افسر جن میں کرنل صادق بے نائب ناظم رسالہ سربرآوردگی کے لحاظ سے قابل ذکر ہے نئے استبدادیوں کی طرف ہو گئے۔ صادق بے سالونیکا کو جلاوطن کر دیا گیا لیکن اس کی قائم کردہ فوجی لیگ میں رنگروٹ بھرتی ہو رہے تھے۔

کمیٹی نے دیکھا کہ مرکزی حکومت ہی ترکی کی نجات کا واحد ذریعہ ہو سکتی ہے خود مختاری اور جمہوری عدم مرکزیت کے حامی ہونے کی وجہ سے کمیٹی سے علیحدہ ہو گئے تھے اعتدال پسند احرار (قدیم اصرار کا نیا نام) بظاہر تو عدم مرکزیت کے طرفدار تھے لیکن دراصل نو استبدادیوں سے بھی زیادہ شخصی حکومت کے حامی تھے۔ ان مخالف، متضاد، اور منتشر جماعتوں پر نظر کرتے ہوئے ایسی غالب جماعت کا وجود ناممکن تھا جو مجلس وزارت کو سنبھالتی۔ بہت سے نمائندے ایسے تھے جن کی رائے اپنے اصول کے ماتحت نہ ہوتی تھی بلکہ مخفی یا علانیہ ذاتی عناد ذاتی اغراض، اور اپنی ناکامیوں کی بنا پر ہوتی تھی۔ آپس کی چوٹیں حریفانہ مقابلے، اور بلند حوصلے ان کے سوا تھے۔ ایک ابتری تھی کہ پارلیمنٹ پر چھائی ہوئی تھی۔ لایعنی مباحثوں میں وقت بیکار جاتا تھا۔ تھوڑا بھی کام ہوتا تو

اس میں بھی تو تو میں میں ہوتی تھی۔ اہانت کے الفاظ لاطینی سے بھی زیادہ ترکی میں موجود ہیں اور یہ سب استعمال ہوتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ بغیر مونطات کے جس کے لئے لہباجی (بے قاعدہ توپچی) اور بالک جی (ماہی فروش) مشہور تھے مباحثہ نہیں کر سکتے تھے۔ ۱۰ر مئی کے اجلاس میں آثار ایسے تھے جن سے پایا جاتا تھا کہ عربوں اور ترکوں میں پستول چل جائے گا۔ اگر نمایندوں کا مطلب ایسے جھگڑوں سے پارلیمنٹی اصول بدنام کرنا تھا تو اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا تھا۔ تقریباً ہر روز پارلیمنٹ کا اجلاس ناکافی تعداد کی وجہ سے ملتوی ہوتا تھا جملہ پونے تین سو ارکان میں سے ایک سو اسی سے زیادہ کبھی پارلیمنٹ میں نظر نہ آئے۔ باقی اپنے گھروں میں سکون و اطمینان سے رہتے تھے یا چہل قدمی کرتے پھرتے تھے۔ اب جو پارلیمنٹ میں آتے تھے ان میں سے بھی اکثر رائے کے وقت چپ چاپ نکل جاتے تھے تاکہ کابینہ کے خلاف رائے دے کے اپنے کو خطرے میں نہ ڈالیں ایسے بھی اجلاس ہوئے جن میں تیس سے بھی کم ارکان شریک ہوئے تھے۔ مخالفین دستور نے اس بے پروائی، بدعملی اور بدمعاشی سے فائدہ اٹھا کے پارلیمنٹی طریقے کو جو بدنام ہو چکا تھا اور بھی بدنام کیا۔

صدر اعظم بالکل سفیہ تھا۔ ہر دم طمانیتی ووٹ کے لئے مجبور کرتا لیکن ذمہ داری سر پر لینے سے ڈرتا تھا۔ اس پر بھی مجلس وزارت میں اتفاق و اتحاد نہ تھا۔ طلعت بے کے بعد امر اللہ وزیر تعلیمات، اور حلاجین وزیر تعمیرات مستعفی ہوئے۔ امر اللہ کی جگہ اسماعیل حقی بے بابن زادے رکن کمیٹی کا تقرر ہوا۔ تعمیرات کے لئے کوئی شخص دستیاب نہ ہوا تو خود حقی بے نے عارضی طور پر اس کا بھی جائزہ لے لیا۔ ۳ر مئی کو جاوید بے نے استعفا دیا۔ اس کی جگہ پر نائل بے رکن سنیٹ مامور ہوا۔ اس کے بعد اسماعیل حقی بے بابن زادے نے استعفا دیا۔ اس کی جگہ پر عبدالرحمن رکن سنیٹ و سابق ناظم غلطہ سرائے کالج مقرر ہوا۔ اس اثنا میں تعطیلات آگئیں۔ ۴ر جون ساڑھے چار بجے صبح کے ارباب مجلس قانون کی پہلی نشست (سشن) ختم ہوئی۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ نشست ۳ر جون کو ہی ختم

ہو چکی تھی۔ اس لحاظ سے بارہ بجے رات کے بعد سے پارلیمنٹ کا اجلاس جاری نہیں رہ سکتا تھا اور یہ عمل پارلیمنٹ کا خلاف ضابطہ تھا۔ پارلیمنٹ کا اجلاس اب بھی ملتوی نہ ہوتا لیکن مجلس اعیان اور اس میں جھگڑا ہو جانے سے ارکان مجلس اعیان کو یاد آیا کہ پارلیمنٹ کو بارہ بجے رات ہی برخاست ہو جانا چاہئے تھا چنانچہ پارلیمنٹ برخاست کرنے کے لئے معزز ممبروں سے درخواست کی گئی۔ پارلیمنٹ کے اس سشن میں کوئی ایسا کام نہ ہوا جس پر نمایندے فخر کر سکتے تھے۔ سوائے موازنے کے کام کے تمام وقت بیکار سوالات، ذاتی جھگڑوں اور کج بحثیوں میں صرف کیا گیا تھا۔ ضابطۂ دیوانی کی مزید دفعات اور قانون معاونت صنعت و زراعت کو چھوڑ دیا جائے تو پارلیمنٹ نے ایک ضروری اور اہم تجویز پر بحث اور رائے زنی نہیں کی یہ بات نہ تھی کہ نمایندے کام کرنا نہیں چاہتے تھے بلکہ بات یہ تھی کہ انھیں کام کرنا آتا نہ تھا اور اپنے عجب میں جس کی کوئی انتہا نہ تھی جو کوئی انھیں سکھانے کی کوشش کرتا اس پر بگڑ بیٹھتے تھے۔ عثمانی پارلیمنٹ کو آتا یہی تھا کہ ہر چیز کو موازنے میں شریک کیا جائے اور قوانین مالیہ میں ترمیمات کرے۔ یہ ترمیمات ان اہم قوانین سابقہ کے خلاف ہوتی تھیں جو منسوخ نہیں ہوتے تھے۔ اس طرح سے قانون کی ابتری اور پارلیمنٹ میں بدنظمی کا دور دورہ تھا۔ اس کی وضاحت وزیر عدالت کے موازنے کی بحث سے ہوتی ہے۔ وزیر عدالت نے عدالتی تنظیم کے بارے میں پارلیمنٹ سے رقوم منظور کرنے کی درخواست کی تھی۔ پارلیمنٹ نے نہ تو اس تنظیم کو ہی سمجھا اور نہ ان رقوم کے خرچ پر جو شرائط عائد کئے جاتے ان پر غور کیا۔ اس طور سے ہر امر میں مداخلت کی جاتی تھی اور ہر چیز کے لئے موازنہ پیش کیا جاتا تھا چنانچہ اسی موازنے کی ہی وجہ سے مجلس اعیان اور پارلیمنٹ میں چل گئی جس کے سبب اجلاس وقت مقررہ پر ختم نہ ہو سکا۔ جس مسئلے کو پارلیمنٹ نے اپنی دانست میں حل کیا تھا وہ یمن کے متعلق تھا۔ اس میں بھی پارلیمنٹ نے قابل فخر کام نہیں کیا کیونکہ جس مجوزہ قانون کو اس نے منظور کیا تھا اس کی رو سے عرب کے اس علاقے پر عثمانی تسلط کا ہونا نہ ہونا یکساں تھا۔ بات تو یہ تھی کہ ارکان پارلیمنٹ عثمانیت اور اسلامیت کے نظریے میں اندھے

ہو رہے تھے اور مسئلۂ عرب کی اہمیت سے مطلق خبردار نہ تھے۔ عبدالحمید کی اپنے عہد حکومت میں یہی کوشش رہی کہ کسی نہ کسی طریقے سے عثمانی سیادت کو مسلمانوں میں تسلیم کرایا جائے اور ملک عرب پر جو حق بزور شمشیر حاصل ہوا تھا اسے مذہبی حق میں مبدل کیا جائے۔ یہی نہیں بلکہ شاہ قسطنطنیہ کی عظمت تمام مسلمان بادشاہوں کے دلوں میں جاگزیں کرنے کے لیے اس نے خلافت کو سلطنت پر ہمیشہ ترجیح دینے کی کوشش کی تاکہ وہ اس کی اطاعت کا دم بھریں اور اسے اپنا خلیفہ مانیں۔ ان حالات کے سبب عربستان کی صورت حال بہت خطرناک ہو گئی تھی۔ دستوری حکومت کو اس گتھی کے سلجھانے میں سخت مصائب کا سامنا کرنا پڑتا لیکن اگر وہ ان سے بچ گئی تو اس کی وجہ دور حمیدی کی سیاست نہ تھی یہ نہایت ضروری تھا کہ عرب کے علاقہ ہائے حجاز و یمن ترکوں کے ہی تسلط میں رہیں ورنہ خلافت کا زور ٹوٹ جاتا اور عرب پر عثمانی سیادت اگر بالکل باقی نہ رہتی تو معرض خطر میں ضرور ہی پڑ جاتی۔

حجاز میں مقامات مقدسہ مکّہ اور مدینہ ہیں جہاں ہر سال تمام دنیا کے مسلمان جمع ہوتے ہیں۔ حج ایک ایسا مذہبی فریضہ ہے جس سے تمام مسلمانان عالم ایک کڑی میں متحد ہوتے ہیں مکّے اور مدینے پر ترکی کی ایک دشمن یا حریف سلطنت کا قبضہ ہو جانے یا حج سے مسلمانوں کو روک دینے یا خلافت پھر عربوں کو مل جانے کی صورت میں سلطان خلیفۃ المسلمین کی بجائے صرف سلطان روم ہی رہتا۔ یمن ترکوں کے لئے اس قدر ضروری نہ تھا جس قدر حجاز۔ یہ اگر سولھویں صدی کے نصف آخر میں فتح نہ بھی کیا جاتا تو کچھ ہرج نہ تھا لیکن اب جبکہ ترکوں کا اس پر قبضہ ہو گیا تھا گو یہ قبضہ برائے نام ہی سہی ترکوں کے تسلط سے اس کا نکل جانا حجاز اور مقامات مقدسہ کے لئے خطرے کا باعث ہوتا۔ اور یہ خطرہ زیادہ تر اس وجہ سے بھی تھا کہ قبائل حجاز ترکوں کے ویسی ہی مخالف تھے جیسے اہل یمن گو اہل یمن کی مانند انھوں نے وقتاً فوقتاً بغاوت نہیں کی بدوی قبائل کے تمام سردار عرب کے اعلیٰ خاندان سے ہیں جن کا سلسلۂ نسب زمانۂ جاہلیت (جاہلیت) کے عربوں سے ملتا ہے۔ اکثر خاندان ہاشم کی اولاد سے ہیں۔ اور یہ خاندان ہاشم

خود پیغمبر اسلام کا خاندان ہے۔ اور بعض خاندان اوقیذر کی اولاد ہیں۔ یہ خاندان مکے کے قدیم شریفوں کا خاندان ہے اور اس میں کے بعض افراد شاہان یمن بھی گزرے ہیں۔ ان میں کا ہر ایک سلطان قسطنطنیہ سے بڑھ کر آپ کو خلافت کا مستحق سمجھتا ہے لیکن جب تک کہ ترکوں کا عمل دخل حجاز میں ہے وہ مجبور ہیں۔ اسی دعوے کی بنا پر بیت المال میں ان کا حصہ ہوتا ہے۔ اور اگر حکومت عثمانیہ انھیں سڑکوں کی حفاظت کے لئے ایک سالانہ رقم کڑوڑ گیری کے طور پر نہ دے تو وہ کاروانوں کو لوٹ لیں۔ سنہ ۱۹۰۹ء میں حجاج کا قافلہ ایسا ہی لوٹا گیا۔

اب تک حجاز اسی سلطنت کے زیر اثر رہا جس کے زیر اثر مصر رہا۔ حجاز کی حالت مصر کے صوبے کی سی تھی۔ جس شخص کی قاہرہ پر حکومت رہی وہ مکے اور مدینے کا بھی فرمانروا رہا۔ صحرائے شام اور صحرائے عرب کے راستے میں طرح طرح کی دشواریاں تھیں اس لیے مصر سے ہی عرب پر فوجیں روانہ ہوتی تھیں۔ گزشتہ صدی کے اوائل میں جب وہابیوں نے مقامات مقدسہ پر قبضہ کیا تو والیان دمشق، بصرہ و بغداد کی کوششیں ان شہروں کو واپس لینے کی بالکل ناکام رہیں۔ وہابیوں کو شکست دینے کے لئے محمد علی اور اہل مصر کی مداخلت ضروری تھی لیکن خدیو مصر بجائے اس کے کہ مقامات مقدسہ ترکوں کو واپس کرتا خود ان پر قابض ہو گیا چنانچہ سنہ ۱۸۴۰ء تک اسی کا ہی قبضہ رہا۔ سنہ ۱۸۴۰ء میں اتحاد اربعہ کی وجہ سے اس نے سلیشیا، شام، اکریت اور حجاز سلطان کو واپس دے دیے۔ نہر سویز کھل جانے کے بعد ترکوں کے لئے مصر کے راستے سے فوجیں بھیجنے کی ضرورت باقی نہ رہی۔ پہلے یہ ہوتا تھا کہ اسکندریہ پر فوجیں اترتیں اور بندرگاہ قسیر واقع بحیرۂ احمر سے جدہ یا حدیدہ پر جیسی ضرورت ہوتی روانہ ہوتیں اور حجاز اور یمن پر حملہ کرتیں۔ بجائے اس کے وہ اب راست منزل مقصود کو روانہ ہوتی تھیں۔ نہر سویز کی آسانیاں اگر نہ ہوتیں تو حجاز و یمن سے حکومت عثمانیہ کا قبضہ کئی سال قبل ہی اٹھ گیا ہوتا۔ بہرحال حجاز کو مصر سے بہت قریبی تعلق ہے اور کچھ بعید نہیں کہ ایک وقت یہ تعلق ایسا زبردست ثابت ہو جس سے مقامات مقدسہ اسی کے قبضے میں رہیں جس کے قبضے میں سلطنت مصر رہے۔ آج کل انگریزوں کا مطمح نظر بھی یہی ہے۔ وہ عربستان کو اپنے قبضے میں لینا نہیں چاہتے۔

اس کے لیئے کثیر فوج اور کثیر رقم کی ضرورت ہے۔ نیز بہت کچھ سیاسی مرحلے بھی اس کے سوا حائل ہیں۔ ان کی کوشش اس بات پر ہے کہ ترکوں کو نکال دے کر ان کی جگہ عرب سرداروں کو مسند نشین اور عربوں میں خلافت کو منتقل کریں جو برائے نام خود مختار لیکن درحقیقت برطانیۂ عظمیٰ کے زیر اثر رہیں گے۔ وہ اپنی مطلب برآری کے لیے عربوں کی اس نفرت سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں جو انھیں ترکوں کی طرف سے ہے۔

پیغمبر اسلام کی فتح عربستان کے بعد شرفائے مکہ نے جو پیغمبر کی اولاد میں سے تھے رفتہ رفتہ تمام حجاز پر اپنی حکومت قائم کر لی اور ایک سلطنت کی بنا ڈالی جو مملوک سلاطین قاہرہ کی باجگزار تھی۔ سلیم اول نے مصر فتح کیا تو مکے اور مدینے پر بھی اس کا قبضہ ہو گیا اور اس طرح اس نے بزور شمشیر خلیفہ کا لقب اپنے لیئے اختیار کر لیا۔ سلیم بدمست کے عہد میں ترک یمن میں آئے اور عربوں پر ظلم کی ابتدا ہوئی۔ سلاطین ترکی کی عنایتوں اور حرم سرا کی سازشوں سے عربستان کی خدمت بر لی بے پر خواجہ سراؤں، دربانوں اور ملاحوں وغیرہ کے تقررات ہوتے تھے جو قبائل عرب کو لوٹتے اور ان کے سرداروں کو تہ خانوں میں سڑنے کے لیئے بھیجتے یا کوڑوں سے ہی مار مار کر ان کا خاتمہ کر دیتے تھے۔ خاندان پیغمبری سے عہدۂ شریف چھین لیا گیا۔ سلطان اپنے حاشیے کے لوگوں میں سے کسی ایک کو حاکم مقامات مقدسہ بنا دیتا۔ شریف مکہ کی حیثیت ایک معمولی درجے کے عثمانی عہدہ دار کی سی تھی جو اپنے آقا کی مرضی پر معزول کر دیا جاتا تھا۔

ترکوں کی حکومت عربستان میں نہایت بدنظمی پر مبنی تھی۔ حجاز و یمن میں یکے بعد دیگرے جتنے حاکم آتے انھیں دولت جمع کرنے کے سوا دوسرا کام نہ رہتا۔ انھیں حکام قسطنطنیہ نے ملک پر محاصل کا اضافہ کیا تھا جنھیں اعلیٰ و ادنیٰ تمام افسر خود ہی ہضم کر جاتے تھے۔ والیوں کی ظلم و زیادتی سے جو ان کے خزانے اور حرم کو معمور کرنے کی کوشش میں ظاہر ہوتی تھی عرب نہایت تنگ آ گئے تھے۔ چنانچہ ان کی حالت تنگ آمد بہ جنگ آمد کے مصداق تھی۔

عربستان ترکوں کی جلاوطنی کا مقام تھا عثمانی افسروں کے خیال سے دیکھا جائے تو ان کی یہ جلاوطنی عزت کی جلاوطنی تھی۔ عبدالعزیز اور عبدالحمید کے

عہدِ حکومت وہ تمام عہدہ دار یہیں بھیجے جاتے تھے جن پر نوجوان ترکوں کی جماعت سے سازباز رکھنے کا شبہہ ہوتا تھا۔ اور جن کی اولوالعزمی اور دانائی سے کھٹکا رہتا تھا جو سولین افسر معتوب ہو کے یمن یا حجاز کو بھیجے جاتے تھے ان کی دُھن یہی ہوتی تھی کہ جلد پیسہ جمع کر کے سلطان کے کسی مقرب کو رشوت دیں اور اس طریقے سے اس کی سرپرستی حاصل کر کے عربستان سے کہیں دوسری جگہ منتقل ہو جائیں یا قسطنطنیہ ہی چلے جائیں اور پھر واپس آنے کا نام نہ لیں۔ یہی سبب تھا کہ والی سے لے کے چھوٹے سے چھوٹے مدیر تک سب زیادہ ستاں تھے۔ اور آئے دن ان کی یہی کوشش رہتی تھی کہ کسی حیلے اور کسی تدبیر سے بھی رقم وصول کریں۔ اگر قبائل ان بے ضابطہ محاصل کے خلاف احتجاج کرتے تو والی فوراً قسطنطنیہ کو تار دے دیتا عرب باغی ہو گئے ہیں اور ان کی بغاوت کا استیصال ضروری ہے۔ محلسرائے سلطانی سے جواب میں فوجی افسر کو ان قبائل کی سرکوبی کے لئے حکم دیا جاتا۔ اس صورت میں اگر قبائل اس رقم کی سبیل نہ کرتے جو والی انھیں دینے کہتا تو ان پر حملہ اور وہ بالکل تباہ کر دیے جاتے۔

۱۸۷۷ء اور ۱۸۷۸ء کی جنگ میں ترکوں کو اپنی تمام فوجیں دریائے طونہ اور آرمینیا میں مجتمع کرنی پڑی تھیں چنانچہ عربستان کی تقریباً تمام فوج بھی اسی طرف آ گئی تھی اسی زمانے سے اشور اور یمن میں بغاوتوں کا آغاز ہوا۔ سلطنت کے بیرونی جھگڑوں، صوبجات کی بغاوتوں، اور خزانے کی بے مایگی سے ترک عربستان کو کافی فوج نہیں بھیج سکتے تھے۔ جب کبھی بغاوت ہوتی باغی سرغنہ اپنے خلیفہ ہونے کا اعلان کرتا تھا جیسا کہ امیر نصی (Nussi) نے اشور میں اور شریف نجد الدین نے یمن میں کیا تھا لیکن ان علاقوں کے مسلمان پکے مسلمان نہ تھے اور سنی انھیں اسی نظر سے دیکھتے تھے جس نظر سے کہ وہ نجدی وہابیوں کو دیکھتے تھے اس لئے دنیائے اسلام میں انھیں معاونین نہ مل سکے۔

اسی خیال کو ملحوظ رکھ کر جولائی ۱۸۹۹ء میں انگریزوں نے شریف مکہ انور رفیق پاشا سے خط و کتابت کی اور عبد الحمید کے مقابلے میں ایک ایسے شخص کو خلافت کے لئے انتخاب کرنا چاہا جو نہ صرف سچا اور راسخ الاعتقاد مسلمان اور

الحاد سے بری ہو بلکہ خلافت قاہرہ کے پانچ صدی کے مٹے ہوئے نشانات کو بھی اپنے امیر المومنین ہونے کے دعوے سے تازہ کرے۔ انگریزی قونصل جدہ نے اس بارے میں شریف کو لکھا تھا کہ "آج افریقہ میں چار روشن خیال شہزادے جن کے اجداد اشور کے علاقۂ زائلہ میں فرمانروا گزرے بالکل فلاکت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ حکومت انگریزی ان میں سے کسی ایک کو خلیفہ بنانے پر راضی ہے۔ اگر آپ اس رائے سے متفق ہیں تو ہمیں اس کی تعمیل میں کوئی دشواری نہیں۔ آپ چونکہ اولاد پیغمبر سے اور مسلمانوں کے زبردست مادی و ملجا ہیں اس لئے یہ ضروری ہے کہ جس روز ملکۂ انگلستان اس جدید خلیفہ کو تسلیم کرے اس روز آپ بھی ایک فتویٰ اس خلیفہ کی توثیق کا شائع کریں۔ حکومت برطانیہ اس امر کا ذمہ لیتی ہے کہ وہ مالگزاری خلافت کی ایک بڑی رقم آپ کی اور اس خلیفہ کی اولاد کے لئے مقرر کر دے گی؛ بلاد مکہ و مدینہ اور ان کے علاقے پر خود مختار رہیں گے۔ اگر اس منصوبے کی تعمیل میں ترکی یا اور کوئی سلطنت مداخلت کرے گی تو حکومت انگریزی اس کی بزور یا تدبیر جیسی کچھ صورت ہو مخالفت کرے گی۔"

انور رفیق مستعد اور حوصلہ مند تھا اور مثل اپنے پیشرو اور قرابتدار عبد المطلب کے شرافت مکہ و مدینہ کو اپنے خاندان کے لئے مختص و موروث اور اپنے آباو اجداد کی دنیاوی حکومت کو مستحکم کرنا چاہتا تھا۔ انگریزوں نے اسی وجہ سے اس سے اپنا کام نکالنا چاہا تھا لیکن اشور رفیق نے انگریزوں کی اس تجویز کو ٹالدیا جس کی وجہ شاید یہ تھی کہ اس سے یہ کام نہیں بن سکتا تھا یا یہ کہ وہ خود ہی خلیفہ بننا چاہتا تھا۔

جب شرفائے مکہ سے کام نہ چلا تو انگریزوں نے دوسری تدابیر اختیار کیں۔ ایک طرف تو انھوں نے قویت (Kowiet) کی جو جزیرہ نمائے عرب کے جنوب مغرب میں واقع ہے معاونت کی اور دوسری طرف نجد میں جو عرب کے شمال مشرق اور وسط میں واقع ہے ایسے سامان پیدا کئے جن سے عبد العزیز ابن سعود کو وہابی سلطنت مستحکم کرنے کا موقع ملے تیسری طرف امام صنعا کی خفیہ مدد کی جس نے ۱۹۰۶ء سے خلافت کا دعویٰ کیا تھا اور ترکی کی تمام فوجوں کی مدافعت کی تھی۔ یحییٰ حمید الدین القریشی الحسینی قدیم شاہان یمن کی

اولاد سے اور فرقۂ سادات (Seidite) کا بڑا سردار تھا۔ اس نے پایہ تخت صنعا، ساحلی بلاد اور چند مستحکم مقامات مثل ہنا کا، وغیرہ کو چھوڑ کے تمام ملک پر قبضہ کرلیا اور اپنے نام کا سکہ جاری کیا تھا چنانچہ ان عثمانی فوجوں میں بھی یہ سکہ رائج تھا جو اس سے جنگ کرنے آئی تھیں۔

۱۹۰۲ء میں سلطان نے اس امام کی شہرت و ترقی سے ڈر کر ایک جماعت حسن بے کی سرکردگی میں یمن کو روانہ کی۔ حسن بے شیخ عبدالہدیٰ کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ شیخ عبدالہدیٰ درویشوں کے سردار رفاعی کا بیٹا اور علمبردار پیغمبر اسلام خالد بن الولید کی اولاد ہونے سے شام اور عراق کے عربوں میں نہایت ذی اثر شخص تھا۔ اس جماعت کو بھیجنے کا مقصد خاص خاص قبائل کے سرداروں کو امام سے منحرف کرنا تھا لیکن اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ یمن کے حالات روز افزوں ابتر ہوتے جا رہے تھے اس لئے تین سال بعد ۲۲ر اپریل ۱۹۰۵ء کو ایک خاص جماعت قسطنطنیہ سے روانہ ہوئی۔ اس جماعت کو بھیجنے کے اغراض سرکاری بیان سے یہ تھے کہ "مقامی حالات کو ملحوظ رکھ کر ایسے ذرائع اختیار کئے جائیں جن سے ولایت یمن میں امن و امان اور اس کی فلاح و بہبودی ہو۔" لیکن جب یہ جماعت حدیدہ پہنچی تو سپہ سالار رضا بے نے صنعا میں امام کے مقابلے میں ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ جماعت کی حالت ایسی نہ تھی جس سے امام کو کسی طریقے سے مجبور کیا جاتا اس لئے وہ قسطنطنیہ واپس ہوئی۔ ۱۹۰۶ء میں ترکوں نے حمید الدین کے مقابلے میں ایک گمنام شخص حسن بن یحییٰ کو اس کا مدمقابل بنایا لیکن وہ ایک آفاقی تھا۔ فیضی پاشا کے کئی ہزار ریال لے کر چلتا بنا۔

عربوں کی معرکہ آزمائیاں تمام ملک میں منتشر طور پر گروہ بندی کے ساتھ ہو رہی تھیں۔ ترکوں کے لئے باغیوں کی فتوحات مثل صنعا وغیرہ کے فتح کرنا اتنا مشکل نہ تھا جتنا ملک میں ان لڑائیوں کا انسداد کرکے امن کی اشاعت کرنا۔ امام کے پاس تمام سبک سوار سپاہی تھے۔ حریف کے مقابلے میں وہ جم کر نہیں لڑ سکتے تھے لیکن نقل و حرکت ان کی اس سرعت کے ساتھ ہوتی تھی کہ دشمن ان کا تعاقب نہیں کرسکتا تھا۔ کمین سے نکلکر حملہ کرنے میں بھی وہ بڑے مشاق تھے۔ ترکوں کو مزید وقت

اشیائے مایحتاج کے نہ میسر ہونے سے پیش آرہی تھی۔ یمن اگرچہ عربستان کے لحاظ سے زرخیز ملک تھا لیکن بغاوت کے بعد فوج کو ضروری اشیاء کی فراہمی مشکل سے ہوسکتی تھی اس لئے تمام چیزیں قسطنطنیہ سے حدیدہ آرہی تھیں۔ عربوں نے اپنے جنگی اصول یہی قرار دیے تھے کہ ترکوں پر کمین گاہوں سے نکل نکل کے حملہ کریں اور کبھی مقابلے میں نہ آئیں اور دشمن کو ہمیشہ نقل و حرکت میں رکھیں اور اس طرح گولہ باروت کی بجائے مرض اور اضمحلال سے فوجوں کا صفایا اور اپنی تمام توجہ رسد کے لوٹنے اور دشمن کے سامان جنگ پر قبضہ کرنے میں صرف کریں۔

جب رضا پاشا حدیدہ سے صنعا روانہ ہوا جس کا محاصرہ کیا گیا تھا تو اس کے ساتھ چار ہزار اونٹ اور سات آٹھ ہزار کا لشکر تھا۔ اور یہی لشکر اس کی تباہی کا باعث ہوا۔ سابقہ بغاوتوں میں عربوں کے پاس قدیم زمانے کی بندوقیں ہوتی تھیں۔ جن کی وجہ سے ترک آسانی کے ساتھ عربوں پر فتح حاصل کرتے تھے۔ اب یہ بات باقی نہیں ہے۔ عربوں کے پاس عمدہ بندوقیں ہیں جو عدن سے بکثرت آتی ہیں۔ ان کی فراہمی زیادہ تر اس لئے بھی آسان ہوگئی ہے کہ عدن پر مارچ ۱۹۰۳ء سے انگریزوں کا قبضہ ہوگیا ہے اور ان کی سرحدی فوج سے صنعا اڑتالیس گھنٹے کی مسافت ہے چنانچہ اب یمن میں انگریزوں کا تسلط اچھی طرح سے قائم ہوگیا ہے۔

جزیرہ نمائے عرب کی آخری حدود میں انگریزوں کا یہ طرز عمل اور بھی نمایاں تھا۔ قویت کو اپنی حمایت میں لے کر برطانیۂ عظمیٰ نے اپنی دلی خواہش پوری کی اور قبائل حجاز و نجد کو ترکوں کی بے اقتداری کا ثبوت دیا۔ قویت خلیج فارس پر شط العرب کے جنوب مغرب میں کسی قدر فاصلے پر واقع ہے۔ اور ایک چھوٹی سی ریاست کا مستقر ہے۔ اس ریاست کے فرمانروا شیخ علی مبارک اور ابن رشید وہابی امیر میں ہمیشہ لڑائی رہتی تھی۔ اس کے سوا ترکوں کا بھی دعویٰ تھا کہ قویت سلطان کے زیر حکومت ہے اور اس لئے یہاں ایک ترکی فوج متعین ہونی چاہیئے۔ ان امور کے مدنظر شیخ علی مبارک نے ۱۹۰۰ء میں انگریزوں سے درخواست کی تھی کہ وہ اسے اپنی حمایت میں لیں۔ قویت کی اہمیت اب تک صرف اس لیے تھی کہ وہ جنگی لحاظ سے ایک ایسا مقام تھا جہاں سے ترک جنگ چھڑنے کی صورت میں وہابیوں پر

اچھی طرح سے حملہ کر سکتے تھے لیکن اس کی اہمیت اب اور بھی اس لئے بڑھ گئی کہ وہ جرمنی ریلوے کی آخری حد قرار دیا گیا تھا کونیہ (Koniah) اور بغداد سے خلیج فارس کو جانے والی تھی۔ قویت ہی ایک ایسی بندرگاہ تھا جہاں خلیج فارس عمیق تھی۔ یہی وجہ تھی کہ انگریز اس کو اپنی حمایت میں لینا چاہتے تھے۔ بابعالی نے اس مداخلت پر احتجاج کیا اور یہ اعتراض کیا کہ سلطنت برطانیہ کو عثمانی علاقے میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں۔ بہت طویل مراسلت کے بعد انگلستان اور ترکی میں معاہدہ ہوا جس کی رو سے فریقین قویت میں محافظ فوج نہیں رکھ سکتے تھے لیکن اس پر بھی شیخ مبارک انگریزوں کا متوسل رہا۔ اس کے علاوہ اپریل ۱۹۰۵ء میں حکومت عثمانیہ نے اپنی بیوقوفی سے انگلستان کو یہ اعلان کرنے کا موقع دیا کہ بابعالی نے معاہدۂ مذکور کو فسخ کر ڈالا چنانچہ انگریز قویت پر متصرف ہو گئے۔

فرقۂ وہابی کی جدید اشاعت کے انسداد کے لئے ۱۹۰۵ء میں بابعالی نے مبارک کو فریب دینا چاہا تاکہ وہ سیادت ترکی کو تسلیم کر کے ترکی فوج متعین کئے جانے کی درخواست کرے۔ اس غرض سے چند شیوخ قویت بھیجے گئے جن کی دنیائے اسلام میں بہت قدر و منزلت تھی۔ انگریزوں نے ابن سعود کی روپے اور اسلحہ سے مدد کی تھی۔ ان شیوخ کے کامیاب ہونے کی صورت میں وہابیوں کا زور ٹوٹ جاتا۔ ترکوں کی اس سیاست سے خبردار ہو کر انگریزوں نے پہلے ہی اس کے انسداد کا انتظام کیا اور قویت میں اپنی بحری فوج اور توپ خانہ اتارا۔ اور مورچہ بندی کی اور مورچوں پر ان توپوں کو رکھا جو برطانوی جنگی جہاز سے جو خلیج فارس میں ٹھہرا ہوا تھا ساحل پر اتاری گئی تھیں ۔ بظاہر یہ تمام انتظامات مبارک کی طرف سے کئے گئے تھے لیکن پھر بھی انگریزوں نے ان تیاریوں میں علانیہ طور پر حصہ لیا اور قویت کی راہ سے نجد پر قبضہ رکھا۔

یہ نجد جزیرہ نمائے عرب کے وسط اور شمال مشرق پر محیط ہے ماوراس نجد سے جدا ہے جو ولایت بصرہ میں ترکی متصرفت (ضلع) ہے اور جس کا حکومت عثمانیہ کی غلطی سے نجد نام پڑ گیا ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا علاقہ الحصی کی جانب واقع ہے جس کے اطراف مختلف ریاستیں ہیں۔ ترک دراصل اس کے خاص مقام خطیف کے

مالک ہیں اصل نجد دو حصوں میں منقسم ہے۔ ایک حصہ تو نجد ہی کہلایا جاتا ہے اور یہ وسط اور مشرق میں واقع ہے۔ یہ وہابیوں کا علاقہ ہے دوسرے حصے کو شمار کہتے ہیں اور یہ صحرائے نفود سے لے کے ولایت بصرہ تک محیط ہے۔ نجد میں ایک قسم کی مرکزی حکومت ہے۔ شمار ایک جاگیرداری حیثیت رکھتا ہے۔ جب محمد علی نے ۱۸۱۱ء میں وہابیوں کا قلع قمع کیا تو وہابیوں نے پھر سر نہ اٹھایا اور آپس کی لڑائیوں میں اپنی قوت زائل کی۔ ۱۸۷۸ء میں شمار کے رئیس محمد ابن رشید کو جس کی قوت بہت بڑھی ہوئی تھی والی بصرہ نے اپنی پوری امداد دینے کا وعدہ کیا تاکہ وہ وہابی فرمانروا عبداللہ ابن سعود کو تخت سے بیدخل کر کے خود قابض ہو جائے۔ لڑائی بہت دن رہی اور کئی آدمی ہلاک ہوئے۔ بالآخر محمد ابن رشید جس کی ترکوں نے روپیہ اسلحہ اور گولہ بارود سے مدد کی تھی کامیاب ہوا۔ اس نے آپ کو ترکی کا باجگزار تسلیم کیا۔ اور اس کے لئے چند قیمتی گھوڑے اور کئی اونٹ سالانہ ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ اس کے معاوضے میں ترکی کی طرف سے بڑی بڑی رقوم جنگی امداد میں دی جاتی تھیں تاکہ وہابیوں کا فتنہ دبا رہے۔

قوبیت کے واقعے کے بعد ترک محمد ابن رشید کو مبارک کے مقابلے پر بھیجنا چاہتے تھے جس نے ابن سعود کے بیٹے عبدالعزیز کو اس کے مقابلے میں امداد دی تھی۔ ابن سعود بھی اسی کے پاس ٹھہرا ہوا تھا اور اسی کی وساطت سے انگریزوں سے تعلقات بھی پیدا کئے اور ان کی بہت کچھ مدد حاصل کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ابن سعود نے نجد کو دوبارہ فتح کیا اور اپنے حریف کو شکست دیکر اور قتل کر کے الریاض میں بحیثیت فاتح داخل ہوا (۱۹۰۱ء) عبدالعزیز ابن رشید میں نہ تو باپ کے مانند قابلیت ہی تھی اور نہ ویسی شہرت رکھتا تھا۔ ترکوں نے اسے بصرے سے کمک روانہ کی لیکن اس پر بھی وہ مقابلہ نہ کر سکا چنانچہ ابن سعود نے شمار کے پایہ تخت حلیل کو بھی فتح کیا (۱۹۰۶ء) یہ امیر نوجوان، مستعد، عالی حوصلہ ترکوں کا دشمن، اور تمام عربستان میں اپنے مصائب و مہمات کی وجہ سے مشہور تھا۔ اب وہابیت کے پھر ترقی کرنے کی امید بندھ گئی تھی۔ اور ابھی سے عراق عرب اس کی طرف سے خطرے میں تھا۔

دستور ترکی کے دوبارہ نفاذ سے مسئلۂ عرب اور بھی پیچیدہ ہوگیا۔ تمام عرب سردار یہاں تک کہ وہ بھی جو حکومت ترکی کے مطیع و منقاد تھے دستور کے خلاف تھے۔ دستور نے مساوات و آزادی کے اعلان سے ان کے ان حقوق شیوخیت پر دست درازی کی تھی جنھیں وہ عطیۂ ایزدی سمجھتے تھے۔ ۲۳ر جولائی ۱۹۰۸ء کے انقلاب کی خبر سے حجانہ کے بدوی قبائل میں ایک عام بغاوت ہوگئی۔ مدینہ اور مکہ کے قبضے سے نکل جانے کا اندیشہ تھا لیکن ہر قبیلہ اپنا آپ مختار تھا جس سے ان کی کوششیں پراگندہ رہیں۔ قسطنطنیہ سے فوراً زبردست انتظامات عمل میں آئے اور چودہ پلٹنیں بھیجی گئیں۔

مسئلۂ یمن کو سلجھانے کے لئے ان عرب شیوخ نے امام حمید الدین سے گفت و شنید کی جو عبدالحمید کے زمانے میں رھوڈس کو جلاوطن کئے گئے تھے۔ قسطنطنیہ میں سب لوگوں کو توقع تھی کہ نتیجہ حسب دلخواہ نکلے گا۔ عام طور پر خیال یہ تھا کہ قبائل عرب کی بغاوت حکام حمیدی کے خراب نظم و نسق سے ہوئی ہے۔ چونکہ مطلق العنانی کا دور حمیدی دور کے ساتھ ختم ہوچکا اس لئے وہ تمام خرابیاں بھی جو اس عہد کا نتیجہ تھیں دور ہو جائیں گی۔ نمایندگان حجاز و یمن کا بھی جو قسطنطنیہ سے نامزد کئے گئے تھے یہی خیال تھا۔ ترکی اخبارات نے آزادی کے وسیع اثرات پر ایسے معرکۃ الآرا مضامین لکھے کہ امام یحییٰ نے دستور قائم ہونے کے ساتھ ہی اپنی اطاعت کا ارادہ ظاہر کیا لیکن یہ سب باتیں عوام کے شورش انگیز خیالات میں اصلاح کرنے کی غرض سے تھیں۔

پارلیمنٹری کمیشن نے جب وزیر جنگ سے یمن میں فوجی نقل و حرکت اور انتظامات کے متعلق رپورٹ پیش کرنے کا مطالبہ کیا تو اس نے بصیغہ راز ایک یادداشت پیش کی جس میں بتایا کہ یمن کو فتح اور باغیوں کا انسداد کرنے کے لئے ساٹھ ہزار کی فوج بھیجنے کی ضرورت ہے جس میں سے موسمی حالت اور ملک کی تہی مائگی پر نظر کرتے ہوئے جملہ چالیس ہزار آدمی میسر آسکیں گے۔ موجودہ حالات کے اعتبار سے اس قدر فوج کی فراہمی کوئی آسان بات نہ تھی کیونکہ یوروپ کی فوجیں یوروپ سے نہیں ہٹائی جاسکتی تھیں۔ اب رہیں ایشیا کی فوجیں تو وہ

خصوصاً عربوں کا پانچواں اور چھٹا رسالہ قابل اعتبار نہ تھا۔ رپورٹ میں یہ تجویز پیش کی گئی تھی کہ ترکی کو سر دست یمن اور اشور کے ساحل پر مستحکم طور پر قبضہ کرنا چاہیئے تاکہ صنعا اور مناشا کی حفاظت ہو سکے اور بحر احمر میں ایک جنگی جہاز متعین کرنا چاہیئے جو سامان جنگ کی تجارت میں مزاحمت کرے۔ ان انتظامات کے بعد اس کو جارحانہ کارروائی کے لئے موقع کا منتظر رہنا ہو گا۔ اس رپورٹ پر گورنمنٹ نے تنظیم یمن کے متعلق ایک تجویز پارلیمنٹ میں پیش کی جس کی رو سے تمام ساحلی مقامات حسب سابق بالعالی کے قبضے میں رہتے تھے۔ باقی تمام ملک ایک ولایت کی صورت میں امام کے تحت دس سال کے لئے دیا جاتا جو خود مختار رہے گا اور سالانہ ایک معین خراج ادا کرے گا۔ اس کے علاوہ امام کو فوجوں سے بھی گورنمنٹ کی مدد کرنی پڑے گی جس کے معاوضے میں گورنمنٹ ان عرب قبائل کو اس کا مطیع بنائے گی جو اس کی حکومت کو تسلیم نہ کریں گے۔ یہ انتظام گویا حکومت یمن سے دستبرداری تھا۔ یہ سچ ہے کہ ساحلی علاقے اور صنعا پر ترکی کا ہی قبضہ رہتا جہاں سے بعد میں جنگی انتظامات عمل میں لائے جا سکتے تھے لیکن بالعالی کا یحییٰ حمید الدین کو امیر یمن تسلیم کرنا قبائل حجاز و عراق عرب کی نظر میں حکومت کی بیوقعتی کا باعث ہوتا۔ اس تجویز کو چیمبر نے نامنظور کیا لیکن عثمانی پارلیمنٹ نے اس کی تعمیل کرائی ۱۹۱۳ء میں فرمان سلطانی نے اس انتظام کو منظور کیا۔

۱۹۰۹ء میں اشور میں ترکوں کا ایک نیا دشمن پیدا ہوا۔ اس کا نام ادریس تھا۔ کہتے ہیں کہ وہ قدیم شاہان یمن کی اولاد سے تھا۔ اس سے پہلے اس کی زندگی ہندوستان میں گزری تھی حکومت برطانیہ کی طرف سے اس کو کچھ وظیفہ بھی ملتا تھا۔ تقریباً ۱۹۰۴ء میں وہ عربستان میں ایک معمولی حاجی کی حیثیت سے وارد ہوا اور اس کے بعد بہت جلد اپنے تقدس کی وجہ سے شہرت حاصل کر لی ایک مدت مدید تک وہ نجد میں رہا اور وہابی عقائد اختیار کئے۔ پھر وہاں سے اشور چلا گیا جہاں وہابیت کا بہت زور تھا۔ ۱۹۰۸ء میں اشور میں کئی چھوٹی بغاوتیں ہوئیں لیکن چونکہ ان کے کچھ ایسے اہم نتائج نہ نکلے تھے اس لئے انھیں اہمیت نہیں دی گئی۔

جولائی ۱۹۰۹ء میں ایک عام بغاوت ہوگئی۔ ادریس نے اپنے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور اشور کے قبائل کی معیت میں یمن میں داخل ہوا جہاں کچھ قبیلے اس کے طرفدار ہوگئے۔ آج وہ اشور میں خود مختار حکمراں ہے ترکوں نے اس کے ساتھ مثل یحییٰ کے معاہدہ کرنا چاہا لیکن اس نے حقارت کے ساتھ اسے نامنظور کردیا۔

وزارت حقی پاشا کا خاتمہ۔ اطالیہ سے جنگ

زوال حقی پاشا۔ اطالیہ طرابلس میں

چیمبر (پارلیمنٹ) نے برخواست سے پہلے کابینۂ وزرا کے لئے اپنا اعتمادی ووٹ بہت ناراضی کے ساتھ دیا تھا۔ اس جبری تائید سے قوت حاصل کر کے حقی پاشا نے پارلیمنٹ کے دوبارہ انعقاد تک ٹھہرنے اور مجلس وزرا کی تمام ذمہ داری نمائندوں کے سر رکھنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ نمائندوں کو صدر اعظم کے تقرر کا اختیار نہیں اسی لئے وہ اس کو کسی طرح سے معزول نہیں کر سکتے وزرا کمیٹی کا کھلونا تھے وہ ہمیشہ انھیں اپنی مرضی پر مامور و برطرف کرتی تھی حقی پاشا کو بھی اس نے برطرف کرنے کا ارادہ کرلیا تھا۔ لیکن صدر اعظم کے اس مقابلے پر اس کو بھی حیرت تھی۔ اور حالت یہ تھی کہ جیسا جیسا حقی پاشا صدارت عظمیٰ پر بحال رہنے کی کوشش کرتا جارہا تھا گتھیاں اور پیچیدہ ہوتی جارہی تھیں۔ وزرا ایک ایک کر کے علیحدہ ہو رہے تھے چنانچہ اندیشہ تھا کہ پارلیمنٹ کے انعقاد پر کہیں صرف صدر اعظم ہی نہ رہ جائے جو اس اثنا میں تمام مستعفی وزرا کی خدمات انجام دے رہا تھا جب لغوم پاشا کے انتقال سے سفیر پیرس کی جگہ خالی ہوئی تو رفعت پاشا نے اپنے جلیل القدر عہدۂ وزیر خارجہ سے دست بردار ہو کر اس خدمت کو قبول کرلیا۔ اس کے

چند دن بعد خلیل بے وزیر داخلی نے استعفا دیا (۸ ستمبر)۔ اس کے مستعفی ہونے کا سبب حسین کاظم بے مدیر شہر کا مستعفی ہونا تھا جس نے اشاعت ہیضہ کے زمانے میں میونسپلٹی کی بے پروائی کی بنا پر استعفا دیا تھا۔ ان سب پر طرہ یہ تھا کہ وزیر جنگ اور وزیر مالیہ ایک دوسرے کے سخت مخالف تھے اور صدر اعظم وزیر جنگ کی درپردہ مخالفت کر رہا تھا۔

نائل پاشا اور محمود شوکت پاشا میں اسی قسم کی لڑائی تھی جس قسم کی جاوید بے اور موخر الذکر میں تھی۔ پہلے اگر موازنہ جنگی کے انتظام کے متعلق تھی تو اب تخفیف موازنہ جنگی کے لئے تھی نائل بے چاہتا تھا کہ کسی نہ کسی طریقے سے بھی اس موازنے میں ایک لاکھ ترکی پاونڈ تخفیف کئے جائیں محمود شوکت پاشا اس تخفیف کا بالکل مخالف تھا چنانچہ اس کا اعتراض یہ تھا کہ اس بے محل تخفیف سے موجودہ فوج میں بھی تخفیف کرنی پڑے گی۔ آخر جب ہر طرف سے اس کو مجبور کیا گیا تو اس نے اس ایک لاکھ کی تخفیف کو قبول کر لیا لیکن جب ایک مخالف اخبار میں یہ اطلاع شائع ہوئی کہ نائل بے اور حقی پاشا کی توجیہات کو تسلیم کر کے وزیر جنگ نے ایک لاکھ کی تخفیف منظور کر لی ہے تو محمود شوکت پاشا نے سرکاری طور پر اس کی تردید کی۔ سر عسکری کے اخبار میں یہ بھی لکھا تھا کہ اگر یہ افواہ ایسی ہی اڑتی رہی تو وہ مستعفی ہو جائیں گے۔ اس پر اس کے مخالفین نے فوج میں اس کا وقار گھٹانے کی کوشش کی اور واضح کیا کہ وہ ایک ادنیٰ درجے کا حریص آدمی ہے جسے نہ تو فوج سے ہی دلچسپی ہے اور نہ سپاہیوں ہی کی فکر ہے۔ یہ جاہلانہ حملہ سالونیکا کے ایک اخبار "صلاح" نے کیا تھا جو اپنی متعصبانہ حب الوطنی کے لئے مشہور اور جس کے کارپرداز مالی و فوجی حکام تھے۔ ۱۲ ستمبر کے نمبر میں "صلاح" میں ایک مضمون بعنوان "ہم کو مطلق العنان حکومت کی ضرورت نہیں" شائع ہوا جس کو کسی قسطنطنیہ کے اخبار کی جراءت نہیں ہوئی کہ شائع کرے۔ یہ تمام مضمون وزیر جنگ کی لعنت و ملامت سے بھرا ہوا تھا۔ ہم یہاں بجنسہٖ اس کی نقل درج کرتے ہیں تاکہ محمود شوکت کے دشمنوں کی چالبازیوں کا حال معلوم ہو۔

"اس سے کوئی معقول شخص انکار نہیں کرسکتا کہ مختلف مہمات میں تمھاری بے پروائی اور ڈاکٹروں کی عدم موجودگی سے کئی سپاہی ہلاک ہوئے۔ کل کے مضمون میں ہم نے انگورہ کے فوجی دستے کی تعداد اموات کو بتایا تھا۔ یہ سپاہی سٹرووٹزا سے سالونیکا کو سامان بھرنے والی گاڑیوں میں بھیجے گئے تھے۔ ان میں سے آدھے تو ہیضے سے مرگئے۔ باقی جو تھے انھیں ریل کی سڑک پر چھوڑ دیا گیا۔ یمن میں کئی سپاہی حمل ونقل کا کافی انتظام نہ ہونے کے باعث اور افسر اعلیٰ کی عدم نگہداشت کی بدولت لقمۂ اجل ہوگئے۔ جنگی موازنے میں ایک لاکھ کی تخفیف کا مسئلہ کبھی ختم نہ ہوگا اور ہماری سرزمین کے سپوت صحرا و بیابان میں یونہی مرتے کھپتے رہیں گے۔

اس ابتری اور خرابی نظم ونسق سے ایک بڑے جرم کا ارتکاب کیا گیا ہے۔ اور اس میں ذرا بھی شک نہیں۔ مجرم چھٹے پھر رہے ہیں۔ انھیں کوئی سزا نہیں دی جاتی۔ کیا قوم اپنے فرزندوں کو فوج کے نذر اسی لئے کرے کہ وہ ایک دو بڑے آدمیوں کی بے پروائی کی وجہ سے صحراؤں اور ریگستانوں میں موت کا شکار ہوں؟ کیا سرزمین وطن کے یہ سپوت جو ملک کے محافظ ہیں اسی قسم سے خشکی میں لومڑیوں اور گدھوں اور سمندر میں مچھلیوں کا شکار ہوتے رہیں گے۔ کیا ایک محب وطن بھی ایسا نہیں جو ہمت کرکے ان خرابیوں کا ازالہ کرے۔ محکمۂ سر عسکری میں سیاسیات، قضایائے رقمی، مالیات اور مطلق العنانی میں سب منہمک ہیں۔ صرف ایک شخص اس فوجی بدنظمی کا ذمہ دار ہے۔ قوم کو اچھی طرح سے یہ حق ہے کہ فوج کی نگہداشت اور اس کی بقا کے متعلق اپنا اطمینان کرے۔ وزیر جنگ کا سابق رفیق فوجی لفٹنٹ حسین مدیر خصوصی "صلاح" و محرر مضمون ہذا یہ سوال کرتا ہے کہ "کس نے انھیں وزیر جنگ بنایا؟ کس نے ان کے نام کو روشن کیا اور کس نے ان کا سکہ بٹھایا۔ اور آخر میں کس نے قابض افواج کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ اگر یہ سب ہماری بدولت ہے تو تم اپنی خدمت کے مستحق ہو اور اگر یہ ہماری بدولت نہیں ہے تو تم اپنی خدمت کے سزاوار نہیں۔

اس غریب ملک پر تمھیں کس لئے رحم نہیں آتا۔ اور کس لئے تم فرائض خدمت کے بجالانے میں کوتاہی کر رہے ہو۔ اگر تم میں قابلیت ہے تو فوج کا معقول انتظام کرو۔ اگر یہ نہیں ہے تو اپنا راستہ لو۔ قوم کو ایک مطلق العنان کی چنداں ضرورت نہیں۔

اگر تمھیں خدا کی محبت ہے تو اس ظلم اور اس مطلق العنانی سے ہاتھ اٹھاؤ اور ضوابط دستور کی پابندی کرو اور ہمارا ساتھ دو۔

مضمون کا یہ طویل اندراج فوجی لیگ کی تدابیر سمجھنے کے لئے ضروری تھا اس مضمون سے بخوبی ظاہر ہو جائے گا کہ کس طرح محمود شوکت کے مخالفین اس کی معزولی کی فکر کر رہے تھے۔ آخر اسی فوجی لیگ کی بدولت وہ ۱۹۱۲ء میں معزول ہوا لیکن پارلیمنٹ کے دوبارہ انعقاد کے پہلے ہی وزارت حقی پاشا کا خاتمہ ہو گیا چنانچہ جب اطالیہ نے طرابلس کے معاملے میں ترکی کو اعلان جنگ دیا تو اس کے ساتھ ہی ساتھ ۲۹ ستمبر کو حقی پاشا مع اپنے وزرا کے مستعفی ہو گیا۔ عید بیرم کے پہلے روز ۲۱ تاریخ کو صدر اعظم کو اطالیہ کا ایک نوٹ ترکی سفیر روما کے ذریعے سے وصول ہوا جس میں سلطنت عثمانیہ سے طرابلس اور سائرینیکا میں اطالوی برتری کو باضابطہ طور پر تسلیم کرنے کی درخواست کی گئی تھی فوراً مجلس اے سلطانی میں مجلس وزرا منعقد ہوئی اور مارشل فان بائبرسٹین سفیر جرمانیہ سے قیصر کی ثالثی کے متعلق مشورہ لیا گیا حقی پاشا نے کارروائی کو تعویق میں ڈالنے کی غرض سے سیف الدین ترکی سفیر روما کو جواب دیا کہ وہ مارکوئس دی سان گلیانو سے اطالوی مطالبات کے متعلق واضح طور پر دریافت کرے کیونکہ نوٹ میں یہ مطالبات مبہم طور پر بیان کئے گئے ہیں۔ ساتھ ہی اس نے ترکی اخبارات میں یہ اطلاع شائع کرا دی کہ جرمنی کی وساطت سے اس معاملے کا تصفیہ ہو گا۔ نیز اسٹامبول کی سرکاری اطلاعات میں یہ بھی لکھا تھا کہ بابعالی کو حکومت اطالیہ کے مطالبات کی سرکاری طور پر اطلاع نہیں ہوئی ہے کیونکہ ایم ڈی مارٹینو نے ابھی تک اس بارے میں سرکاری اطلاع نہیں دی ہے۔ ۲۵ کو ایم ڈی مارٹینو بابعالی آیا اور اتمام حجت کے طور پر اعلان کیا کہ اگر حکومت عثمانیہ مطالبات اطالیہ کو چوبیس گھنٹے کے اندر

نہیں تسلیم کرے گی تو طرابلس اور سائرینیکا پر فوجی قبضہ کر لیا جائے گا۔ الٹی میٹم میں حسب ذیل پانچ مطالبات تھے:۔

۱۔ طرابلس، بن غازی، اور اورنہ سے عثمانی افواج کی واپسی۔

۲۔ اطالوی افسروں کے تحت طرابلس میں ایک مسلح پولیس کا قیام جو امن و انتظام کی ذمہ دار رہے گی۔

۳۔ اطالوی حکام کو طرابلس کے تمام محصول خانوں کی حوالگی۔

۴۔ والیان طرابلس کے تقررات میں اطالیہ کی منظوری۔

۵۔ معاشی مراعات۔

الٹی میٹم کی مدت ۲۹ر کو ڈھائی بجے ختم ہوتی تھی۔

مجلس اسے میں کونسل کا ایک غیر معمولی اجلاس ہوا۔ رات کے آٹھ بجے تک کمیٹی ہوتی رہی۔ اس کے بعد وزرا کھانے کے لئے اٹھے۔ نو بجے پھر جو کمیٹی شروع ہوئی تو صبح کے ساڑھے پانچ کو ختم ہوئی۔ مباحثہ بہت زور و شور کا رہا حقی پاشا پر اس کے چند ساتھیوں نے بہت سختی سے نکتہ چینی کی اور نااہلی اور غداری کے الفاظ بھی زبان پر لائے۔ سعید پاشا صدر مجلس اعیان نے کہا کہ ۱۹۰۲ء میں اطالیہ سے انگلستان اور فرانس کے معاہدے ہوئے تو کابینہ روما نے بابعالی کو ایک نوٹ بھیجا تھا جس کا بابعالی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نوٹ میں یہ بتایا گیا تھا کہ تاوقتیکہ بحر متوسط کی موجودہ حالت میں کوئی تبدیلی عملی میں نہ آئے اطالیہ بھی طرابلس کے متعلق کسی قسم کا مطالبہ نہ کرے گا لیکن اگر موجودہ حالت میں تبدیلیاں ہوئیں تو اطالوی حکومت کو بھی اس علاقۂ سلطنت میں اپنے اہم تعلقات کے مدنظر فوری انتظامات کرنے پڑیں گے۔ اس زمانے میں حقی پاشا بابعالی کے مشیر قانونی تھے۔ اطالوی نوٹ ان کے پاس پیش کیا گیا۔ ان اطالوی مطالبات کو اس وقت نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔ نیز ۱۹۰۱ء میں جب کہ وہ سفیر روما تھے ان کو اطالوی منصوبوں کے متعلق واقفیت حاصل کرنے کا اچھا موقع تھا۔ جب کونسل برخاست ہونے لگی تو حقی پاشا نے اپنا استعفا پیش کیا جو نامنظور کیا گیا لیکن چند گھنٹے بعد اس کو منظور کرنا پڑا کیونکہ واقعات نے بہت جلد

نازک صورت اختیار کر لی۔
۲۹ر کی صبح کے آٹھ بجے سفیر اطالیہ کو تھرا پیا میں الٹی میٹم کا جواب دیا گیا۔ جواب میں یہ بتایا گیا تھا کہ حکومت اطالیہ کے شرائط باب عالی منظور نہیں کر سکتا۔ باب عالی نے اطالوی معاہدات و اغراض کی ہمیشہ نگہداشت کی ہے۔ جہاں تک معاشی مراعات کا تعلق ہے وہ اطالیہ سے گفت و شنید کے لئے تیار ہے۔ اگر حکومت اطالیہ کو یہ منظور نہیں اور وہ فوجی قبضے کی عمل پیرائی کی طرف رجوع ہو تو حکومت عثمانیہ بھی اپنے فریضے سے غافل نہیں لیکن تمام ذمہ داری اطالیہ پر عائد ہو گی شام کے سات بجے اطالوی سفارت کا ترجمان اعلیٰ نشان تاش جو صدر اعظم کا مستقر ضلع تھا روانہ ہوا حقی پاشا محل سلر امیں تھا۔ ترجمان بشکتاش روانہ ہوا اور صدر اعظم کو اطالوی سفیر کا نوٹ پیش کیا جس میں یہ لکھا تھا کہ حکومت عثمانیہ کو جو مہلت دی گئی تھی وہ ختم ہو گئی لیکن اس نے کوئی قابل اطمینان جواب نہ دیا۔ اطالوی حکومت مجبور ہے کہ وہ اپنے حقوق و مصالح اور اعزاز و مرتبت کی نگہداشت کے لئے ان تمام ذرائع سے کام لے جو اس کے اختیار میں ہیں۔ جو واقعات پیش آئیں گے گو وہ کیسے ہی الم انگیز کیوں نہوں وہ لازمی نتیجہ ہیں اس طرز عمل کا جس پر ایک مدت مدیدہ سے عثمانی ارباب حل وعقد کار بند ہیں۔ چونکہ ان ہر دو ممالک میں اب امن و دوستی کے تعلقات باقی نہ رہے اس لئے اطالیہ اس وقت سے آپ کو ترکی کے ساتھ بر سر جنگ خیال کرتا ہے۔"

اس میں شک نہیں کہ اطالیہ نے اس معاملے میں جہالت سے کام لیا لیکن ساتھ ہی ترکی کے اہل السیاست نے بھی اپنی حیرت انگیز نا اہلی کا ثبوت دیا۔ نہ تو حقی پاشا نے نہ وزیر خارجہ رفعت پاشا نے اور نہ عثمانی سفرا نے اطالیہ کے ان ارادوں کے متعلق نہ کچھ خبر ہی رکھی تھی اور نہ قیاس سے ہی کام لیا تھا۔ حالانکہ خطرے کے آثار پیدا تھے لیکن حالات سے اس قدر بے خبری تھی کہ موسیو دے مارٹینو نے جس روز اطالوی نوٹ دیا اس کے ایک روز آگے حقی پاشا نے ترکی اخبارات میں یہ اطلاع شائع کرائی کہ وہ چند روز میں میریں باد روانہ ہو گا۔ مسئلہ طرابلس پر کچھ روز تک بحث بھی ہوئی تھی قسطنطنیہ کے اطالوی سفیر نے

طرابلس میں اطالوی کاروبار کے متعلق ترکی حکام کی پیش از پیش مخالفت اور دار الخلافت اور صوبجات کے اخبارات کی اطالیہ کے متعلق تہتک آمیز زبان کے بارے میں بابعالی سے کئی مرتبہ شکایت کی تھی لیکن سوائے زبانی جمع وخرچ اور ترکی کی مصالحت پسندی کی طرف سے اطمینان دلانے کے عملی طور پر ان شکایات کا انسداد نہیں کیا گیا تھا۔ اسی عدم نتیجہ کی بنا پر اور خود اس کے تساہل کی وجہ سے دفتر خارجہ نے بیرن میٹرو ڈیس پلانشس کو قسطنطنیہ سے واپس بلا لیا اور اس کی جگہ یم ڈی مارٹینو کو مقرر کیا۔ ایم ڈی مارٹینو نے بابعالی کو ایک یادداشت بھیجی جس میں ان تمام شکایات کو بیان کیا تھا جو طرابلس اور سلطنت عثمانیہ کے دوسرے صوبجات کے اطالویوں کو ترکی سے تھیں۔ اس یادداشت میں گیارہ باتوں پر توجہ دلائی تھی۔ حقی پاشا نے جو صدارت عظمٰی کے ساتھ وزارت خارجہ کی خدمت کو بھی انجام دے رہا تھا صرف ایک امر متنازعہ کا جواب دیا تھا جو عدنہ کی ایک نوجوان لڑکی کو بھگا لے جانے اور بجبر مسلمان بنانے کے متعلق تھا۔ اس نے لکھا تھا کہ سفارت اطالیہ اس امر میں اصولاً حق بجانب ہے لیکن قانون قرآنی کی رو سے اس نوجوان لڑکی کو واپس نہیں دیا جا سکتا۔ اب رہے طرابلس کے متعلق مطالبات تو حقی پاشا نے ان کا کوئی جواب نہیں دیا۔

اطالیہ کے اعلان جنگ کرنے کے اغراض بادی النظر میں بجا اور واجبی نہ تھے۔ ۱۶ دسمبر ۱۹۱۲ء کو ایم گیولوئی نے اطالوی چیمبر میں طرابلس کے عاجلانہ حملے کی تحریک کا سبب اغادر کے متعلق جرمنی کے طرز عمل کو قرار دیا تھا۔ جرمنی اور فرانس میں مراکش کی تقسیم ہو رہی تھی اور اطالیہ کو خوف تھا کہ علاقہ بحر متوسط میں فرانسیسی مملکت کی توسیع اور جرمنی کو معاوضات دیے جانے کی وجہ سے کہیں وہ خالی ہاتھ نہ رہ جائے۔ طرابلس اس کا معاوضہ قرار دیا گیا تھا اور فوراً بندوبست نہ کرنے کی صورت میں اس کے ہاتھ سے نکل جانے کا اندیشہ تھا۔ طرابلس پر قبضہ کرنے میں اس کو کسی قسم کی مشکل نہ تھی کیونکہ انگلستان اور فرانس نے اپنی غیر جانبداری کا اطمینان دلایا تھا۔ انگلستان کی طرف سے اس کو مطمئن رہنا تھا اور جرمنی کی طرف سے بدگمانی کرنے کے کافی وجوہ تھے۔ اور "عام" طور پر افواہ یہ

تھی کہ اطالیہ کی طرابلس حاصل کرنے کی کوشش کے ساتھ ہی جرمنی طرابلس پر اپنا قبضہ کرلے گا۔ اس کے متعلق بیرن ڈی مارشل سفیر جرمنی نے جنگ یا فتح کرنے کے بغیر ہی قسطنطنیہ میں ایک معاہدہ مرتب کیا تھا جس کی رو سے طرابلس ایک جرمن کمپنی کے اقتدار میں دیا گیا تھا۔[1]

اطالیہ کے اعلان جنگ کا نتیجہ زوال مجلس وزارت حقی پاشا تھا۔ جونہی سفارت اطالیہ کا ترجمان اول اطالیہ روانہ ہوا صدر اعظم نے سلطان کو اپنا اور اپنے رفقا کا استعفا پیش کیا جو فوراً منظور ہوا۔ سلطان نے احمد رضا بے صدر پارلیمنٹ کو حکم دیا کہ وہ فوراً سابق صدر اعظم سعید پاشا صدر مجلس اعیان کو محلسرا میں بلا لائے۔ ایک گھنٹے کی مشورت کے بعد سعید پاشا نے صدارت عظمیٰ کو قبول کیا۔ ۳۰ ستمبر کو اس نے باب عالی میں صدارت عظمیٰ کا جائزہ حاصل کیا۔

استامبول میں غصے کی آگ بھڑکی ہوئی تھی۔ جنگ اور جہاد کے الفاظ کمیٹی کی زبان پر تھے اور یہی ترکی اخبارات کی بھی زبان تھی۔ لیکن سوال یہ تھا کہ ترک اگر اطالیہ سے جنگ کرتے تو کس طرح کرتے اور کیونکر طرابلس کو بچا سکتے تھے جب کہ سمندر پر اطالویوں کا قبضہ تھا جب کہ ترکی بیڑا جو بیروت سے درۂ دانیال[2] آتے وقت دشمن کی گرفت سے نکل جانے پر ہی خوش تھا، باسفورس میں مقیم رہتا۔

---

[1] ۔ "نیز یہ بھی کہا گیا تھا کہ طرابلس پر انگلستان کا دانت ہے اور اطالیہ کو جس نے انگلستان کے اس ارادوں سے مطلع کیا وہ جرمنی تھا۔ یہ بالکل ممکن ہے کہ انگلستان اور جرمنی دونوں کے طرابلس کے متعلق ایک ہی خیالات ہوں۔ اور دونوں کو اطالیہ کا یہ طرز عمل برا معلوم ہوا ہو۔"

[2] ۔ ابھی تک یہ معلوم نہیں ہوا کہ کیوں امیر البحر آبری نے ترکی بیڑے کو بچ جانے دیا حالانکہ وہ کوئلے کی قلت سے آہستہ جا رہا تھا۔ کہتے ہیں کہ امیر البحر کی جنگی نقل و حرکت مجلس وزارت روما کی خاص ہدایات کی وجہ سے عمل میں نہ آسکی۔ طرابلس میں مجلس صرف فوجی مظاہرہ کرنا چاہتی تھی۔ ترکوں کے ساتھ یہ رواداری محض اس لئے تھی کہ ترک اطالیہ کی طرف سے جنگی انتظامات کی طرف مجبور نہوں۔ مجلس نے یہ بہت بڑی غلطی کی۔ بیڑے کے قبضے سے جنگ کا پہلے ہی وہلے میں خاتمہ ہو جاتا۔

اور جب کہ طرابلس اور سائرینیکا میں معدود چند ہزار ترک فوج تھی جس کی نہ رسد اور نہ فوج سے مدد کی جا سکتی تھی۔ اس سوال پر پریشان ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ یہ ایک معمولی مسئلہ تھا۔ دراصل ترک اشیائے اطالیہ کا مقاطعہ اور حکومت عثمانیہ میں اس کی برآمد پر گراں قدر محاصل عائد کر کے تجارتی جنگ کرنا چاہتے تھے۔ ترکی اخبارات میں تمام معاشیین اسی امر پر زور دے رہے تھے کہ اگر میدہ، گندھک، اور روئی کی اشیاء کی برآمد ترکی میں بند کر دی جائے تو اطالیہ کی مالی حالت پھر پنپ نہیں سکتی اور اس کی بحری تجارت کو ناقابل تلافی نقصان ہوگا۔ اب رہا طرابلس تو اس کی محافظت ترک سپاہی اور مسلمانانِ افریقہ کریں گے۔ طرابلس میں ترکی فوج (کاغذ پر) سترہ دستے پیدل، دس دستے سوار، اور چھ بیٹری توپخانے، پر مشتمل تھی۔ اور اس طرح سے بارہ ہزار محاربین تمام صوبے میں پھیلے ہوئے تھے۔ اس کے سوا پچیس ہزار سپاہ کی فوج ردیف وار تھی جس کی تعلیم ترکی افسروں کے زیر اثر ہوئی تھی لیکن یہ سب فوج اس بڑی فوج کا ایک حصہ تھی جس سے اطالیہ کو نبرد آزما ہونا پڑتا اور جس کی تعداد ترکی اخبارات کے مطابق حسب ذیل تھی:۔ چالیس ہزار ترکی و عرب سوار، فوج طرابلس سے؛ بیس ہزار شتر سوار فزن سے (یہ یاد رہے کہ فزن کی جملہ آبادی ایک لاکھ آدمی سے زیادہ نہ تھی) بیس ہزار محاربین سنوسی سے جس کی جملہ آبادی میں اتنے آدمی نہ تھے۔ تیس ہزار کی فوج وداعی سے، تیس ہزار برقہ سے پینتیس ہزار مصری بدوی، اور تیس ہزار رنگروٹ تونس، الجزائر وغیرہ سے۔ جنرل محمد پاشا، عبدالقادر کا بیٹا اور سابق میں عبدالحمید کا مقرب تھا۔ عبدالحمید نے اس کو فیلڈ مارشل بنایا تھا اور عثمانی رعایا میں شامل ہونے کی وجہ سے معاوضے میں ایک بڑی رقم دی تھی۔ اس نے اب ترکی اخبارات کو ایک خط اس مضمون کا لکھا کہ وہ طرابلس کو روانہ ہونے اور وہاں جا کے اطالیوں کے خلاف تمام آبادی کو لڑائی پر آمادہ کرنے تیار ہے۔ اس نے لکھا تھا کہ میرے باپ نے فرانسیسیوں کے ساتھ تیس سال تک جنگ کی (؟)، میں اطالیوں کے ساتھ پچاس سال تک جنگ کروں گا"

حکومت اطالیہ نے دول کو یقین دلایا کہ ترکی اور اطالیہ کی جنگ صرف

طرابلس کی حد تک محدود ہے۔ اس لحاظ سے یوروپین ترکی اس کی نبرد گاہ سے باہر ہے۔ اگر یوروپ میں اس پر حملہ کیا جائے گا تو وہ صرف اپنی مدافعت سے آگے نہ بڑھے گی۔ یہ پیش بندی اس وجہ سے اچھی ہوئی کہ ساحل ایپرس سے کچھ مسافت پر اطالیہ کی طرف سے گولہ باری کی گئی تھی اور ڈیوک ابرزی نے جس کے ذمے دریائے آیونیا کے اطالوی مقبوضات کی حفاظت تھی مدافعت کے لئے جارحانہ جنگ کو مناسب خیال کر کے پریویزا پر حملہ کیا اور ایک تارپیڈو کشتی کو غرق اور دوسری کو گرفتار کیا تھا۔ آسٹریا کے احتجاج پر کابینۂ روما نے اپنے وعدے کی تجدید کی کہ علاقۂ ایڈریاٹک جنگ کا اکھاڑا نہ بنایا جائے گا۔

قسطنطنیہ کو الٹی میٹم بھیجے جانے کے قبل ہی اطالوی بیڑا امیر البحر آبری کی سرکردگی میں روانہ ہو چکا تھا۔ ۲۹ ستمبر کو یہ بیڑا طرابلس پہنچا جب اطاعت کے لئے کہا گیا تو اہل طرابلس نے انکار کر دیا۔ ۳۰ ستمبر کو بمبباری شروع ہوئی۔ ۷ اکتوبر کو کمانڈر کاگنی نے سترہ سو ملاحوں کی معیت میں اس پر قبضہ کیا۔ امیر البحر آبری نے یکے بعد دیگرے توبروک اور حمص پر قبضہ کیا۔ اس کے بعد بن غازی پر حملہ کیا جو ۳ اکتوبر کو تیس گھنٹے کی خونریز لڑائی کے بعد فتح ہوا۔ بربری میں اطالویوں کا خیال صرف فوجی مظاہرہ کی حد تک ہی تھا لیکن ان کا یہ خیال بہت جلد غلط نکلا۔ یہاں کے عرب قبائل کی تمام تر گزر بسر بردہ فروشی اور اسلحہ کی ناجائز تجارت پر تھی۔ اطالوی قبضے سے ان کو اپنی تباہی کا خوف تھا اس لئے انھوں نے اطالوی فوج کی شدید مزاحمت کی۔ ترکی کی باقاعدہ فوج نے بندرگاہوں کا تخلیہ کر دیا تھا لیکن عرب کنٹنجنٹ کی کمک پر پہنچ کر اطالیہ کی خشکی کی فوج آنے کے پہلے ہی کمانڈر کاگنی کے جہازوں کو غرق کرنے کی کوشش کی اطالویوں پر سوار اسقط میں اچانک حملہ کر دیا گیا جس کی وجہ سے مجبوراً انھیں شہر بند ہو جانا پڑا۔ ۲۳ اکتوبر سے ۲۶ اکتوبر تک انھوں نے نہایت جانبازی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ آخر عربوں اور ترکوں کو پسپا ہونا پڑا لیکن اس معرکے میں اطالویوں کو بھی شدید نقصانات برداشت کرنے پڑے۔

۵ نومبر کو حکومت اطالیہ نے الحاق طرابلس کا اعلان کیا اس اعلان کے جواب میں

باب عالی کی طرف سے ایک متین و موثر احتجاج شائع ہوا جس میں ترکی کے ناقابلِ منتقل اور لاینزال حقوق کی توثیق کی گئی تھی۔

اس اثنا میں طرابلس پر کمک بھی پہنچ گئی۔ ۲۶ر نومبر کی جنگ میں جنرل کانیوا نے شہر کو دشمن سے بالکل پاک کر دیا اور وادی عین زارا تک اس کا تعاقب کیا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ اس نے اس مقام پر قبضہ بھی کیا جو اب تک عربوں کا اسلحہ خانہ بنا ہوا تھا۔

ترکی اخبارات میں موجودہ جنگ کے متعلق جتنے مضامین شائع ہو رہے تھے ان میں اطالوی ہزیمتوں کا ایک طومار رہتا تھا۔ اطالوی مقتولین کی تعداد ڈھائی ہزار سے چار ہزار تک کے مقابلے میں ترکی مقتولین ایک یا دو اور مجروحین بارہ سے بڑھتے نہ تھے۔ ان اشاعتوں کی وجہ سے ترکی کی رائے عامہ جنگ کی خواستگار تھی۔ اطالویوں کی گردن جھکانے کے لئے معاشی جنگ کی تجویز پیش کی گئی تھی۔ ترکی اخبارات کی رو سے اطالیہ کی تجارت ترکی کی بدولت تھی۔ جنگ کا خاتمہ اور اطالیہ کو تباہ کرنے کے لئے ان کی نظر میں اطالوی پیداوار کا مقاطعہ اور اطالوی اشیا کی قیمت پر سو فیصدی محصول عائد کرنا کافی تھا۔ اس کے سوا کمیٹی کے اس بارے میں کچھ عجیب و غریب خیالات تھے۔ ایک انگریز سیاست داں مسٹر ڈبلیو ٹی اسٹیڈ ترکوں کو اپنی طلاقت لسانی سے تسلی دینے قسطنطنیہ آیا تھا۔ اس کا قول تھا کہ "چونکہ ہیدے پر لہو ہے"[1]۔ اس لئے دنیا کے تمام امن پسند اطالوی مقاطعے میں ترکوں کا ساتھ دیں گے۔ ساتھ ہی مسٹر اسٹیڈ کی یہ تجویز تھی کہ ایک پارلیمنٹی وفد تمام دارالخلافتوں میں بھیجا جائے اور ہر ملک کی رائے عامہ کے ذریعے سے اطالیہ کو اس امر پر مجبور کیا جائے کہ وہ مسئلۂ طرابلس میں مجلس ہیگ کی ثالثی کو قبول کرے۔

مسئلے کی صورت حال سے اگر واقف تھی تو مجلس وزارت تھی۔ وزرا اصلح

---

[1] یہ مسٹر اسٹیڈ کے خاص الفاظ ہیں جو اس نے اپنے لکچر جنگ طرابلس اور ثالثی کے خاتمے پر کہے تھے جو ۲۲ اکتوبر کو قسطنطنیہ میں معبد ہالنڈ میں دیا گیا تھا اور جو ۲۵ر اکتوبر کو شایع ہوا۔

کے لئے طرابلس کو بھی بھینٹ چڑھا دینا چاہتے تھے ۔ ۱۶ اکتوبر کو چیمبر کا خاص اجلاس شروع ہوا۔ ۱۹ کو ارکان مقابلہ نے نمایندگان طرابلس کی وساطت سے ایک درخواست پیش کی جس میں حقی پاشا پر الزامات لگائے گئے تھے۔ پارلیمنٹ نے استعجاب کے ساتھ ان زبردست الزامات کو سنا۔ استعجاب اس وجہ سے بھی زیادہ تھا کہ صرف حقی پاشا پر ہی مواخذہ نہیں ہوا تھا بلکہ ہر ایک شخص اس لپیٹ میں آگیا تھا کیونکہ یہ واضح کیا گیا تھا کہ ترکی نراج کی بلا سے سدھر نہیں سکتا ۔

ایک طولانی تمہید کے بعد جس میں طرابلس اور سائرینیکا کی اہمیت اور حکومت حمیدی کی غلط سیاست کو ظاہر کیا گیا تھا نمایندوں کی "تقریر" میں تحریر تھا کہ "کابینۂ حقی پاشا نے اپنے فقدان عقل، بے پروائی اور لاابالی کا ثبوت دیا ہے جس کے ہم پہلے سے خوگر نہ ہوے تھے"۔ اس کے بعد نمایندوں نے اپنی شکایات کا اظہار کیا تھا۔ دور قدیم میں فوج طرابلس میں پندرہ ہزار سے بیس ہزار تک آدمی ہوتے تھے۔ مقامی فوج ردیف کو لوغلی اس کے سوا تھی۔ یہ ایک دیسی فوج اسی نام اور اسی قسم کی تھی جو الجزائر میں لوہمنٹ کے قبضے کے وقت موجود تھی۔ طرابلس میں اوسط فوج سترہ دستے پیدل، دس دستے سوارہ، اور چھ بطاریۃ توپخانہ ہونی چاہئے تھی لیکن اس فوج کا زیادہ حصہ یمن میں تھا۔ نتیجہ یہ تھا کہ اعلان جنگ پر طرابلس میں پانچ ہزار سے زیادہ سپاہ نہ تھی اور وہ بھی مجرد کاغذ پر تھی۔ گزشتہ ڈھائی سال سے باشندگان طرابلس فوج میں بھرتی ہونے کے خواہشمند ہیں۔ اس کے لئے ضروری اخراجات گزشتہ سال منظور بھی کئے گئے تھے لیکن سولہ ہزار رنگروٹوں میں سے صرف تین ہزار چار سو انتخاب کئے گئے۔ اب رہی ردیف فوج تو اس کی کوئی تنظیم ہی نہیں ہوئی یہاں تک کہ اس کا کوئی خاکہ بھی کاغذ پر نہیں کھینچا گیا۔ سابق میں طرابلس میں چالیس ہزار بندوقیں مارٹینی اور سنیدر کارخانے کی مہیا رہتی تھیں تاکہ ضرورت پر کولوغلی فوج کو ان سے مسلح کیا جائے لیکن انھیں قسطنطنیہ موزر بندوقوں سے بدلنے کے لئے بھیجدیا گیا مگر موزر بندوقیں ابھی تک نہ آئیں ۔

ملک قحط سالی کا شکار ہے ۔ مارچ سے جون تک صرف طرابلس میں

نو سو چودہ آدمی فاقے سے ہلاک ہوئے۔ جولائی میں پارلیمنٹ نے طرابلس کو غلّہ بھیجنے کے لئے رقم منظور کی لیکن حکومت نے اس کا انتظام نہیں کیا۔ دورِ حمیدی میں طرابلس میں منتخب افسر مامور ہوتے تھے۔ جو اہلِ ملک ان کے عادات، ان کے خصائل اور ان کی زبان سے بخوبی واقف ہوتے تھے۔ اب یہ تمام منتشر کر دیے گئے سول حکام جتنے ہیں وہ اپنے عہدوں پر حقی پاشا کی نظرِ کرم سے مامور ہیں۔ مرکزی حکومت کی طرف سے طرابلس کے حکام کو نہ تو احکام ہی دیئے جاتے ہیں اور نہ کوئی ہدایات اور اس طریقے سے وہ بے دست و پا ہیں۔

تقریر کا خاتمہ ان الفاظ پر تھا۔ "اس طرح سے حقی پاشا نے ہمارے آباء و اجداد کے ترکے اور افریقہ کی ہماری موروثی جائداد کو بغیر سپاہی، بغیر ہتھیار، بغیر سامانِ حرب، بغیر غذا، بغیر حکام، بغیر قانون، اور بغیر رقم رکھا۔" اس کے ساتھ دستور مرممہ ۱۹۰۹ء کی دفعہ ۳۱ سے وزرا کو عدالت العالیہ میں بغرضِ انصاف پیش کرنے کی درخواست کی گئی تھی۔ نمایندگان طرابلس کا مطالبہ حسبِ قاعدہ ایک خاص کمیشن کے پاس بھیجا گیا جس کے ارکان پارلیمنٹ سے منتخب کئے گئے تھے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اس کمیشن میں جتنے آدمی تھے وہ سب نمایندگان مقابلہ میں سے تھے لیکن بات تو یہ تھی کہ صرف حقی پاشا ہی قابل الزام نہ تھا۔ رفعت پاشا وزیر خارجہ جو لغوصم پاشا کی جگہ پیرس میں سفیر ترکی مقرر ہوا، محمود شوکت پاشا وزیر جنگ جو کابینۂ سعید پاشا میں بھی علیٰ حالہ اپنی خدمت پر رہا، خلیل بے وزیر ممالک داخلی، جسے سعید پاشا اپنا مددگار بنانا چاہتا تھا لیکن جس نے اس خدمت کو نامنظور کیا یہ سب حقی پاشا کی طرح خطاوار تھے محمود شوکت پاشا کو عدالت العالیہ میں پیش کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ خلیل بے کمیٹی کا نہایت با اثر رکن تھا طلعت بے کی جگہ وزارت داخلی پر مامور ہونے سے پہلے وہ جماعت اتحاد و ترقی کی پارلیمنٹی جماعت کا پریزیڈنٹ تھا۔ یہ ظاہر تھا کہ ایسے زبردست ارکان پر بغیر کمیٹی کا تختہ الٹنے کے حملہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

لیکن نمائندگان طرابلس کی "تقریر" نے حقی پاشا کو زک دینے کی کوشش میں خود بخود ایک دوسرا کام انجام دیا جس کی پہلے سے پیش بینی نہیں

کی گئی تھی۔ اس "تقریر" نے اس متعصب فرقے کی سادہ لوحی کو آشکارا کیا جو اخبارات اور پارلیمنٹ میں جنگ کی حمایت میں اس قدر ہنگامہ کر رہا تھا اور یہ ثابت کر دیا کہ طرابلس اپنے آپ کو نہیں بچا سکتا۔ اس میں شک نہیں کہ ترکی اخبارات اپنے سننے والوں کو یہ سنا رہے تھے کہ تمام مسلمانان افریقہ طرابلس کی مدد کریں گے اور اطالویوں کو طرابلس سے بھگا دیں گے۔ ان کے قول کے مطابق چار لاکھ عرب اور حبشی رضاکار اسی مقصد کے لئے فراہم ہو چکے تھے۔ نیز کئی لاکھ مسلمان اور فراہم ہونے والے تھے۔ ان کے علاوہ ستر لاکھ سنوسیوں نے بھی اطالیوں کو تباہ کرنے کی قسم کھائی تھی۔ استامبول کے نیکدل باشندوں کو اس من گھڑت پر یقین آگیا کہ ممالک متحدہ ترکی کی تائید میں مداخلت کرے گا۔ پہلے یہ خبر مشہور ہوئی کہ چھ مسلح امریکن جہاز ایجین میں آگئے ہیں تاکہ عثمانیہ بیڑے کے دوش بدوش اطالویوں کے ساتھ نبرد آزما ہوں۔ اس کے چند دن بعد مزید یہ اضافہ ہوا کہ نو جنگی اور دس تباہ کن جہاز اوبیں تا پیڈو کشتیاں مائٹیلین میں آگئیں۔ ۲۰ ر اکتوبر کو ایک یونانی اخبار نے اس دروغ بیانی میں اپنے استامبولی بھائیوں سے سبقت لے جانے کے لئے ایک زبردست عنوان سے یہ خبر شائع کی کہ تین سو امریکن جنگی جہاز درۂ دانیال میں آگئے۔ اس خبر سے غلطہ کے صرافہ (Bourse) میں کھلبلی مچ گئی۔

صدر اعظم نے جرارت کے ساتھ اس خطرے کا مقابلہ کیا۔ رد الزامات کے مقابلے پر جو بااثر تقریر اس نے کی اس میں اس نے یہ ظاہر کر دیا کہ ترکی کے پاس اطالوی بیڑے سے مقابلہ کرنے کے لئے کوئی بیڑا نہیں۔ اور اس لئے اب جنگ جاری رکھنے کا موقع نہیں۔ اس نے یہ بھی بیان کیا کہ وہ "سیاست الدول کے ذریعے" عزت کے ساتھ صلح حاصل کرنے کی ہر ممکن طریقے سے کوشش کرے گا۔ اجلاس کے پہلے سب کا یہ خیال تھا کہ کابینہ پر نفرین کا ووٹ دیا جائے گا۔ مجلس اتحاد و ترقی نے جس کی کثیر تعداد تمنی مقابلے کے ساتھ اس امر پر اتفاق کیا تھا کہ کابینۂ حقی پاشا کو علیحدہ کر کے ایک جدید کابینہ فوراً ترتیب دینے کے لئے صدر اعظم کو ہدایت دی جائے۔ صدر اعظم کے متعلق طمانیتی ووٹ اسی ایک

صورت میں دبا جا سکتا تھا۔ سعید پاشا نے ان صورتوں کو قبول کرنے سے انکار کیا۔ بالآخر صدر اعظم کی راست بیانی، اور اس کی تمام ذمہ داری اپنے سر لینے کی جرأت پر کثیر ارکان اس کے طرفدار ہو گئے اور طمانیتی ووٹ بدیں الفاظ دیا۔

"صدر اعظم نے واضح کیا ہے کہ وہ عزت قومی، سیادت عثمانیہ اور اغراض سلطنت کی نگہداشت میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھیں گے۔ اس اعلان پر ارکان پارلیمنٹ آج کے اجلاس میں صدر اعظم کے متعلق اظہار طمانیت کرتے ہیں"

یہ تحریر بہت ہی پر معنی تھی۔ اس طور پر ارکان پارلیمنٹ آپ کو اس گتھی سے نکالنا چاہتے تھے۔ اخبارات مقابلہ نے اس پر رائے زنی کی اور یہ استفسار کیا کہ کمیٹی کیونکر سعید پاشا سے اتفاق کر سکتی ہے جب کہ سعید پاشا نے اپنی تقریر میں صاف طور پر اطالیہ کے ساتھ صلح کرنے کی شدید ضرورت پر زور دیا ہے اور جب کہ خود کمیٹی صلح کی مخالف اور جہاد کی طرفدار ہے۔ اطالیہ کے ساتھ صلح اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب کہ طرابلس اور سائرینیکا کے اطالوی قبضے کو تسلیم کیا جائے۔ اگر ہم یہ تسلیم کر لیں تو پھر طرابلس پر سیادت عثمانیہ کی نگہداشت کا دعویٰ باطل ہو جاتا ہے۔ اس کے جواب میں ۲۱ر اکتوبر کو اخبار "صباح" میں جس کے ذریعے صدر اعظم کے خیالات و آرا کی اشاعت ہوتی تھی ایک مضمون شائع ہوا جس میں جہاد کی مخالفت کی گئی تھی اور یہ بتایا گیا تھا کہ ایک شریف مقصد کے لئے جان دینا بیشک نیکنامی ہے لیکن محض نیکنامی اور نمائش ظاہری کے لئے قوم کی قوم اپنے کو موت کے منہ میں نہیں دے سکتی۔ جب قوم ہر ممکن قربانیوں کو برداشت کرنے پر تیار ہے تو اسے موت کا خیال نہ کرنا چاہیئے۔

سرکاری حلقوں میں عموماً یہ خیال تھا کہ کوئی نہ کوئی سلطنت اس معاملے میں ترکی کی طرف سے مداخلت کرے گی اور اس طرح تائید غیبی سے اس لڑائی کا خاتمہ ہو گا۔ صدر اعظم سعید پاشا نے پارلیمنٹ میں دوسری سلطنتوں سے ترکی کے میل جول کی ضرورت پر تقریر کی تھی اس لئے تمام ترکی اخبارات میں اس بارے میں مضامین شائع ہونے لگے کہ دول یورپ کے دونوں گروپوں میں سے ترکی کے لئے کونسا گروپ مفید ہو گا۔ اب تک تو نوجوان ترکوں نے

تمام دول کے ساتھ اتحاد و اتفاق کا اعلان کرتے ہوئے ان سب پر ائتلاف ثلاثہ یا بالفاظ دیگر جرمنی کے ساتھ اتحاد کو زیادہ ترجیح دی تھی لیکن جب ترکی نے جرمنی سے امداد طلب کی اور قیصر جرمنی نے جو شدومد کے ساتھ وعدے کئے تھے انھیں یاد دلایا تو جرمنی کی طرف سے سکوت کے سوا کوئی جواب نہ ملا اس لئے اکثر اخبارات کا جرمنی کی طرف سے خیال پلٹ گیا تھا کمیٹی کا اخبار "تعنین" جرمنی کا نہایت سرگرم حامی تھا۔ برخلاف اس کے مقابلے کا اخبار "تمدن" ائتلاف ثلاثہ کا مخالف اور اتحاد ثلاثہ کا طرفدار تھا۔ ان دونوں اخبارات میں ایک دوسرے کے خلاف مضامین شائع ہو رہے تھے۔ حسین جاوید بے نے اس بارے میں ایک عجیب مضمون لکھا جس میں اس نے اتحاد روس کے بہت کچھ فوائد بیان کئے تھے۔ اس اتحاد کی بدولت ایک دوسرا اتحاد ایک طرف انگلستان سے اور دوسری طرف فرانس سے لازمی ہو جاتا۔ اس نے اس اتحاد سے خود روس کا جو نفع ہوتا اسے بھی بیان کیا تھا چنانچہ ائتلاف ثلاثہ اور اتحاد ثلاثہ میں جنگ ہونے کی صورت میں روس کو ٹرانس کاکیشیا کی طرف سے کسی قسم کا خدشہ نہ رہتا آبنائے کا سوال بھی اس کے مفاد کے موافق حل ہو جاتا۔ شمال ایران اپنے حدود میں مداخلت نہ کرنے کی شرط کے ساتھ وہ اپنے خاص اغراض کی بجا آوری میں آزاد رہتا۔ مدحت پاشا کے بیٹے علی حیدر مدحت بے کا بھی یہی خیال تھا۔ ایک اور اخبار کی یہ رائے تھی کہ اگر ترکی ائتلاف ثلاثہ میں شریک رہا تو ائتلاف ثلاثہ اور اتحاد ثلاثہ میں لڑائی ہونے کی صورت میں اس کو فرانس اور انگلستان کے حملوں کا نشانہ بننا پڑے گا۔ کیونکہ ان ہر دو ملک کے جہاز بحر متوسط کے مسلمہ طور پر مالک ہیں۔ اور ان کی مدافعت کے لئے اس کے پاس بیڑا نہیں۔ بات تو یہ تھی کہ ائتلاف ثلاثہ یا اتحاد ثلاثہ کے ساتھ اتحاد کرنے کے لئے وقت مساعد نہ تھا کیونکہ ترکی نے ان دونوں گروپ میں سے کسی ایک کے ساتھ اتحاد کے لئے یہ شرط قرار دی تھی کہ مسئلۂ طرابلس میں اس کی پوری تائید کی جائے گی جو کسی کو بھی منظور نہ تھی۔ آسٹریا اور جرمنی اس شرط کو کسی طرح سے قبول نہیں کر سکتے تھے کیونکہ اطالیہ کی مخالفت میں ائتلاف ثلاثہ باقی نہ رہتا۔ اتحاد ثلاثہ میں ترکی کے شریک ہونے سے اتحاد ثلاثہ کی بجائے اتحاد اربعہ ہو جاتا۔ برطانیہ عظمیٰ اور فرانس نے اطالیہ کے ساتھ

معاہدہ کر لیا تھا جس کی رو سے اطالیہ نے جنگ کی صورت میں اپنے غیر جانبدار رہنے کا یقین دلایا تھا۔ ترکی سے اتحاد کی ضرورت کو انگلستان اور فرانس غیر ضروری سمجھتی تھیں کیونکہ جرمنی سے جنگ ہونے کی صورت میں ترکی سے امداد کی کچھ زیادہ توقع نہیں ہو سکتی تھی۔

باایں ہمہ اطالویوں نے طرابلس پر پیشقدمی نہیں کی۔ کئی ترکی افسروں نے بشمول انور بے و فتحی بے جنھوں نے انقلاب ۲۳ جولائی ۱۹۰۸ء میں بہت زبردست حصہ لیا تھا سرحد مصر کو عبور کر کے اور بربری میں داخل ہو کر مدافعت کی تیاری کی تھی گولہ بارود اور اسلحہ مخفی طور پر یا صحرائے لیبیا کے راستے سے برابر پہنچ رہے تھے۔ عثمانی فوجیں چار ہزار باقاعدہ سپاہی اور تیس ہزار عربوں پر مشتمل تھیں۔ حالات کے لحاظ سے عربوں کی تعداد میں بیشی ہو سکتی تھی کیونکہ عرب محض ترکوں کی طرفداری میں لڑ رہے تھے اور اس لئے ضرورت کے لحاظ سے مجتمع اور منتشر ہو جاتے تھے۔ جنوری ۱۹۱۲ء کے اختتام پر چار ماہ کی جنگ کے بعد اطالویوں نے جن کی فوج افریقہ میں ایک لاکھ تھی صرف ساحل پر ہی ناکافی طور پر قبضہ کیا تھا۔ موقع اور تعویق کے جس طریق پر جنرل کانیوا کاربند تھا اس سے لڑائی کا ختم ہونا ممکن نہ تھا۔

بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا کہ اوونا کے واقعے نے ان پر گہرا اثر کیا ہے۔ طرابلس سے بھی زیادہ اطالوی فوجیں سارڈینیا کے ساحل پر مجتمع کی گئی تھیں۔ وہ بڑا مرتفع حصہ جو بن غازی، اور ادرنہ کے درمیان ساحل کی طرف واقع ہے اور جس کا طول تقریباً تین سو اور عرض ڈیڑھ سو سے دو سو کلومیٹر ہے اب تک عربوں کے ہی قبضے میں تھا حالانکہ اگر ذرا بھی جارحانہ طریقہ کار اختیار کیا جاتا تو ضرور عرب پسپا اور ملک کے اندرونی علاقے میں پناہ لینے پر مجبور ہو جاتے اگر خشکی میں مدافعتی طریقے کو کام میں لایا گیا تھا تو دریا میں جارحانہ طریقہ اختیار کرنے اور ایجین میں بحری جنگ اور درۂ دانیال پر حملہ کرنے کے بارے میں بہت کچھ گفتگو ہوئی۔ یہ بحری جنگ سالونیکا، سمرنا، اور جزیروں پر بمبباری کرنے سے متعلق تھی۔ لیکن سمرنا اور سالونیکا پر بمبباری کرنے کا نتیجہ یہی نکلتا کہ ترک

مشتعل ہوکر ان اطالویوں سے اس کا انتقام لیتے جن کی ایک کثیر تعداد اب بھی سلطنت عثمانیہ میں موجود تھی۔ اس کے علاوہ اس میں دوسری سلطنتوں خصوصاً آسٹریا سے مخالفت ہوجانے کا اندیشہ تھا۔ نیز سالونیکا اور سمرنا پر قبضہ کرنے کے لئے دو دستے فوج کی ضرورت تھی لیکن اس میں ترکی فوج سے مقابلے کے سوا یہ بھی ایک خطرہ تھا کہ کہیں بحری انتظامات پیچھے ہٹا لینے نہ پڑیں کیونکہ ترکوں کی فوجیں تعداد میں بہت زیادہ تھیں۔ جزائر کے قبضے سے سلطنت عثمانیہ پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا تھا۔ اب رہا درۂ دانیال تو اطالیہ نے ۲۳ نومبر سے اس کے محاصرے کا اعلان کیا تھا لیکن اکتوبر سے ترکوں نے نہایت سرگرمی و جانفشانی سے مورچوں پر کام کرنا شروع کر دیا اور چالیس ہزار آدمی درۂ دانیال پر جمع کر دیئے تھے۔ اس طور سے بھی اطالوی درۂ دانیال میں داخل نہیں ہو سکتے تھے۔ واقعہ تو یہ ہے کہ اطالویوں نے داخل ہونے کی کوشش بھی نہیں کی۔ کمانڈر ملّو کی سرکردگی میں آٹھ تارپیڈو کشتیوں کے ساتھ جو حملہ کیا گیا وہ ایک امتحانی طور پر کیا گیا تھا ان طولانی مخالفتوں سے دنیائے سیاست میں کھلبلی پڑ گئی۔ گو جزیرہ نمائے بلقان کی علیٰ حالہ بقا کے متعلق ہر سلطنت سرکاری طور پر کیوں نہ اعلان کرے لیکن جزیرہ نمائے بلقان ایک بارود کا پیپا تھا جس کو ہر سلطنت خود ہی دیا سلائی کھینچ کر اڑانا چاہتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ دوں یورپ نے روس کی رہبری میں محاربین کو التوائے جنگ اور صلح کے لئے اپنے خدمات پیش کئے لیکن طریقۂ مداخلت میں دول کو اختلاف تھا۔ روس ترکی پر دباؤ ڈالنا چاہتا تھا۔ فرانس اور انگلستان کو اس میں پس و پیش تھا۔ جرمنی کو ایک طرف ترکی سے جلب منفعت مقصود تھی تو دوسری طرف اطالیہ سے بحیثیت اپنے حلیف ہونے کے مخالفت نامنظور۔ اس لئے روس کی قوت کو توڑنے کے لئے اس نے اپنی غیر جانبداری کا اعلان کیا۔ آسٹریا ہنگری نے جرمنی کی تقلید کی لیکن ساتھ ہی ساتھ ڈیڑھ لاکھ کی فوج ہرزیگوینا اور بوسنیا میں ترکی سرحد پر تمرین فوجی کے بہانے میں جمع کر دی۔ بالآخر ۱۴ اپریل کو دول ستہ کے سفرا نے قسطنطنیہ میں وزیر خارجۂ ترکی کو حسب ذیل نوٹ بھیجا۔

"اطالیہ اور ترکی کی باہمی جنگ کا سلسلہ ہر دو فریقین کے لئے نقصان دہ ہے چنانچہ عوام الناس یوروپ کے احساسات کو ملحوظ رکھکر کابینۂ روما کی شرکت سے اس جنگ کو ختم کرنے کے لئے انتظامات عمل میں لائے جارہے ہیں۔ کابینۂ مذکور نے شرائط صلح کے متعلق جو کچھ اپنا نقطۂ نظر ہے اس سے ایما کیا ہے۔ اب دول کی مصالحتی اور دوستانہ طریقے پر حکومت عالیہ ترکی سے درخواست ہے کہ صلح کے متعلق وہ اپنے نقطۂ نظر سے آگاہی بخشے تاکہ اس طرح سے ثالثی پر غور کیا جاسکے۔"

دول کے اس نوٹ سے ترک بہت خوش ہو گئے اب اس پر بحث مباحثے کی ضرورت ان کے نزدیک بیکار تھی چنانچہ عاصم بے نے سفرائے دول کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ وہ آٹھ یا دس دن میں حکومت عثمانیہ کے فیصلے سے انھیں مطلع کرے گا۔ اس بارے میں بالعالی کا جواب وقت سے پیشتر ہی معلوم ہو گیا۔ نہ صرف ترکی کے مختلف المذاہب اخبارات نے اس پر زائد از ضرورت لکھ مارا بلکہ روس کی تحریک ثالثی کے ساتھ ہی حکومت ترکی نے سفرا کے ذریعے سے اطالیہ کے ساتھ مصالحت کے شرائط بڑے اہتمام کے ساتھ بیان کئے تھے۔ یہ شرائط حسب ذیل تھے۔ اعلان الحاق طرابلس وسائرینیکا کی تنسیخ اور اطالوی افواج کا بربری سے تخلیہ۔ اس ایک مضمون کو ترکی اخبارات طرح طرح سے بدل بدل کے بیان کر رہے تھے چنانچہ ایک اخبار "تعنین" نے لکھا تھا:۔

"بلند رتبہ دول نے ہر دو سلطنتوں کی حالت کا موازنہ خوبی کر لیا ہے اس کے متعلق مزید لکھنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ بالعالی اس وقت تک مصالحت نہیں کر سکتا جس وقت تک کہ اطالوی طرابلس کا کامل تخلیہ نہ کردیں گے۔ بالعالی کے لئے اس کے سوائے اور کوئی چارۂ کار نہیں۔ جب تک طرابلس میں ایک آدمی بھی بندوق سے کام لینے کے قابل ہوگا جنگ جاری رہے گی۔ جس روز سلطنت ترکی طرابلس سے دست بردار ہو گی وہ روز اس کی سیاست ملکی کی تباہی اور غیر ملکوں میں بے وقعتی کا روز ہوگا اس لئے وہ

طرابلس کی آخری وقت تک حفاظت کرے گی ..... ہم صلح قبول کرنے تیار ہیں بشرطیکہ اطالوی طرابلس کا تخلیہ کردیں۔ اگر وہ تخلیہ کے لئے راضی نہیں تو ہم بھی صلح کے لئے نہیں۔ جنگ طرابلس مدافعتی جنگ ہے۔ ہم برسوں مدافعت کر سکتے ہیں۔ بہتر تو یہ ہے کہ دول بجائے فریقین میں صلح کرانے کے چندے اور توقف کریں اور دیکھیں کہ یہ خطرہ جو دنیائے تہذیب کے درپے ہے کس طرح دور کیا جاتا ہے۔ اس صورت میں اطالویوں کو لازمی طور پر تخلیۂ طرابلس کے لئے مجبور ہونا پڑے گا۔

مارچ میں اطالیہ کا مقصد ترکوں کو صرف مرعوب کرنا تھا۔ اس غرض سے اطالویوں نے بیروت میں ایک جنگی جہاز "عون اللہ" (جو ۱۸۶۹ء میں بنا اور جس کی ۱۹۰۰ء میں کارخانہ انسالڈو نے مرمت کی تھی) اور گن بوٹ انگورہ کو جلا دیا تھا۔ اب انھوں نے ایجین میں بحری جنگ کرنے کا تہیہ کیا۔ ۱۸ر کو امیر البحر ویال کے بیڑے نے درۂ دانیال کے قلعوں پر گولہ باری کی اور جزیرۂ ملناس میں خلیج موڈس، اور رھوڈس کے قریب جزیرۂ اسٹامپلیا پر قبضہ کیا۔ ترکی نے درۂ دانیال کا راستہ تارپیڈو گولوں سے بند کر دیا لیکن جب دول نے تمام دنیا کی تجارت پر اس کا اثر پڑنے کی شکایت کی تو ۲ر مئی کو درۂ دانیال کا راستہ کھولدیا گیا۔ ۴ر کو جنرل امیگلیو نے رھوڈس پر قبضہ کیا اور اس کے بعد اسی طرح اور بھی جزیرے فتح کئے گئے۔ ۲۳ر مئی کو سلطنت عثمانیہ نے ایک جدید انتظام نافذ کیا جس کی سات ماہ سے دھمکی دیجارہی تھی یہ انتظام ترکی کے تمام اطالویوں کے اخراج کے متعلق تھا۔ پندرہ روز کی مہلت ان لوگوں کو دی گئی۔ مذہبی جماعت، بیوائیں جن کے بچے نہ تھے اور ریلوے لائنوں کے کاریگر اس حکم سے مستثنیٰ کئے گئے تھے۔ کاریگروں کو خارج البلد کرنے کی صورت میں بغداد ریلوے کا کام رک جاتا۔ چونکہ ترک اپنے نیک جرمن دوستوں کو ناراض نہیں کرنا چاہتے تھے اس لئے اطالوی کاریگر فائدے میں رہے لیکن حکومت اطالیہ نے خود ان کو کیلبرین ریلوے لائن کے کام پر طلب کر لیا جس کے قائم کئے جانے کے متعلق رائے منظور ہوئی تھی۔ اطالویوں کے اخراج کے متعلق حکومت عثمانیہ کے پاس اس سے بہتر کوئی حیلہ نہ تھا کہ اسے خود اطالویوں کی حفاظت کے لئے

مفید بتایا جائے۔ طلعت بے وزیر داخلی نے ناظم تحفظ عامہ سے ایک رپورٹ پیش کرائی جس میں عہدہ دارند کور نے یہ واضح تھا کہ اطالویوں کو جن کے اہل وطن نے طرابلس میں مسلمانوں پر سخت مظالم کئے تھے انھیں قسطنطنیہ میں چلتے پھرتے دیکھکر باشندگان قسطنطنیہ کا صبر ہاتھ سے جاتا رہا ہے اور اندیشہ ہے کہ اطالویوں کے خلاف عام شورش برپا نہو جائے اس لئے اطالویوں کا فوری اخراج مناسب ہے۔ مجلس وزرا میں صدر اعظم سعید پاشا، اور وزیر خارجہ عاصم بے اس انتظام کے خلاف تھے لیکن کمیٹی کے آگے انھیں مجبوراً اسے قبول کر لینا پڑا۔

طرابلس میں اطالویوں کی پیشقدمی بڑی مصیبت کے ساتھ قدم بقدم ہو رہی تھی۔ ۸ جون کو انھوں نے وادی زنظور پر قبضہ کیا جو طرابلس سے چند فرسخ فاصلے پر تھی۔ اس کے بعد مستور افتح ہوا جس سے طرابلس کا تمام ساحلی علاقہ ان کے قبضے میں آگیا۔ ترکی میں اب صلح کی شدید ضرورت محسوس ہو رہی تھی تاکہ عیسائی ریاستہائے بلقان کے متعلق آزادی کے ساتھ کام کیا جاسکے۔ پارلیمنٹ بند تھی۔ مصالحت اور بربری کو حوالہ کرنے کے بارے میں کمیٹی کو کامل آزادی تھی اور وہ اس ذمہ داری کو قبول کرنے تیار تھی بشرطیکہ اس میں اس کی بدنامی نہو۔ اطالیہ کا کام اس معاملے کو آسان بنانا تھا۔ بغیر احکام نیابت صلح کی گفت وشنید نیم سرکاری افسروں کے ذریعے سے سوئٹزرلینڈ میں شروع ہوئی۔ اطالیہ کی طرف سے سینیر برٹولوتی سابق وزیر و نمائندہ، سینیر فوسیناٹو ناظم بنک تجارتی، اور سینیر والپی تھے۔ ترکی کی طرف سے نبی بے اور فریدالدین بے تھے۔ ۱۰ ستمبر کو صلح ہونے کی افواہ اڑی۔ یہ خبر قبل از وقت اڑی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ فریقین صلح کے بہت قریب ہو چکے تھے۔ ترکوں نے صلح کے لئے حسب ذیل بھونڈے تجاویز پیش کئے۔ تصفیۂ سیاوت طرابلس کے قبل ہی ترکی حکومت اپنی فوجوں کو افریقہ سے طلب کرلے گی۔ ایک بندرگاہ (تبروک) مع مضافات ترکی کے قبضے میں رہے گی۔ سلطان طرابلس کا مذہبی صدر رہے گا۔ اور اطالیہ کی طرف سے ترکی کو لیبیا کے قرض عامہ کے محاصل سے ایک سالانہ معینہ رقم ادا کی جائے گی۔

اطالیہ کا مطالبہ یہ تھا کہ ترک خود مختاری طرابلس وسائرینیکا کو تسلیم کریں گے۔

یہ اس کی آخری رعایت تھی۔ اگر اس خود مختاری کو نہیں تسلیم کیا گیا تو وہ الجزائر میں اپنی فتوحات کا سلسلہ قایم رکھے گا۔ اور نہ میں جنرل بریکولا کی کامیابی (۱۴ ستمبر) اور ایسا ہی زنظور میں جنرل رابزنی کی کامیابی سے (۲۰ ستمبر) اطالویوں کو سیادت لیبیا کے لئے اپنے مطالبات پر اڑے رہنے کی جراُت ہوئی۔ اس دوران میں رشید پاشا سابق سفیر روما و وائنا ترکی کی طرف سے گفت وشنید پر مامور ہوا لیکن بلقانی واقعات کا شگوفہ کھلا اور ترکی اور جزیرہ نمائے الیریا کی عیسائی ریاستوں میں آپس میں جو متحد ہو گئی تھیں جنگ چھڑنے والی تھی۔ اطالیہ نے تصفئے کے لئے بابعالی کو تین روز کی مہلت دی۔ اس مہلت کے قبل ہی حکومت عثمانیہ نے اس جنگ کو ختم کرنے کا تصفیہ کیا۔ ۱۵ر اکتوبر چھ بجے شام کے اوچی میں ابتدائی صلحنامہ پر فریقین کے دستخط ہو گئے۔

اس صلحنامہ سے ترکی نے لیبیا پر اطالیہ کی سیادت کو قطعاً تسلیم کیا۔ چنانچہ اس کا ثبوت یہ تھا کہ طرابلس اور سائرینیکا پر شاہ اطالیہ کی سیادت کے اعلان کے ایک روز بعد سلطان نے صلح کو قبول کیا تھا۔ مزید ثبوت اس اطالوی سیادت لیبیا کا یہ تھا کہ اطالوی فوجوں کے مقابلے میں عساکر سلطانی کے تخلیئے کی شرط تھی۔ نیز جزائر اثنا عشرہ کا اطالوی فوجیں اسی وقت تخلیہ کر سکتی تھیں جب کہ عثمانی فوجیں لیبیا کا کامل طور پر تخلیہ کر دیں۔ اس طرح سے سلطان نے ان جزائر کو اپنی افواج کے تخلیئے کے لئے کفالت میں دیا۔

شاہ اطالیہ کو بربری کے سیاسی مجرمین کے معاف کرنے کا حق حاصل تھا جو حقوق سیادت میں ایک بڑا حق ہے۔ عثمانی قرض عامہ کے متعلق ترکی کو جو تاوان دیا گیا وہ اس قسم کا تھا جو عموماً ایک سلطنت سے دوسری سلطنت میں کوئی علاقہ منتقل ہونے کی صورت میں دیا جاتا ہے۔ آخر میں تسلیم سیادت اطالیہ کا قطعی ثبوت اس واقعے سے ظاہر تھا کہ الحاق کے حکم شاہی سے سوراج لیبیا کے بارے میں جو سلطانی فرمان شائع ہوا تھا اس کی تنسیخ ہوتی تھی لیکن باوجود اس کے ترکی نے جنگ سے پہلے جو تعلقات اطالیہ اور اس میں قائم تھے انھیں دوبارہ قبول کر لیا تھا۔

وزارت سعید پاشا۔ پارلیمنٹ میں لطفی فخری کا واقعہ۔ صدر اعظم اور مجلسِ اعیان۔ تنظیم کی دفعہ ۳۵۔ برخاست پارلیمنٹ۔ کمیٹی اور صدر اعظم۔ البانی بغاوت۔ محمود شوکت پاشا کے خلاف سازش۔ زوال کا بیینہ۔

جب سعید پاشا، حقی پاشا کی جگہ صدر اعظم ہوا تو اس نے اپنی مجلس وزارت حسب ذیل ارکان پر ترتیب دی تھی۔

شیخ الاسلام موسیٰ کاظم۔ وزیر جنگ محمود شوکت پاشا۔ وزیر خارجہ عاصم بے، وزیر داخلی جلال بے۔ وزیر تعمیرات حولوسی بے۔ وزیر مالیہ نائل بے۔ وزیر بحری خورشید پاشا۔ وزیر عدالت ممدوح بے۔ وزیر تعلیمات عبدالرحمٰن بے۔ وزیر زراعت سینیاپین افندی، وزیر ڈاک وتلغراف (ڈاک کا صیغہ سابقہ وزارت میں قائم کیا گیا تھا) ابراہیم بے سوسی۔ موجودہ وزارت سے بڑھ کر کوئی وزارت ایسے دشوار مرحلے میں نہ تھی۔ کمیٹی اور مقابلہ دونوں اس کے مخالف اور حب الوطنی کا جوش دکھا رہے تھے کیونکہ عام انتخابات سنہ ۱۹۱۲ء میں ہونے والے تھے۔ سعید پاشا اچھی طرح سے جانتا تھا کہ اطالیہ سے ترکی نہیں لڑ سکتا اور طرابلس حوالے کرنے کے سوا چارہ نہیں۔ اس کے مدنظر صرف ایک امر تھا وہ یہ کہ شرائط جہاں تک ہو سکیں سخت نہوں و نیز نام و نمود کو دخل نہ دیا جائے۔ ایک نقطۂ نظر سے وہ عام جنگی جوش اور مطالبۂ جنگ سے خوش تھا کیونکہ اس ہیجان جنگی سے اطالیہ کے اثر پذیر ہونے کی صورت میں

یہ ممکن تھا کہ وہ ترکی سے آشتی کے ساتھ پیش آئے اور اسے اپنی سابقہ سیاست طرابلس پر گو برائے نام ہی سہی بحال رکھے لیکن اس تصویر کا دوسرا رخ بھی تھا یعنی مطالبہ جنگ اس قدر جوش کے ساتھ کیا گیا تھا کہ اگر سعید پاشا پارلیمنٹ کو صلح کے متعلق اپنے ارادوں سے مطلع کرتا تو نمائندے عوام کے ڈر سے جن کے خیالات میں انھوں نے یہ تلاطم برپا کیا تھا اس کے لئے اظہار طمانیت کرنے سے انکار کرتے۔

فوجی قانون کی رو سے مجلس وزارت پر نکتہ چینی نہیں کی جا سکتی تھی۔ سعید پاشا نے اس ممانعت کو اور بھی محکم کر دیا تھا اور خود محمود شوکت پاشا نے بھی اس کی تائید کی تھی لیکن باوجود اس شدید امتناعی حکم کے "تعنین" میں سعید پاشا کے خلاف ایک سخت مضمون شائع ہوا جس میں جنگ کی حمایت کی گئی اور صدر اعظم پر حصول ثالثی دول کی کوشش میں قیمتی وقت ضائع کرنے کا الزام رکھا گیا تھا۔ اخبار "صلاح کار مشرق" (اورینٹل مانیٹر) کے نمائندے سے اسماعیل حقی بے بابن زادے سابق وزیر تعلیمات نے ملاقات میں ان اسباب کو بیان کیا تھا جن کی وجہ سے جنگ ضروری تھی۔ پہلا سبب اسلامی دنیا میں ترکی کی وقعت تھا جو جنگ نہ کرنے کی صورت میں باقی نہ رہتی۔ دوسرا سبب موجودہ حکومت کا مفاد تھا جسے جنگ نہ کرنے کی وجہ سے سخت صدمہ پہنچتا۔

لیکن اگر سعید پاشا معزول اور پارلیمنٹ برخواست کر دی جاتی تو کون اس کی جگہ مامور ہوتا؟ یہ عام طور پر مشہور تھا کہ سعید پاشا نے صدارت عظمیٰ کو اس شرط پر قبول کیا تھا کہ وہ پارلیمنٹ کو برخاست کر سکے گا چنانچہ برخاست پارلیمنٹ کے متعلق ایک حکم بھی اس کی میز میں تھا)۔ کامل پاشا۔ حلمی پاشا، طلعت بے یا کمیٹی کے اور کسی ممبر کا انتخاب نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ ان لوگوں نے بہت زور و شور کے ساتھ جنگ کی تائید کی تھی۔ اور اب وقت نہ تھا کہ ترک اپنے آپ کو مزید دھوکے میں رکھیں۔ بغیر مصالحت کے کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ سعید پاشا ہی تنہا ایسا شخص تھا جو جرأت اور قابلیت کے ساتھ اس کٹھن کام کو اختتام پر پہنچا سکتا تھا۔ ایسے نازک حالات میں صدارت عظمیٰ کو قبول کر کے اور ختم ملازمت کے زمانے میں سلطنت کے ایک صوبے کی حوالگی کی ذمہ داری کو اپنے سر لے کے جو اس کے

پیشروؤں کی غلطیوں کا نتیجہ تھی سعید پاشا نے اس پیرانہ سالی میں حیرت انگیز اولوالعزمی اور جوانمردی کا ثبوت دیا تھا۔ جو اپنی آپ مثال تھی۔

۱۶ر اکتوبر کو پارلیمنٹ کا اجلاس شروع ہوتے ہی مجلس وزارت حقی پاشا اور محمود شوکت پاشا کی "مطلق العنانی" کے متعلق جو اعتراضات کئے گئے تھے ان پر مباحثہ ہوا۔ مجلس وزارت کی نکتہ چینی کو بذریعۂ مارشل لا ممنوع قرار دیا گیا۔ اعتدال پسند احراری جماعت کے اخبار "تنظیمیت" نے جب اس پر پابندی نہیں کی تو اس کو بند کر دیا گیا۔ جو مضمون "تنظیمیت" میں شائع ہوا تھا وہ رضا توفیق بے کا تھا چنانچہ اس کو اور "تنظیمیت" کے ایڈیٹر لطفی فخری کو فوجی عدالت میں حاضر ہونے کا حکم دیا گیا۔ دونوں نے انکار کر دیا۔ رضا توفیق اور محمود شوکت میں خاصی جنگ ہو پڑی۔ رضا توفیق نے خلاف ورزی دستور کی پاداش میں محمود شوکت سے مواخذے کے لئے پارلیمنٹ میں مسودۂ قانون پیش کرنے کا اعلان کیا۔ مقابلے کا ایک وفد جس میں رضا توفیق بے، ابوضیا توفیق بے نمایندۂ عدلیہ، عمر افندی نمائندۂ کراسی، جنرل اسماعیل حقی پاشا نمائندۂ ایسیا تھے۔ صدر اعظم کے پاس گرفتاری کے خلاف احتجاج کرنے پہنچا۔ سعید پاشا نے کہا کہ اس حکم سے وہ لاعلم ہے اور یہ حکم منسوخ ہونا چاہیئے لیکن محمود شوکت لطفی فخری کی گرفتاری کے احکام دینے پر مصر تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ مسئلہ پارلیمنٹ میں کئی دن تک چھڑا رہا اور فریقین میں بڑے جھگڑے ہوئے۔ رضا توفیق بے، لطفی فخری بے، بصری بے، البانی نمایندہ دبرہ، صدقی بے نمایندۂ عیدن نے وزیر جنگ پر نہایت سختی اور چالاکی سے حملے کئے۔ صدر اعظم نے یہ سمجھکر کہ محمود شوکت کے بغیر وہ حکومت نہیں کر سکتا ۹ر نومبر کے اجلاس میں اس کی بہت زور سے تائید کی۔ اجلاس میں ایک ہنگامہ بپا تھا اتحاد و ترقی کی بھی ایک جماعت بظاہر مقابلے کا ساتھ دینے پر مائل تھی۔ اس اثنا میں ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا۔ اب مباحثہ موقوف اور اس روز کی مختلف کارروائیوں کے متعلق ووٹ لئے جانے والے تھے کہ چتون بے نمایندہ بن غازی منبر پر چڑھا۔ چھ روز پیشتر ترکی اخبارات نے لکھا تھا کہ اس نے ستر ہزار "شیروں" کے ساتھ جو عثمانی یا عرب تھے بن غازی میں اطالویوں کو

ہزیمت دی تھی۔ جب وہ منبر پر آیا تو سب کے سب بھوچکے رہ گئے۔ اس نے کہا کہ اطالویان طرابلس و بن غازی کے حوصلے پست اور وہ مایوس ہو گئے ہیں لیکن انھیں قطعی طور پر شکست دینے کے لئے عثمانیوں کا آپس میں متحد ہونا لازمی ہے۔ وزرا نے مرحبا کے نعرے بلند کئے۔ ارکان مقابلہ پر بھی جوش چھا گیا۔ اعتدال پسند احرار اور عمومیت پسندوں نے اپنی تحریک واپس لی اور ارکان نے اپنے ہاتھ بلند کرکے سعید بے غالب جماعت وزرا کے صدر سے حسب ذیل قرار داد پر اتفاق کیا کہ "ارکان وزیر جنگ کے اس بیان پر یقین کرتے ہیں کہ کوئی نمائندہ گرفتار نہیں کیا گیا اور یہ خواہش ظاہر کرتے ہیں کہ پارلیمنٹ کا کوئی رکن عدالت فوجی میں طلب کیا جائے گا۔ یہی آج کا حکم رہے گا۔ پانچ نمائندوں نے اس حکم پر اپنے ہاتھ نہیں بلند کئے۔ لطفی فخری بے مدعیٔ رضا توفیق بے، بصری بے، مصطفےٰ عارف بے، اور ماہر سعید بے۔

سعید پاشا کے نا ملائم و استبدادی لہجے پر جب کہ اس نے وزیر جنگ کی تائید میں تقریر کی تھی بہت کچھ نکتہ چینی کی گئی تھی۔ مجلس وزرا میں اس کا طرز بیان اور بھی خشونت لئے ہوئے تھا۔ سلطان کے معتمد اعلیٰ خالد ضیا بے کا انتخاب رکنیت مجلس اعیان پر کیا گیا تھا۔ مجلس اعیان میں یہ سوال پیدا ہوا کہ آیا حرم سرائے سلطانی کے منصب کے ساتھ رکنیت مجلس اعیان کی خدمت بھی اس کو دی جاسکتی ہے۔ مرافعے سے نفی میں فیصلہ ہوا۔ صدر اعظم مجلس اعیان سے اس فیصلے کو بدلوانا چاہتا تھا۔ بہت شدید مباحثہ ہوا جس میں سعید پاشا کو کامیابی نہوئی کیونکہ مارشل غازی احمد مختار پاشا، صدر اعظم سابق حلمی پاشا، اور نوراڈنگھین افندی سابق وزیر تعمیرات اس کے مدمقابل تھے جنھوں نے اس پر مستعدی کے ساتھ مباحثہ کیا مجلس اعیان نے اس کی تقریر کو سننے سے انکار کیا۔ صدر اعظم نے جھلا کے کہا کہ "اگر مجلس اعیان مجھ کو تقریر کی اجازت نہیں دیتی ہے تو میں اس کے فیصلے کی تعمیل کروں گا۔ اور اس کمرے سے چلا جاؤں گا۔"

مجلس نے جب تصفیہ کیا کہ اس کی رائے کے بعد صدر اعظم کو ایک طے شدہ مسئلے پر دوبارہ مباحثے کا حق نہیں تو سعید پاشا نہایت غصے میں یہ کہہ کے

چلا گیا کہ "بہت اچھا میں پرسوں لطفی فخری کا واقعہ سمجھانے آؤں گا یا کسی کو بھیجدوں گا" وہ دوسرے روز ہی آموجود ہوا۔ اور نخوت آمیز لہجے میں مجلس کو یہ یقین دلانے کی کوشش کی کہ خالد ضیا بے کا وقت واحد میں دو خدمتوں پر مامور کیا جانا بالکل ضابطے کے موافق ہے۔ اور پھر بغیر جواب سنے وہ چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد حلمی پاشا اور سابق صدر اعظم فرید پاشا کی رائے سے مجلس اعیان نے ایک وفد سلطان کے پاس اس استفسار کے لئے بھیجا کہ خالد ضیا بے یا تو معتمد اعلیٰ کی خدمت پر مامور رہے یا رکن مجلس اعیان کے فرائض بجالائے۔ سلطان نے "آرڈیلا" کے ذریعے مجلس وزرا کے فیصلے کی تعمیل کا حکم دیا اور اس تصفیئے کو نامنظور کیا جس سے ضیا بے ایک سے بڑھ کر خدمات انجام دینے کا مستحق نہیں سمجھا گیا تھا۔ مجلس اعیان کے جواب کا بے چینی سے انتظار تھا لیکن اس اثنا میں خالد بے نے بحیثیت رکن مجلس اعیان اپنا استعفا پیش کر دیا اس پر بھی اصولی بحث جو اس مسئلے کے متعلق باقی تھی وہ باقی رہی۔ مجلس اعیان نے یہ تصور کر لیا کہ فیصلہ اس کے منشاء کے موافق ہو گیا کیونکہ دستور کے لحاظ سے ترجمانی قوانین کا حق صرف اسے ہی حاصل تھا۔ ابھی صدر اعظم اور مجلس اعیان میں اس سے بھی بڑھ کر ایک بڑا جھگڑا پیش آنے والا تھا۔ یہ دستور کی دفعہ ۳۵ کی تبدیلی کے متعلق تھا۔ سعید پاشا کی تجویز کی رو سے زمانۂ امن میں بغیر اجازت مجلس اعیان سلطان پارلیمنٹ کو برخاست کر سکتا اور زمانۂ جنگ میں التوا کا حکم دے سکتا تھا۔ یہ تجویز ایسی تھی جس پر عمل کرنے کی صورت میں دستور کو ایک آفت ناگہانی کا سامنا کرنا پڑتا۔ چنانچہ تاریخ ما سبق اس کی شاہد تھی۔ ۲۶ دسمبر کے اجلاس میں سعید پاشا نے اس تحریک کی دو ضرورتیں بیان کیں۔ پہلی ضرورت ایک عام حیثیت رکھتی تھی لیکن خصوصیت کے ساتھ اس نقطۂ نظر سے اس پر زور دیا گیا تھا کہ سلطنت میں خلافت کا شمول متقی مسلمانوں کی خوشنودی کا باعث تھا چنانچہ اس تجویز سے "سلطان خلیفہ" کے اختیارات میں توسیع ہو کر تمام خدمات عامہ میں توازن قائم رہتا۔ دوسری ضرورت جو بیان کی گئی تھی وہی دراصل بنائے تجویز تھی۔ اور وہ اطالیہ سے صلح کرنے کے لیے ایک قومی حکومت کی ضرورت تھی۔

صلح اسی صورت میں ہو سکتی تھی جب کہ طرابلس اور سائر تیکا اطالویوں کے حوالے کیے جاتے۔ صدر اعظم کے اس استدلال سے ارکان مقابلہ سخت برہم ہو گئے چنانچہ ان کے ایک قائد رضا نور بے نمایندۂ سائنوپ نے سعید پاشا سے کہا "تم طرابلس کو اسی طرح فروخت کرنا چاہتے ہو جس طرح تھسلی کو فروخت کیا"

صدر اعظم کا صلح کا خیال درست تھا کیونکہ جنگ جس قدر طول کھینچتی اسی قدر مانٹینگرو اور سہرویا کی سرحد پر خطرہ بڑھتا جاتا لیکن یہ خطرناک صورت حال پارلیمنٹ کے کیونکر ذہن نشین کی جاتی جب کہ عوام کو اس قدر اطمینان دلایا گیا تھا کہ حالات نہایت اطمینان بخش ہیں۔ صدر اعظم نے سوچا کہ صرف ایک طریقے سے ہی مقصد حاصل ہو سکتا ہے وہ یہ کہ دستور کی دفعہ ۳۵ میں ذرا سی تبدیلی کر کے پارلیمنٹ کو برخاست کیا جائے۔ یہ سچ ہے کہ دستور کی دفعہ سات میں لکھا تھا کہ "مصالحت، تجارت، اور الحاق یا حوالگی علاقہ ہائے سلطنت کے لیے پارلیمنٹ کی پسندیدگی ضروری ہے"۔ اس دفعہ کی نظر کرتے برخاست یا التوائے پارلیمنٹ سے مشکل رفع نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ صدر اعظم کی تجویز کے مطابق برخاست پارلیمنٹ کے تین ماہ کے اندر جو نئی پارلیمنٹ مرتب ہوتی اس سے معاہدۂ صلح کے متعلق اظہار پسندیدگی حاصل کیا جاتا۔ پارلیمنٹ کی اس باضابطہ توثیق کے حصول کے لیے کمیٹی نے ایسے انتخابات کی تجویز ٹھیرائی تھی جس میں بہت بڑی جماعت ارکان غلبہ کی ہوتی۔

کوئی تجویز اسی وقت منظور ہو سکتی تھی جب کہ دو ثلث ارکان متفق الرائے ہوتے اس لحاظ سے سعید پاشا کی تحریک کا نامنظور ہونا یقینی تھا "تعنین" نے جو خاص کمیٹی کا اخبار تھا اس مسئلے میں ایک نئی بات پیدا کی اور ایک مضمون میں جس کا عنوان "یہ برخاست پارلیمنٹ نہیں بلکہ تباہی پارلیمنٹ ہے" تھا اس نے اراکین مقابلہ پر ملامت کی کہ ملک کو اطالویوں کے حملۂ طرابلس سے اتنا نقصان نہیں پہنچا جتنا ان سے پہنچ رہا ہے۔ انقلاب پسند بلغاریویوں نے مقدونیہ میں اتنا فساد نہیں پھیلایا جتنا وہ پھیلا رہے ہیں۔ پارلیمنٹ کی پناہ میں انھوں نے کوئی بیضا بطگی نہیں چھوڑی۔ وہ تباہی کے قریب پہنچ چکے ہیں۔ کوئی محبّ وطن ترک ایسا نہیں

جس کی دعا اللہ سے یہ نہو کہ ترکی کو اس پارلیمنٹ سے نجات دے۔ ان آدمیوں کی بدعنوانیوں کو یاد کرتے ہیں تو بے اختیار خیال آتا ہے کہ جندرمہ (فوج) کا ستم ان کے ستم سے اچھا تھا۔ مضمون ان الفاظ پر ختم ہوتا تھا۔

قوم کو ان سے کسی بھلائی یا کسی ملکی خدمات کی توقع نہیں ہے یہ جذبات اور شدید مخالفت سے اندھے ہو گئے ہیں۔ اراکین اتحاد و ترقی نے اس بات کو سمجھ کر یہ ارادہ کر لیا ہے کہ ایکدم سب مل کر رکنیت پارلیمنٹ سے استعفا پیش کر کے اپنی حب الوطنی کا ثبوت دیں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ پارلیمنٹ میں اب زندگی کے آثار نہیں۔ مجلس کاملہ کے لیے جملہ اراکین کی نصف تعداد ہونی لازمی تھی۔ اتحاد پسندوں کی علاحدگی کے بعد پارلیمنٹ برخاست ہو جاتی اور نئے انتخابات شروع ہوتے۔ اراکین مقابلہ نے صدر اعظم کی تجویز کو میدان بحث میں نہ لانے کے لئے پارلیمنٹ سے غائب ہونے کی ترکیب نکالی۔ ۳۰ دسمبر کو اجلاس نہو سکا کیوں کہ جملہ ایکسو اکتیس اتحاد پسند ارکان حاضر تھے اور مجلس کاملہ کے لیے ایکسو انتالیس نمائندے ہونے چاہیئے تھے۔ صدر اعظم نے تقریر کی اور کہا کہ اگر تعداد معینہ پوری رہتی تو میں مسودۂ قانون دربارۂ تبدیلی دستور کے متعلق گورنمنٹ کے خیالات کو شرح و بسط کے ساتھ بیان کرتا۔ لیکن اس پر بھی موجودہ نمائندوں اور گیلری کے عام حضرات کے سامنے ان خیالات کی توضیح کرتا ہوں۔ ساتھ ہی اس نے اس مسئلے کو مذہبی نقطۂ نظر سے پیش کیا۔ اس نے کہا کہ تمام قوانین کو قانون شریعت کی پابندی ضروری ہے کیوں کہ سلطنت کا سرکاری مذہب اسلام ہے۔ اس اعتبار سے ۱۹۰۹ء میں برخاست پارلیمنٹ کے متعلق اختیارات سلطانی کی جو حد بندی کی گئی وہ شریعت کے منافی ہے۔ اسی بنا پر گورنمنٹ نے یہ مسودۂ قانون پیش کیا ہے جس سے سلطان کو برخاست پارلیمنٹ کا پورا اختیار دیا گیا ہے۔ یہ اصول کوئی نیا اصول نہیں بلکہ تمام دستوری حکومتوں کا مسلمہ اصول ہے۔ صدر اعظم کی تقریر کے بعد وزیر جنگ نے تقریر کی یہ تقریر بے محل تھی کیونکہ اس کے مخاطب تمام وزرا تھے جن کے متعلق اراکین مقابلہ نے تبدیلی دستور کے بانی مبانی ہونے کا الزام دیا تھا۔ محمود شوکت پاشا نے

تبدیلی دستور کے متعلق بے سروپا افواہ" کی بہت زور کے ساتھ تردید کی۔ اس نے کہا کہ مجلس وزرا کے متعلق کبھی یہ خیال نہ کرنا چاہئے اور خصوصاً ایسی مجلس وزرا سے کبھی ایسی توقع نہیں ہو سکتی جس کا میں رکن ہوں۔ دستور کبھی نہیں بدل سکتا کیونکہ ہماری شاندار فوج اس کی محافظ ہے۔"

آخر میں سعید پاشا نے کہا کہ نمایندوں کی عدم موجودگی سے خیال ہوتا ہے کہ وہ دفعہ ۳۵ کو بحث میں لانا نہیں چاہتے۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ مجھے اور میری تجویز کو پسند نہیں کرتے۔ بدیں سبب میں اپنی خدمت سے سبکدوش ہوتا ہوں۔ دوسرے دن سلطان نے اس کو ایک نئی کابینہ کی ترتیب کا حکم دیا۔

اس ترتیب میں مختلف مشکلات کا سامنا ہوا۔ جلال بے وزیر داخلی اور جلوسی بے وزیر تعمیرات نے نئی مجلس کی رکنیت سے انکار کیا۔ طلعت بے نے وزارت داخلی قبول کی لیکن سلطان نے صدر اعظم کو ہدایت دی کہ نمایندۂ ایڈریانوپل کے سوائے کسی اور کا انتخاب زیادہ مناسب ہوگا۔ وزیر جنگ، وزیر البحر، وزیر خارجہ، وزیر عدالت، وزیر مالیہ وزیر اوقاف، اور وزیر ڈاک وتلغراف اپنی اپنی خدمت پر بحال رہے۔ شیخ الاسلام کے متعلق فری میسن ہونے کا الزام تھا اس لیے اس کی جگہ قاضی مصر عبد الرحمن نصیب افندی مامور ہوا۔ امر اللہ افندی وزیر تعلیمات مقرر ہوا جس پر وہ پہلے بھی مامور تھا۔ سینیا پین افندی وزیر معدنیات وجنگلات، وزیر تعمیرات ہوا۔ اس کی بجائے ارستیدی پاشا وزیر معدنیات وجنگلات بنایا گیا۔ ممدوح بے وزیر عدالت کو مناسب انتظام ہونے تک وزارت داخلی کی خدمت بھی سپرد ہوئی۔ بالآخر ۱۲ جنوری ۱۹۱۲ء کو طول طویل مباحثے کے بعد اختتام بحث کے لیے تجویز صدر اعظم کے بارے میں رائیں لی گئیں۔ ۱۴۴ رائیں موافق اور ۱۰۵ مخالف نکلیں اور چار ارکان نے اپنی رائے کا اظہار نہیں کیا۔ چونکہ دو ثلث ارکان متفق نہ تھے اس لئے تجویز نامنظور ہوئی۔

سعید پاشا نے دفعہ (۷) کے مطابق سلطان سے برخاست پارلیمنٹ کی درخواست کی۔ ۱۸ جنوری خاتمۂ اجلاس کے روز سلطان کا مقرب خاص

باقاعدہ لباس اور احتشام کے ساتھ مجلس اعیان میں پہنچا دیوان مباحثہ میں پریزیڈنٹ غازی احمد مختار پاشا نے اس کا استقبال کیا اور اس سے سُرخ اطلس کا ایک لفافہ لیا جس میں سلطانی خط شریف تھا۔ اس کا بوسہ لیا اور اسے پیشانی سے لگایا۔ مقرب خاص واپس ہوا تو پریزیڈنٹ نے منبر پر چڑھ کے خط شریف پڑھا جو حسب ذیل تھا۔

معزز ارکان مجلس اعیان۔

موجودہ حالات کے نظر کرتے ہیں نے برخاست پارلیمنٹ کے متعلق تجویز کی ہے چنانچہ انتخابات عمل میں آکے جدید پارلیمنٹ حسب وفعہ (۷) تین ماہ کے اندر ترتیب دی جائے گی۔ حسبۂ مجلس اعیان نمائندگان پارلیمنٹ کو اس کی اطلاع دیدی گئی۔

چھ اراکین کے مطالبے پر جن میں ایک مصری، ایک بلغاریہ، دو آرمینی، ایک کوٹزو والیک اور ایک مارونیتی تھے مجلس اعیان کا خفیہ اجلاس ہوا" حالانکہ جنرل رضا پاشا سابق اعلیٰ افسر توپخانہ، اور مارشل فواد پاشا فاتح البانیا نے اس اجلاس کے خلاف احتجاج کیا تھا لیکن مطالبہ باضابطہ تھا۔ اگر پانچ اراکین کی طرف سے بند دروازوں کا مطالبہ کیا جائے تو مجلس اعیان تجویز کا خفیہ طور پر فیصلہ کرے گی۔ کمیشن مجلس اعیان نے ۲۰ ہر کو اپنی رپورٹ پیش کی جس میں سات ووٹ سے بمقابلۂ دو ووٹ کے برخاست پارلیمنٹ کی تحریک منظور کی گئی تھی۔ اس کے متعلق انتالیس رائیں موافق پانچ مخالف اور ایک غیر جانبدار تھی۔ پانچ اراکین جنھوں نے مخالفت کی ان کے نام حسب ذیل ہیں:۔ مارشل فواد پاشا، سابق صدر اعظم فرید پاشا ولورا، داماد فرید پاشا جو سلطان کا بھتیجا داماد تھا، جارجیا ویس افندی سابق والی سیموس، شیخ عبدالقادر امیر کبیر کردستان۔ عازیرین افندی وزیر سفارت دول نے کوئی رائے نہیں دی۔ اور غیر جانبدار رہا۔ اب برخاست پارلیمنٹ کا اعلان کرنا تھا۔ اجلاس پانچ بجے شروع ہوا۔ وزیر عدالت ممدوح پاشا نے حکم پڑھا جو حسب ذیل الفاظ پر ختم ہوتا تھا:۔

"دستور کی ساتویں دفعہ کی رو سے میں نے بمنظوری مجلس اعیان

برخاست پارلیمنٹ کا فیصلہ کیا ہے اس لیے حکم دیا جاتا ہے کہ تین ماہ کے اندر جدید انتخابات عمل میں آئیں اور پارلیمنٹ کے از سر نو اجلاس ہوں۔ صدر اعظم اس فرمان کی بجا آوری کا ذمہ دار ہوگا۔

پریزیڈنٹ بغیر کچھ کہے سنے اپنی جگہ سے اٹھا۔ نمایندگان مقابلہ نے ایک ساتھ "دستور زندہ باش" "قوم زندہ باش" کے نعرے لگائے۔

وزرا نے جواب میں "سلطان زندہ باش" کی صدا بلند کی۔ رضا نور نمائندۂ سائنوپ نے کہا "پارلیمنٹ برخاست کر دی گئی لیکن ہم دستور کی حمایت میں لڑے اور اب پارلیمنٹ سے اطمینان ضمیر اور راستبازی کے ساتھ علیحدہ ہوتے ہیں"

صدر اعظم اور کمیٹی نے متفق ہو کے پارلیمنٹ برخاست کرنے کی کوشش کی تھی جس میں مقابلے کا عنصر اس قدر زبردست ہو گیا تھا کہ گورنمنٹ کچھ کام نہیں کر سکتی تھی اور اتحاد پسند جماعت کو بھی خطرہ تھا کہ کہیں اس کے ارکان مقابلے کا ساتھ دے کے اس کا زور نہ توڑ دیں۔ جب لڑائی کا خاتمہ ہوا اور مقابلے کو شکست ہوئی تو صدر اعظم اور کمیٹی میں اختلاف ہوا۔ سعید پاشا چاہتا تھا کہ انتخابات ایک غیر محدود عرصے تک ملتوی رہیں اور از روئے دفعہ ۳۶ احکام نافذ کیے جائیں لیکن کمیٹی کا خیال یہ تھا کہ انتخابات جلدی کے ساتھ ہونے میں اس کا فائدہ ہوگا۔ تعنین نے جس کے معاونین میں مرکزی کمیٹی کے نہایت ذی اثر اراکین تھے صدر اعظم پر سخت حملہ کیا اس پر بیکاری کا الزام دھرا اور اس کا مضحکہ اڑایا۔

اس اخبار کے ایک مضمون میں لکھا گیا تھا کہ حکومت نے پارلیمنٹ سے رہائی پانے کے لیے تو کوشش عاجلانہ کی۔ بڑی بے صبری کے ساتھ اس کو اس خوشگوار زمانے کا انتظار تھا جب کہ وہ آزادی اور مستعدی سے امور مملکت کا انصرام اور آپ کو کارآمد ثابت کر سکتی تھی۔ بڑی وجہ جو برخاست پارلیمنٹ کی بتائی گئی وہ یہ تھی کہ پارلیمنٹ اس کے نیک کام میں مانع و مزاحم ہوتی ہے لیکن ادھر پارلیمنٹ برخاست ہو گئی اور ادھر حکومت کا جوش ٹھنڈا ہو گیا۔ حکومت نے کہا کہ "چلو اب تمام میری ایڑی چوٹی کا زور صرف ہو گیا۔ اب مجھے آرام لینا چاہیئے۔ یاداش! یاداش! (دھیمے۔ دھیمے) لفظ "یاداش" سے

ترکی کا سارا فلسفہ بالکل اسی طرح ظاہر ہوتا ہے۔ جیسا لفظ "نٹکیو" سے روسی فلسفہ۔ طرفداران نظریۂ یاواش کو اچھی طرح سے لتاڑنے کے بعد اخبار مذکور استفسار کرتا ہے کہ آیا سعید پاشا کو خوش کرنے کے لیے واقعات کا دریا بہنے سے رک جائے گا یا یورپ پر نیند مسلط ہو جائے گی؟ مضمون کا خاتمہ ان الفاظ پر ہوتا ہے "جو لوگ ثابت قدم نہیں ہیں یا جو لوگ نااہل ہیں اور نازک حالات میں بھی سوائے "یاواش!" یاواش! کے اور کوئی اصول نہیں جانتے وہ آخر میں اوندھے منہ گر پڑتے ہیں"۔

نئے انتخابات کا مرحلہ نہایت افسوسناک طریقے پر عمل میں آیا۔ امیدواران مقابلہ کے ساتھ سخت جبر و تعدی کی گئی۔ ان کے اخبارات بند کر دیے گئے۔ اور ان کے ایڈیٹروں اور مہتممون کو قید اور جرمانہ کیا گیا۔ بعض اوقات تو قتل سے بھی کام لیا گیا چنانچہ رضا توفیق بے گولڈ جینا میں قتل ہوتے ہوتے بچ گیا۔ اس کی شہر (ولایت بروسہ) اور لن غازہ (ولایت سالونیکا) میں مسلح فوج نے انتخاب کنندگان مقابلہ پر فائر کیا۔ کئی آدمی مارے گئے۔ اور کئی زخمی ہوئے۔

۱۱ر اپریل سے نئی پارلیمنٹ کے اجلاس شروع ہوئے۔ جدید پارلیمنٹ نے تحفظ طرابلس کے لیے قسم کھائی لیکن اس نے اپنی پیشرو کی طرح ہاتھ پر ہاتھ دھرے رہی۔ باوجود کمیٹی کے اثرات کے مقابلے کی قوت اب بھی اس قدر بڑھی ہوئی تھی جس سے اتحاد پسند جماعت (جو غالب جماعت تھی) کا زور ٹوٹ سکتا تھا۔ اس کی زیادہ تر وجہ یہ بھی تھی کہ بہت سارے ارکان کم ہمت اور غیر مستقل مزاج تھے اور جدھر ہوا کا رخ دیکھتے اس طرف رائے دیدیتے تھے۔ صدر اعظم کی مرضی شروع سے انتخابات کے خلاف تھی اس لیے اس نے علیل ہونے کا بہانہ کیا اور اجلاس میں نہ آیا۔

صوبوں میں انتخابی ہنگاموں کا نتیجہ یہ ہوا کہ البانیا باغی ہو گیا۔ گو باقی تمام دنیا اس بغاوت کے متعلق پہلے سے جانتی تھی لیکن گورنمنٹ کو اس کا وہم و گمان بھی نہ تھا چنانچہ جب بغاوت ہوئی تو گورنمنٹ کے پاس اس کی مدافعت کے لیے ناکافی فوجیں تھیں۔ مہلت حاصل کرنے کے لیے اس نے باغیوں سے گفت و شنید کی اور انھیں اپنے شکایات بیان کرنے کے لیے کہا اور دستور کی حد تک اصلاحات عمل میں لانے کا

وعدہ کیا۔ البانیوں کو معلوم تھا کہ یہ سب فرصت حاصل کرنے کی چالیں ہیں۔ جون میں مجلس قومی کا جوک میں اجلاس ہوا جو ایک چھوٹا سا مقام جاکو وا اور آئیک کے درمیان ہے اور جہاں سابق میں سرداران قبائل کی کمیٹیاں ہوتی تھیں۔ اس اجلاس میں قبائل تُوسک اور گیگ نے بھی اپنے وفد بھیجے تھے حالانکہ یہ قبائل اس وقت تک ارناوطیوں کے سخت دشمن تھے۔ مسلمان، کاتھولی اور کلیسائے یونانی کے قبائل کے چھیاسی سردار اس جلسے میں حاضر تھے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ کلیسائے یونانی کے البانیوں نے (جن کا وطن نالوف البانیائے تحتی ہے) یہ پہلی دفعہ ترکوں کی مخالف تحریک میں حصہ لیا تھا۔ ۱۹۱۱ء میں کلیسائے یونانی کے البانیوں نے شاید اس وجہ سے کہ وہ ایک حد تک یونانی تھے مسلمانوں کے ساتھ ہونے سے انکار کیا تھا چنانچہ یہی وجہ تھی کہ تاسکیوں کی بغاوت ناکام رہی۔ جونک کے جلسے میں تقریباً تمام البانی قوم کے نمایندے موجود تھے کیونکہ شمال میں پلیویا سے جنوب میں پریویزا تک اور ساحل ایڈریاٹک سے دہانۂ وردر تک جتنے اضلاع تھے ان سب کے وفد آئے تھے۔ اس اجلاس کی صدارت کالری بیوکا، واکشی (علاقۂ کوسود) کے ایک مسلمان سردار نے کی۔ اس بغاوت کا ملک میں مضبوطی کے ساتھ جڑ پکڑنے کا حال اس بات سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ قائدین تحریک صرف وہی لوگ نہ تھے جو ۱۹۰۸ء سے ترکوں کے مقابلے میں پہاڑی علاقے میں مسلط ہو گئے تھے جیسے عیسی بولبٹینیا نثر، فنطہ دوو ا، سفر ادریس، رضا بے غیلانی وغیرہ بلکہ جنوری میں جو پارلیمنٹ برخاست کر دی گئی تھی اس کے نہایت با اثر البانی نمائندے بھی اس میں شامل ہو گئے تھے۔ ان نمایندوں کے نام حسب ذیل ہیں۔ بصری بے نمائندۂ و برہ حسن بے ویحیٰی بے نمائندگان اسقب۔ یحیٰی بے ایک عالم شخص اور اپنے علم اور خصائل حسنہ کی وجہ سے بہت عزت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ نجیب بے دراغہ نمایندہ پرشتینا، اسماعیل کمال بے نمایندۂ براٹ جو بانی بغاوت تھا اور ایسے ہی بہت سے لوگ تھے۔

حکومت کی سراسیمگی کو البانی افواج کی بغاوت نے مکمل کر دیا۔ کپتان

طیّار بے نے مونستر میں کمیٹی سے بغاوت کا انھیں الفاظ میں اعلان کیا جن الفاظ میں نیازی بے نے سلطان عبدالحمید کے خلاف اعلان کیا تھا۔ اور اپنے دو ہمراہیوں کے ساتھ البانیوں کو خصوصاً فوجی آدمیوں کو مسلح ہونے کی دعوت دے کے پہاڑوں میں فرار ہو گیا۔ البانی سپاہی اپنی اپنی چھاؤنیوں سے ایک ہی وقت میں فرار ہوئے۔ ان مفرورین کی حسب قرار داد سابق بیقاعدہ ٹکڑیاں ہو گئیں حکومت کو اپنی فوج کے غیر البانی افسروں پر بھی بھروسا نہ تھا کیوں کہ ان میں کے اکثر فوجی لیگ کے ممبر تھے جسے مقابلے کے کارپردازوں نے کمیٹی کے مقابل تلوار کا تلوار سے مقابلہ کرنے قائم کیا تھا۔ غرض فوج میں بدنظمی کا عالم تھا۔ یہ بات نہ تھی کہ بلند حوصلہ جنرل حصول اقتدار کے لئے باغی ہو گئے تھے۔ برعکس اس کے جتنے اعلیٰ افسر تھے وہ حیرت انگیز طور پر خاموش تھے ان کے اس قدر سکوت سے گمان یہ گزرتا تھا کہ انھیں اپنی ذمہ داری کا خوف ہے اور اس ذمہ داری سے بچنے کے لیے وہ ساکت وصامت ہیں۔ جنھوں نے البانیا کی کایا پلٹ کرنے کی کوشش کی تھی وہ فوج کے معمولی عہدہ دار لفٹنٹ، سب لفٹنٹ، کپتان اور سبلٹرن افسر تھے۔ ترکی شاہی فوج کے مظالم رخصت ہونے کا اب وقت آگیا تھا۔

چونکہ نوجوان ترکوں اور دیگر انقلابی کمیٹیوں نے کامیابی کے ساتھ حمیدی حکومت کا خاتمہ کیا تھا اس لیے ترکی میں خفیہ سوسائٹیوں کا مذاق عام ہو گیا تھا۔ جن افسروں نے عبدالحمید کے خلاف سازش کی تھی انھوں نے دستور کی عملداری کے بعد بھی خفیہ کمیٹیوں کا سلسلہ باقی رکھا۔ اتحاد و ترقی کی جماعتوں نے ان افسروں کی معاونت کی اور جہاں جہاں چھاؤنیاں تھیں وہاں اتحادی کلب قائم کرنے اور جہاں تک ہو سکے ان میں ممبر زیادہ کرنے کی ہدایت دی۔ جو افسر کمیٹی کے مخالف تھے انھوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کے حکومت کے خلاف بہ اطمینان تمام سازش اور ایک فوری حملہ کی تیاری کی۔ ماہ مارچ اور اس کے بعد سے مونستر میں ایک خفیہ سوسائٹی قائم تھی جس نے اتحادی کلب کے پردے میں جماعت اتحاد و ترقی کے تمام مخالفین کو سمیٹا تھا۔ اس خفیہ سوسائٹی کا نام "حفظ وطن" تھا اور اس کی شاخیں پرلیپی، وبرا، فلورینہ، فرینڈووک،

سیریس وغیرہ میں تھیں۔ اس نے مالی اور فوجی عہدہ داروں کو اپنا طرفدار بنانے کی کوشش کی خصوصاً البانیائے تحتی میں اس نے اپنی بہت سرگرمی دکھائی۔ طیار بے جس نے مونستر میں کمیٹی کی مخالفت کا اعلان کیا تھا اس سوسائٹی کا ایک قائد تھا۔

سربرآوردہ ارکان نے تحریک کو سلطنت عثمانیہ کے لیے عام کرکے طلعت بے وزیر ڈاک و تلغراف، محمود شوکت پاشا وزیر جنگ، جاوید بے وزیر تعمیرات، ایوب صبری بے جنرل سکرٹری کمیٹی کے مستعفی کیے جانے کا مطالبہ کیا۔ چونکہ پارلیمنٹ میں تمام کمیٹی کے ہی ساختہ پرداختہ ارکان تھے جن کے انتخابات حکومتی دباؤ سے ہوئے تھے اس لیے موجودہ پارلیمنٹ کو برخاست کرکے انتخاب کنندگان کی پوری آزادی کے ساتھ جدید انتخابات عمل میں لائے جانے کی بھی درخواست کی گئی تھی۔ نیز حق آزادی مطابع اور حق انعقاد جلسہ واپس دیے جانے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ حکومت حیران تھی کہ کیا کرے۔ معلوم ہوتا تھا کہ چھٹے دستے کے افسر جنرل فتحی پاشا اور جنرل ذکی پاشا دوسری ڈویژن کے افسر نے (اس ڈویژن میں سالونیکا کا پانچواں، مونستر کا چھٹا، اسقب کا ساتواں دستہ ونیز سقودرہ، کوزانہ، اور جانینہ کے خودمختار فوجی دستے شامل تھے) باغیوں سے سمجھوتہ کیا ہے۔ انھوں نے استامبول کو تار روانہ کیا کہ اگر جبر و زیادتی سے کام لیا گیا تو فوجیں بددل ہوجائیں گی۔ محمود شوکت نے اس امر پر زیادہ زور دیا کہ توسیع بغاوت کے قبل ہی بغاوت کا فی الفور مستعدی کے ساتھ خاتمہ کر دیا جائے۔ ۲۹ جون کو حکومت نے ایک مسودۂ قانون منظور کیا جس کی نو دفعات تھیں اور جس میں افسروں کو سیاسیات میں دخل دینے کی ممانعت کی گئی تھی۔ اس قانون کے بارے میں لفٹننٹ تحسین افندی نے جو سابق میں کمیٹی کا نہایت محبّ وطن ممبر تھا اخبار "صلاح" میں لکھا کہ "بس ختم بھی کرو۔ سب لفاظی ہی لفاظی ہے اور کچھ نہیں۔ ہمیں اب ضرورت ہے تو عمل کی ہے۔ اب تک ہم کو جن بدقسمتیوں کا سامنا کرنا پڑا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ تم لوگ اپنا وقت شیخی اور خودستائی میں صرف کرتے ہو اور جو کہتے ہو اس کو عمل سے ثابت نہیں کرتے۔ اگر حکومت کرنی تمھیں منظور ہے تو عقل کے ساتھ حکومت کرو ورنہ اپنا بستر سنبھالو اور قابل

اشخاص کو اپنی جگہ کام کرنے دو"۔ ایک دوسرے مضمون میں اسی اخبار نے لکھا تھا کہ ضرورت اس کی ہے کہ وزیر جنگ کی آنکھیں نکالدی جائیں۔ ہاتھ اور پیر کاٹ دیے جائیں۔ حکومت ٹس سے مس نہ ہوئی۔ محمود شوکت نے جب قانون فوجی کے مطابق ولایت قسطنطنیہ میں "صلاح" کی فروخت اور داخلہ ممنوع قرار دیا تو ایک مضمون میں جس میں ذلیل ترین پیرائے میں وزیر جنگ کو نشانۂ ملامت بنایا گیا تھا قانونی چارہ جوئی کی دھمکی دی گئی تھی۔ جولائی کی گیارھویں شب کو محمود شوکت پاشا نے اپنا استعفا پیش کیا جس کی عبارت حسب ذیل تھی:۔

یورہائنس پارلیمنٹ نے ضمیمۂ قانون تعزیرات فوجی کو جس میں تمام مدارج کے فوجی آدمیوں کو سیاسیات میں حصہ لینے سے ممانعت کی گئی ہے منظور کر لیا ہے اور اب توثیق کے لئے یہ ضمیمہ مجلس اعیان میں پیش ہوگا۔ اس کے احکام صاف وصریح ہیں اور اس کی پابندی لازمی ہوگی۔ تین سال سے میں صیغۂ فوج کا افسر اعلیٰ رہا ہوں۔ میرے خیال میں ملازمت کے لحاظ سے یہ بہتر ہوگا کہ نئے قانون کے نفاذ کے ساتھ نیا وزیر جنگ مامور ہو۔ صرف یہی وجہ نہیں بلکہ گزشتہ چند روز کی مصروفیتوں نے بھی میری صحت پر بار ڈالا ہے جس کی وجہ سے میں اپنی خدمت سے مستعفی ہونا چاہتا ہوں۔

میں یورہائنس کی ہمدردی کا شکریہ ادا کرتا ہوں جو اس آٹھ ماہ میں بحیثیت میرے شریک کار ہونے کے یورہائنس سے برابر ظاہر ہوتی رہیں۔ اور میں اس معاونت وامداد کا بھی شکر گزار ہوں جو بجا آوری فرائض میں مجھے دی گئی۔

جو اسباب محمود شوکت نے اپنے مستعفی ہونے کے بیان کئے تھے وہ عام لوگوں کو خوش کرنے کے لیے گھڑے تھے اور مطلب اصل حقیقت پر پردہ ڈالنا تھا۔

سیاسیات میں فوجی افسروں اور سپاہیوں کی عدم مداخلت کا قانون خود اس کا مجوزہ تھا جس کی وجہ سے بحیثیت وزیر جنگ اس سے بہتر کوئی نگران کار نہیں ہو سکتا تھا۔ محنت اور مصروفیت کا عذر بھی عذر اول کی طرح لاطائل تھا۔ محمود شوکت کی صحت ہمیشہ اچھی رہی۔ اس کے استعفا دینے کے یہ اسباب

نہ تھے۔ میں لکھ چکا ہوں کہ محمود شوکت اگر چاہتا تو "آمر" بن جاتا لیکن بجائے اس کے اس نے اپنی فوجی خدمت پر ہی رہنا پسند کیا۔ باایں ہمہ کمیٹی کو ڈر تھا کہ کہیں وہ اپنے اس بیگانہ وار طرز عمل کو چھوڑ نہ بیٹھے یہ اس لئے کہ اکثر لوگوں کے حق میں وہ ایک معما تھا۔ بحیثیت سپہ سالار افواج قابضہ و محاصرہ قسطنطنیہ اہل سیاست کے نزدیک وہ خطرناک آدمی تھا۔ کمیٹی کی اس وقت تک جان میں جان نہ آئی جب تک کہ اس نے وزیر جنگ کی خدمت قبول نہ کر لی۔ کمیٹی کو دشوار گزار گھاٹی طے کرنی تھی۔ اس کے لیے محمود شوکت اسپ تازی بنایا گیا۔ ایک طرف تو کمیٹی نے اس سے سپر کا کام لیا۔ اور دوسری طرف خفیہ طور پر سپاہیوں میں اس کی ہر دلعزیزی کو مٹانے اور افسروں کو سرکش بنانے کی کوشش کی۔ اور آپ کو محفوظ رکھکر ہر ذریعے سے وزیر جنگ کے کارنامہ کو تباہ کرنا چاہا۔ اس دغابازی، فریب و جعل اور ارکان مقابلہ کے شدید حملوں سے تنگ آکر اس نے اس معاملے کو ایکدم ختم کرنا مناسب سمجھا لیکن جو اسباب اپنے مستعفی ہونے کے بیان کئے تھے اس سے اصل واقعہ چھپ نہیں سکتا تھا۔ ایک بات تھی۔ اس کو ایسے وقت میں مستعفی نہونا چاہئے تھا۔ اس وجہ سے کہ جو اتہامات اس پر لگائے گئے تھے ان میں صداقت کا شائبہ ہوتا تھا۔

محمود شوکت کے مستعفی ہونے کے ساتھ مجلس وزارت کا خاتمہ ہوا۔ ان تمام جنرلوں نے جنھیں سعید پاشا نے خدمت وزارت جنگ پیش کی یا تو اسے قبول کرنے سے انکار کیا یا ناممکن شرائط پیش کیے۔ "تعنین" کے قول کے مطابق یہ مقاطعۂ وزارت جنگی تھا۔ جن جنرلوں کو یہ خدمت پیش کی گئی تھی ان میں بعض ایسے اولوالعزم بھی تھے جن کا ماضی نہایت شاندار اور جن کے مستقبل کی طرف سے اندیشہ لگا ہوا تھا لیکن ایک جاں بلب خدمت کو قبول کر کے وہ اپنے مستقبل کی امیدوں پر پانی پھیرنا نہیں چاہتے تھے۔ مجبوراً سعید پاشا نے اپنا استعفا پیش کیا حالانکہ کونسل کے ایک صدر کو اس سے بڑھ کر اظہار اطمانیت کے ووٹ نہیں مل سکتے تھے ۱۹۴ رائیں موافق اور ۴ مخالف تھیں۔ ایک طرف البانی بغاوت اور فوج کی سرکشی کے سامنے اس کو اپنی بے بسی کا اعتراف کرنا پڑا تھا

تو دوسری طرف جماعت اتحاد و ترقی کے دستور العمل کی ناکامی کا۔

صدارت غازی مختار پاشا۔ برخاست پارلیمنٹ، البانی مطالبات وزارتی تفریق۔ مسئلۂ مقدونیہ

سعید پاشا کی جگہ مارشل احمد غازی مختار صدر اعظم ہوا۔ یہ ۱۸۷۷-۱۸۷۸ء میں لوئی ملیکو کا نامور حریف رہا تھا۔ اس دفعہ مجلس اتحاد و ترقی کا ایک علانیہ دشمن سے مقابلہ تھا مجلس وزارت مرتب ہوئی ہی تھی کہ فوجی لیگ نے مطالبات کے متعلق ایک اعلان شایع کیا جس کی عبارت اخبار کے دو کالم میں آئی تھی۔ حسب ذیل مطالبات تھے۔ عود حکومت، غیر ذمہ دار اشخاص کو امور مملکت میں دخل دینے کی ممانعت، برخاست پارلیمنٹ، پوری آزادی کے ساتھ نئے انتخابات کا معاملہ۔ یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ ان مطالبات کی تعمیل کے بعد فوج بھی سیاسیات میں دخل دینے سے محترز رہے گی۔ اس اعلان پر اکتفا نہ کر کے ۲۳ر جولائی کو لیگ نے ایک خط جلیل بے صدر نشین پارلیمنٹ کو ایک "جماعت افسران" کے نام سے لکھا جس میں کسی قدر لعن طعن کے بعد یہ لکھا تھا کہ "ہم اپنے ہاتھوں کو تمھارے نجس لہو سے آلودہ نہیں کرنا چاہتے اور اس لئے تمھیں حسب ذیل مشورہ دیتے ہیں۔ تم اڑتالیس گھنٹوں کے اندر یہ ثابت کردوگے کہ تم موجودہ پارلیمنٹ کے برخاست کرنے میں کسی قسم سے حارج نہیں ہو۔ اور فوج اور رعایا کی متفقہ مرضی کے مقابلے میں تمھیں کسی قسم کا اختلاف نہیں۔ اگر یہ نہ ثابت کر دوگے تو ہم اپنے فرائض کی تعمیل میں تمھیں اس کی سزا دیں گے۔"

جب یہ گستاخانہ خط ۲۵ر جولائی کے اجلاس میں پڑھا گیا تو پارلیمنٹ میں ایک شور مچ گیا۔ تمام نمایندوں نے اپنی اپنی جگہ جان دینے کی قسم کھائی۔ یہ فیصلہ کیا گیا کہ صدر اعظم اور وزیر جنگ جنرل ناظم پاشا کو بلا کے ان سے جواب لیا جائے۔

جنرل ناظم پاشا نے اس خط کے متعلق کہا کہ وہ ایک افسوسناک اور ذلیل ترین مذاق ہے اور وعدہ کیا کہ وہ اس گمنام خط کے لکھنے والوں کو معقول سزا دے گا۔ اور آخر میں ان اخبارات کو سخت سُست کہا جنھوں نے فوجی لیگ کے اعلان کو شایع کر کے پبلک کو بھڑکانے کی کوشش کی تھی۔ اور یہ واضح کیا کہ مجلس وزرا فوراً اس معاملے کی طرف رجوع ہو گی۔ اور پارلیمنٹ کو یہ یقین دلا کے اس نے اپنی بکواس کو ختم کیا کہ وہ دوبارہ اطاعت و انقیاد فوج میں قائم کر دے گا۔

۳۰ر جولائی کو پارلیمنٹ میں وزرا کی مجلس ہوئی۔ صدر اعظم نے اعلان وزارت پڑھا جس میں مجلس وزارت سعید پاشا پر سختی سے تنقید کی گئی تھی۔ یہ خود پارلیمنٹ پر ایک دریدہ حملہ تھا جس نے ۱۹۴ ووٹ بمقابلہ ۴ کے سعید پاشا کے لئے اظہار طمانیت کیا تھا۔ پارلیمنٹ کو صورت حال سے واقف کرنے کے ادعا سے اعلان میں بتایا گیا تھا کہ ملک میں نہایت شورش پھیلی ہوئی ہے جس کے چار وجوہ بیان کیے گئے تھے۔

انتخابات میں حکام کی خلاف ضابطہ مداخلت۔ مختلف سیاسی جماعتوں سے فوج اور افسروں کے تعلقات۔ ملکی خدمات پر تقررات میں قانون رائجہ کی خلاف ورزی۔ اصول و قواعد دستور کے خلاف انتظامات۔

ان چاروں مسائل کے متعلق مجلس وزرا کا جو طرز عمل ہونے والا تھا اس کی تشریح کی گئی تھی۔ جنگ اطالیہ اور شرائط صلح کے متعلق عوام النّاس میں جو چرچا تھا اس کے متعلق کوئی قابل ذکر بات نہ تھی۔

اعلان کا خاتمہ ان روزمرہ کے معمولی الفاظ پر ہوا تھا "ہم کو عثمانی قوم کی حبّ الوطنی اور جانبازی پر اعتماد ہے۔ اپنی قوم اور اللہ کی مدد اور ثابت قدمی اور ہمت کے ساتھ ہم اپنے ملک کی حفاظت اور اپنے حقوق کی نگہداشت اس وقت تک کریں گے جس وقت تک کہ ہمارے حقوق اور ہماری قومی عزت کے اعتبار سے عمدہ بنیاد پر صلح نہو۔"

ایک معرکۃ الآرا مباحثے کے بعد مجلس وزرا کے لیے طمانیت کا ووٹ دیا گیا۔ ۱۱۳ رائیں موافق ۴۸ مخالف اور ۹ غیر طرفدار تھیں۔ ایکسو نمایندوں نے

(پارلیمنٹ کے جملہ ۲۱۰ ممبر تھے) اجلاس میں شریک ہونا مناسب نہ سمجھا۔ اپنی کامیابی کے بل پر مجلس وزرا نے سعید پاشا کی تجویز تبدیلی دستور پر ہاتھ ڈالا اور اس کو ایک نئی ہیئت دی۔ سعید پاشا کی تجویز سے سلطان کو برخاست پارلیمنٹ کا پورا اختیار دیا گیا تھا لیکن یہ اختیار منظوری مجلس اعیان کے تحت تھا۔ جب اس تبدیلی کو پارلیمنٹ نے نامنظور کیا تو وہ برخاست کر دی گئی اور نئے انتخابات عمل میں آئے۔ جدید پارلیمنٹ نے تمام مجوزہ تبدیلیوں کو منظور کر لیا، لیکن مجلس اعیان نے اس قانون کی ضرورت کا اعلان کرنے سے انکار کیا اور اس طریقے سے یہ قانون اسی ناتمام حالت میں جاری رہا۔ اب پارلیمنٹ کو برخاست کرنے کے لیے حکومت کو دستور کی دفعہ ۳۵ کے پیچیدہ طریقے سے مدد لینی پڑی اس کیلئے یہ ضرور تھا کہ حکومت اور پارلیمنٹ میں ایک مسئلے کے متعلق جو حکومت کا مجوزہ ہو نزاع ہو اور گورنمنٹ کی تجویز کے باضابطہ اور متواتر انکار کے بعد اگر پارلیمنٹ کے نقطۂ خیال پر مجلس وزرا نہ آئے تو مجلس وزرا کو مستعفی ہونا پڑتا۔ اس کے بعد اگر جدید مجلس وزرا قدیم مجلس وزرا کا مسودۂ قانون پیش کرے اور پارلیمنٹ پھر اسے نامنظور کرے تو سلطان پارلیمنٹ کو برخاست کرنے کا مجاز ہوتا۔

۳۱ر جولائی کے اجلاس میں حکومت نے دفعات ۳۵ و ۴۲ کی ترمیم کو قبول کر کے ایک دوسری تجویز ترمیم دفعہ (۷) کے متعلق پیش کی۔ اس دفعہ میں سلطان کے اختیارات کی توضیح کی گئی تھی چنانچہ من جملہ اور اختیارات کے سلطان مجاز تھا۔

"مشورۂ مجلس اعیان سے برخاست پارلیمنٹ کا بدیں شرط کہ تین ماہ کے اندر جدید انتخابات عمل میں آئیں اور جدید پارلیمنٹ کے اجلاس ہوں"

سعید پاشا نے اس میں یہ ترمیم کی تھی "بشرط ضرورت برخاست پارلیمنٹ والتوائے اجلاس کا" پارلیمنٹری کمیشن نے مجوزہ ترمیم حکومت کی حسب ذیل ترمیم کی تھی "بشرط ضرورت وبمطابقت دفعہ ۳۵ برخاست پارلیمنٹ ونیز التوائے اجلاس کا.....

یہ آخری ترمیم ہی ۲۲ر جون کو (۲۱۰) ووٹ بمقابلہ (۱۵) کے منظور ہوئی تھی" حکومت نے حسب ذیل ترمیم پیش کی جس سے دفعہ ۳۵ کا جھگڑا ہی

مٹ گیا اور جس سے سلطان جب چاہے پارلیمنٹ کو برخاست کر سکتا تھا۔ غیر معمولی حالات میں سلطان کو بعد مشورۂ مجلس اعیان پارلیمنٹ برخاست کرنے کا حق حاصل رہے گا۔

اس کے بعد برخاست کے لیے پارلیمنٹ اور مجلس وزرا میں تخالف رائے کی بحث باقی نہ رہی بلکہ اس کا انحصار مجلس اعیان کی صوابدید پر رکھا گیا۔ سابق میں مجلس وزرا صرف مشورہ دینے کی مجاز تھی۔ اگر گورنمنٹ کی تجویز برخاست پارلیمنٹ پر اس نے اتفاق کیا تو گورنمنٹ کی کامیابی میں مزید اضافہ ہوا لیکن اگر مجلس وزرا نے اس تجویز سے اتفاق نہیں کیا تو حکومت کا کوئی حرج بھی نہیں ہوتا تھا۔ تکمیل ضابطہ کے لئے اس کی رائے حاصل کی جاتی اور موافق ہونے کی صورت میں اس پر عمل کیا جاتا۔ کمیٹی نے مقابلہ کو اپنا کرنے اور پارلیمنٹ کو مملوکوں کی پارلیمنٹ بنانے کے لئے سلطان کو برخاست کا کامل اختیار دینا چاہا تھا لیکن خود اس جال میں پھنس گئی۔ اور جس ہتھیار کو اس نے اپنے حریفوں پر چلانا چاہا تھا وہ خود اس پر چل گیا۔ اتحاد پسند اکثریت نے جارحانہ روش اختیار کی اور ناظم پاشا وزیر جنگ کے مفرور افسران مونستر اور فوجی لیگ سے تعلقات رکھنے کے متعلق سوال پیش کرنے کا نوٹس دیا۔ سوال کی تاریخ دوشنبہ ۵ اگست مقرر کی گئی۔ ۴ کو مجلس اعیان کا ایک غیر معمولی اجلاس ہوا جس میں من جملہ ۵۲ اراکین کے ۳۵ نے گورنمنٹ کی ان تمام مجوزہ ترمیمات کو منظور کر لیا جو دفعات ۳۵ و ۴۳ و ۷ کے متعلق کی گئی تھیں۔ اس کے بعد بہت جلد صدر اعظم نے منشور پر اپنا استدلال کرتے ہوئے جس کی رو سے مجلس اعیان توضیح احکام دستور کی مجاز تھی مجلس اعیان سے یہ تصفیہ کرنے کو کہا کہ آیا موجودہ اجلاس اس اجلاس کا سلسلہ سمجھا جائے جو بوجہ برخاست سابقہ پارلیمنٹ موقوف ہوا تھا اور آیا گورنمنٹ کو یہ سمجھنے کا حق ہے کہ یہ پارلیمنٹ کا آخری اجلاس ہے جس کی رو سے پارلیمنٹ کو ۱۸ جولائی کو ہی اجلاس برخاست کرنا چاہیئے تھا اس لحاظ سے پارلیمنٹ کا خلاف ضابطہ پانچ روز سے اجلاس ہو رہا ہے۔

محمود شوکت پاشا سابق وزیر جنگ نے صدر اعظم کی تجویز کی سختی کے ساتھ مخالفت اور اپنے جانشین ناظم پاشا کی سرگرمی کے ساتھ حمایت کی۔ اراکین پارلیمنٹ نے

اس پر جنرل کو تقریر سے روکنے کے لیے اس قدر ہنگامہ اور شور کیا کہ پارلیمنٹ کو سر پر اٹھا لیا۔ مجبوراً محمود شوکت کو منبر سے اتر آنا پڑا۔ شریف حیدر بے نائب صدر مجلس اعیان جو اتحاد پسند جماعت سے تعلق نہ رکھتا تھا اس واقعے پر غصے کو ضبط نہ کر سکا "اگر تم لوگ تقریر کی اجازت نہیں دیتے تو مجھے کیوں اس خدمت پر انتخاب کیا" یہ کہا اور پارلیمنٹ سے ہمیشہ کے لئے چلا گیا۔

حکومت کی پارلیمنٹ برخاست کرنے کی تجویز پر ۲۸ ووٹ موافقت میں اور (۵) مخالفت میں دیے گئے۔ ایک نے کسی طرف رائے نہیں دی۔ اس طرح سے یہ تجویز منظور ہوئی۔ پانچ اراکین جنھوں نے مخالفت کی حسب ذیل تھے۔ جنرل حسین حسنی جو محمود شوکت کے پہلے قسطنطنیہ کی روہیلی افواج کا سپہ سالار تھا۔ احمد رضا بے سابق صدر پارلیمنٹ و حال رکن مجلس اعیان۔ موسیٰ کاظم بے سابق شیخ الاسلام تلکف بلغاروی۔ بٹتر یریا کوٹز و وافلاقی۔ محمود شوکت غیر جانبدار رہا۔ اس کے بعد صدر اعظم حرم سرائے سلطانی کو روانہ ہوا۔ سلطان کی طرف سے "ارید" جاری ہوا جس میں پارلیمنٹ برخاست کرنے کا حکم تھا۔

پارلیمنٹ نے اس حکم کی مزاحمت کی۔ دوشنبہ ۵ ہراگست ۱۰ بجے صبح کو اس کا اجلاس ہوا۔ جاوید بے نے تقریر کی۔ یہ تقریر عثمانی پارلیمنٹ کا شاندار کارنامہ تھی۔ ایک گھنٹے تک، وہ کہتا رہا۔ اس کی زبان گورنمنٹ کے نقائص وعیوب کو طشت از بام کر کے اس پر تازیانہ لگا رہی تھی۔ اس نے ایک طرف دستور کی خلاف ورزیوں کو ظاہر کیا تو دوسری طرف اس خطرے کو بیان کیا جو آزادی رعایا کے دریپش تھا۔ اور ظاہر کیا کہ مجلس وزرا ناظم پاشا کی شمشیر کی حفاظت میں جو خود باغی افسروں کا محکوم بنا ہوا تھا دور حمیدی پر مراجعت کر رہی ہے نمائندوں اور نیک شہریوں کو صیانت دستور کی دعوت دیتے ہوئے اس نے کہا۔

"مجلس اتحاد و ترقی کا بدترین جرم یہ ہے کہ قوم کے سرکشوں کی اس نے معقول تنبیہ نہیں کی۔ سالہا سال سے فرزندان قوم ستائے گئے۔ انھیں جلا وطن اور قید کیا گیا۔ قید خانوں میں طرح طرح کی سزائیں دی گئیں۔ وہ دریا میں غرق کر دیے گئے۔ اُن سیہ کاروں کو سزا دینے اور ان کا قلع قمع کرنے کی بجائے

جو ان مظالم کے مرتکب ہوئے تھے مجلس اتحاد و ترقی نے ان کی جانیں انھیں بخشیں اور ان کی جائداد کا احترام کیا لیکن یہ سمجھ رکھو کہ اتحاد و ترقی نے بڑی بڑی قربانیوں کے بعد دستور کا دوبارہ احیا کیا۔ جب انھوں نے اس کوشش میں عبدالحمید کی پروانہ کی تو اب وہ اس کے غلاموں کی کیا پرواکر سکتے ہیں ....."

موجودہ حالت میں صرف ایک آدمی کی کسر رہ گئی ہے۔ یہ عبدالحمید ہے۔ بہتر ہوتا کہ مجلس وزرا اس کو طلب کر لیتی۔ پھر تو وہ اور اس کے ساتھی یہ کہہ سکتے کہ ہم نے مجلس اتحاد و ترقی کا جائزہ لیا۔"

جو لوگ ترکی سے واقف ہیں ان کا بیان ہے کہ جاوید بے کی تقریر کا سارا زور ان جملوں میں تھا جن میں اس نے افواج رومیلیا سے قوم کی مدد کے لیے استمداد کی تھی چنانچہ اس کے الفاظ تھے۔ "اے نامور فوج تو کہاں ہے؟ اے فوج اے بہادروں کی بہادر تو نے ہی استبداد کے خونخوار پنجوں سے دستور کو رہائی دلائی۔ اب کیوں تو خاموش ہے؟ کیا تو نہیں دیکھ رہی ہے کہ تیرے پردے میں ہم پر کیا کیا مظالم کئے جا رہے ہیں۔

اے شریف فوج عثمانی اٹھ اور اپنے فرزندوں کے اس قاتل کو ذرا دیکھ جسے یہاں تیرے فرزند مظفر و منصور لائے ہیں۔

بیشک پارلیمنٹ کو کبھی وہ غدار برخاست نہ کریں گے جو بالعالی میں متمکن ہیں۔ ان کا قول ہے کہ وہ ملک میں قانون کی اشاعت کریں گے لیکن "قانون" کا لفظ ان کے دعووں کو جھٹلاتا ہے۔ یہی لفظ ان کی زبان پر تھا جب کہ انھوں نے مدحت پاشا کو مدحت وہ جو بانی دستور اولین تھا اس کے قتل نامہ پر دستخط کیے تھے ....."

آخر میں جاوید نے کہا کہ حکومت اور سلطان پر غدار لوگوں کا قابو ہے۔ پارلیمنٹ کے برابر اجلاس جاری رہنے چاہئیں کیونکہ پارلیمنٹ رعایا کی طرف سے وکیل ہے۔ اور رعایا ہی بادشاہ ہے۔ اس نے کابینہ کے خلاف ناخوشی کا ووٹ تجویز کیا۔ نیز یہ بھی تجویز پیش کی کہ صدر نشین جب تک کوئی ہدایات اس بارے میں نہ دے پارلیمنٹ کا اجلاس ملتوی رہے۔ ان ہر دو

تجاویز کو باستثنائے دو نمایندوں کے تمام اراکین نے نعرہ ہائے مسرت کے ساتھ منظور کیا۔ یہ دو نمایندے شاہین بے اور اسد پاشا تھے۔ وہ اس بارے میں کچھ عذر کرنے والے تھے کہ رحمی بے نمایندۂ سالونیکا و داماد حسنی پاشا نے شاہین بے کو کہا۔ "معلوم ہے بڑے بہادر ہو عبدالحمید جب یہاں ہو گا اس وقت تقریر کرنا" شاہین بے نے جیب سے اپنا پستول نکالا۔ اس پر سبھوں نے اپنی جیب سے "برونینگ" پستول نکالے۔ ذرا کچھ اور ہوتا تو طرفین میں گولی چل گئی ہوتی لیکن صدر نشین اور ارکان کی مداخلت سے ہنگامہ ہوتے ہوتے رک گیا۔ گیارہ بجے اجلاس ختم ہوا۔ بارہ بجے ایک تارپیڈو تباہ کن کشتی نے پارلیمنٹ کے سامنے مقام کیا۔ اور دلمہ باغچہ میں فوجیں جمع ہوئیں ایک بجے صدر اعظم آیا اور صرف سات نمایندوں کی موجودگی میں برخاست پارلیمنٹ کا حکم سنایا۔

بمر سے جاوید بے کی دھمکیوں کے جواب میں گورنمنٹ نے نفاذ قانون فوجی کا اعلان کیا۔ اخبارات کے لیے ایک فوری حکم صادر ہوا کہ وہ مسائل فوجی کے متعلق کسی قسم کی بحث نہ کریں اور کسی جماعت کے لیے نشر و اشاعت نہ کریں ورنہ وہ فوراً بند کر دیے جائیں گے اور عدالت فوجی کی رائے ہو گی تو انھیں قید اور ان پر جرمانہ بھی لگایا جائے گا۔ یہ حکم صرف اتحاد پسند اخبارات کے لیے تھا چنانچہ ان اخبارات نے سمجھ بھی لیا کہ یہ ان کا خرخشہ مٹانے کے لئے ہے۔

"حق" اور "تعینین" نے جو اتحاد پسند جماعت کے سب سے زیادہ با اثر اخبارات تھے خود ہی اشاعت بند کر دی۔ مجلس اتحاد و ترقی کے جتنے کلب تھے وہ بند کر دیے گئے اور ان مقامات میں فوج کا پہرہ بھی بٹھا دیا گیا۔

تمام پولیس کمشنر بدل دیے گئے۔ اور عوام کو درہم برہم کر دیا گیا۔ یہ الٹی صفائی تھی۔ پیدلوں اور سواروں کے دستے شہر میں گشت کرتے تھے۔ استامبول میں گیارہ بجے رات کے بعد تمام دکانیں اور مکانات وغیرہ بند کر دیے جاتے تھے۔ پیرا میں قہوہ خانے، رسٹورنٹ، تھیٹر وغیرہ نصف شب کے بعد کھلے نہیں رہ سکتے تھے اور کوئی شخص اپنے گھر سے باہر نہیں نکل سکتا تھا۔ اس وقت کے بعد اگر کوئی پکڑا جاتا تو اسے استامبول محکمۂ وزارت جنگی میں پہنچایا جاتا۔

جاوید بے، طلعت بے، رحمی بے، ایوب صبری بے، ناظم بے، اور دیگر اراکین مرکزی کمیٹی سالونیکا چلے گئے تاکہ وہاں مجلس وزرا کا مقابلہ کریں اور اگر ہو سکے تو حسین حسنی کے قسطنطنیہ پر کوچ کے واقعے کو ایک اور بار دہرائیں۔ گورنمنٹ نے بہت جلد ولایت سالونیکا میں مارشل لا جاری کر دیا۔ سلطانی آئرید سے مجلس وزرا کو تمام ولایات رومیلیا میں مارشل لا کے نفاذ کا حق دیا گیا لیکن جلد عوام الناس کے خیالات میں تبدیلی اور شورشانہ ارادوں میں کمی ہو گئی۔

اتحاد و ترقی کے سیاست دانوں نے ایک اور بار اپنی انتہا پسند جماعت کو قانون کی حد میں رہنے اور انقلاب پسند نہ بننے کا مشورہ دیا اور مرکزی کمیٹی کے اس عاجلانہ فیصلے کی مخالفت کی جس سے انتخابات میں حصہ نہ لینے اور انتخاب کنندگان کو انتخابات سے الگ تھلگ رہنے کی ہدایت دی گئی تھی۔ اس سے زیادہ خراب اثر کسی جماعت پر نہیں پڑ سکتا کہ وہ اپنے انتخاب کنندگان کو انتخاب سے باز رکھے کیونکہ عوام الناس اس طریقے کی سیاسی جنگ کو نہیں سمجھ سکتے۔ وہ یہی خیال کرتے کہ اتحاد و ترقی نے اپنی شکست و مجبوری کا اقرار کر لیا اور اپنے حریفوں کے مقابلے میں ہتھیار ڈال دیے۔ علاوہ اس کے جماعت اتحاد و ترقی ہی ایک باتربیت اور باقاعدہ جماعت تھی اور اس کو خوف تھا تو صرف حکومت کا ہی لیکن اگر حکومت اپنی غیر جانبداری کے محکم وعدوں پر قائم رہے اور انتخاب کنندگان پر دباؤ نہ ڈالے تو اتحاد و ترقی کی کامیابی میں شک نہ تھا۔ ساتھ ہی مخالف جماعت میں صلح کے تیور نظر آ رہے تھے۔ لطفی فخری بے سابق نمائندۂ درسین نے جو جماعت امن و آزادی کا نہایت بااثر قائد اور جماعت اتحاد و ترقی کے شدید ترین مخالفین سے تھا اپنے اخبار میں صلح کی اس طرح تائید کی تھی۔

"کمیٹی کا وجود نہیں مگر جماعت اتحاد و ترقی باقی ہے۔ ملک کے لئے جماعت اتحاد و ترقی اور جماعت امن و آزادی دونوں لابدی ہیں۔ سیاسی لڑائی کے لئے کم از کم دو جماعتیں ہونی چاہئیں۔ ایک تو برسر اقتدار اور ایک نگہ انکار۔ جماعت اتحاد و ترقی کے لیے برخاست پارلیمنٹ کے صرف ایک معنی ہیں۔ وہ یہ کہ آج سے کمیٹی برخاست ہو گئی۔ صرف اتحاد و ترقی کی ایک سیاسی جماعت ہے

جو انقلاب اور اسلحہ سے نہیں بلکہ اخبارات، عام تقاریر، اور نشر و اشاعت سے لڑے گی ..... پس ہمیں وفاداری کے ساتھ برابر کے ہتھیار سے ایکدوسرے کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔ جب دونوں میں سے کوئی ایک جیتے تو ہم کو چاہیئے کہ مخالفت کو بھول جائیں اور ایکدوسرے سے مصافحہ کریں اور کہیں "عثمانیت زندہ باش کیوں کہ ہم سب عثمانی ہیں"۔

کس کو انکار ہو سکتا ہے کہ یہ ایک بہتر پروگرام نہ تھا لیکن بدقسمتی سے تمام ممالک میں عموماً اور ترکی میں خصوصاً واقعات اس کے خلاف ظہور میں آتے ہیں۔ ادھر حکومت نے بھی جماعت اتحاد و ترقی سے دوستی جوڑنے کی کوشش کی۔ اس میں شک نہیں کہ جتنے اتحاد پسند ولاۃ و "متصرف" تھے وہ موقوف کر دیے گئے تھے لیکن حکومت نے بار بار یہ ظاہر کیا کہ اس کو اتحاد و ترقی سے کسی قسم کی عداوت نہیں بلکہ اس جماعت کی امداد پر اسے ایسا ہی بھروسا ہے جیسا ملک کی دوسری جماعتوں سے۔ اس وقت اتفاق کی بہت سخت ضرورت تھی کیوں کہ البانی بغاوت کی رفتار خطرناک طور پر ترقی کر رہی تھی۔ ارناؤطیوں نے اعلان کیا کہ جس وقت تک کہ حسب ذیل مطالبات پورے نہ کیے جائیں وہ ہتھیار نہ رکھیں گے۔

۱۔ تمام البانیا کے لیے ایک خاص قانون کی تدوین جو "پہاڑی" قانون پر منضبط ہو۔ یہ جاگیری قانون ڈوکاجن نامور ڈیوک جین، سکندر بیگ کے رفیق فوجی نے وضع کیا تھا اور جو قبائل مرویت، مالیسیا، لوما وغیرہ میں رائج ہے۔

۲۔ باستثنائے زمانۂ جنگ رومیلیا میں فوجی خدمت کی بجا آوری۔

۳۔ باشندگان میں جدید ترین نمونے کے اسلحہ کی تقسیم بحساب فی ہر کان تین۔

۴۔ ایسے لوگوں کا تقرر جو ملک کی زبان، اور آداب و رسوم اور خصائص سے واقف ہوں۔

۵۔ سنجکوں میں مدارس زراعتی کا افتتاح اور مدارس میں ملکی زبان کی اشاعت۔

۶۔ مسلمانوں کے مذہبی مدارس میں اضافہ۔

۷۔ خانگی مدارس کھولنے کی آزادی۔

۸۔ تحتانیہ و وسطانیہ مدارس میں ملکی زبان کی تعلیم
۹۔ ریلوے لائن میں اضافہ
۱۰۔ ہر جگہ کمیون (بلدیہ) کا قیام
۱۱۔ شریعت اسلامی کے مطابق احترام رسوم و عادات و رواج۔
۱۲۔ حقی پاشا اور سعید پاشا کی مجلس وزرا کے اراکین کی عدالت العالیہ میں سپردگی۔
۱۳۔ افسروں اور تمام باغیوں کو نوید امن۔
۱۴۔ ان البانیوں کے لیے تاوان کا انتظام جن کے مکانات فوج نے گذشتہ چار سال میں تباہ کئے۔

گورنمنٹ کو اس دستور العمل سے ڈر تھا اور اس لیے اس نے اس کو قبول کرنے سے انکار کیا لیکن ساتھ ہی وہ باغیوں کے مقابلے میں بھی بے بس تھی۔ ساتواں دستہ (اسقب) قریب قریب پورا باغیوں کے ساتھ مل گیا تھا۔ چھٹے دستہ کی بھی حالت نہایت مشتبہ تھی اور سقودرہ کی خود مختار فوج بھی اپنے بدلنے کی دھمکی دے رہی تھی مجلس وزرا کو مرتب ہوئے ایک ماہ بھی نہ گزرا تھا کہ وہ نزاعات ملکی کا شکار ہو گئی جن سے خود اس کا وجود خطرے میں ہو گیا۔

ایک طرف صدر اعظم، وزیر عدالت، اور وزیر بحری جماعت اتحاد و ترقی سے مصالحت اور ممکن ہو سکے تو باہمی سمجھوتہ کرنا چاہتے تھے تو دوسری طرف شیخ الاسلام صدر نشین مجلس حل و عقد (کونسل آف اسٹیٹ) اور وزیر جنگ، وزیر خارجہ سے متحد ہو کر اتحاد پسندوں کا بغیر رحم و امان کے خاتمہ کرنا چاہتے تھے۔ یہ اختلاف خیال باوجود چھپانے کے چھپ نہ سکا اور مجلس وزرا کی ترتیب کے وقت ہی ظاہر ہو گیا جس کی تفصیل یہ ہے کہ مارشل مختار پاشا نے وزارت داخلی پر سابق صدر اعظم فرید پاشا کا انتخاب کیا تھا لیکن اس کے قبول نہ کرنے پر ضیا پاشا وزیر مالیہ کو وزیر داخلی اور ضیا پاشا کی جگہ وزارت مالیہ پر عبد الرحمن بے کا تقرر کیا جو مالیہ کا ایک اعلیٰ عہدہ دار تھا لیکن ضیا پاشا مفاہمت پسندوں کے انتقام کا آلہ نہیں بننا چاہتا تھا اس لئے تین یا چار والیوں کو ان کے نذر کرنے کے بعد اس نے اس خدمت سے سبکدوش

ہونا مناسب سمجھا۔ اس کی جگہ داماد شریف پاشا وزیر تعمیرات کا انتخاب کیا گیا جس کی بڑی قابلیت یہی تھی کہ اس نے ایک سلطانہ سے شادی کی تھی چنانچہ وہ وزیر داخلی بنایا گیا۔ اس کی خدمت وزارت تعمیرات پر جنرل صالح پاشا کا تقرر کیا گیا جو کابینہ حلمی پاشا میں وزیر جنگ اور ترکی کا ایک قابل ترین افسر تھا۔ داماد شریف پاشا کے وزیر داخلی ہوتے ہی کابینہ کا اختلاف عام طور پر ظاہر ہو گیا۔ شریف پاشا نظم و نسق میں از سر نو انتظام کرنا۔ اور جملہ والیوں، متصرفوں، قائم مقاموں، صدر نشینوں اور منصفوں کو جو اتحاد پسند تھے فوراً علیحدہ کر دینا چاہتا تھا۔ حسین حلمی پاشا وزیر عدالت نے رکن داخلی کی تجاویز کی سخت مخالفت کی اور وزیر اعظم نے داماد شریف کی پیش کردہ فہرست اشخاص قابل سزا کو نامنظور کیا! اس پر داماد شریف نے استعفا پیش کیا۔ اس کے ساتھ ہی مفاہمت پسند اخبارات نے حسین حلمی پاشا پر حملے کیے اور اسے باغی ٹھیرایا۔ ادھر یونانی اخبارات نے یہ خبر شایع کی کہ کامل پاشا میر مجلس حل و عقد نے کابینہ میں حلمی پاشا کے رہنے کی صورت میں مستعفی ہو جانے کا اعلان کیا ہے۔ شیخ الاسلام جمال الدین افندی کے داماد ڈاکٹر جمیل کا تقرر جب پریفکٹ دار الخلافت (Prefect of the city) پر ہوا تو حلمی پاشا نے ۳۰ اگست کو اپنا استعفا پیش کیا۔ (جمال الدین افندی سابق میں عبد الحمید کا مقرب اور ڈاکٹر جمیل فوجی ڈاکٹر تھا ڈاکٹر جمیل کو عبد الحمید نے مارشل کے عہدے پر ترقی دی تھی انقلاب میں اس کا کرنل کے عہدے پر تنزل ہوا۔ اس کے بعد وہ علیحدہ کر دیا گیا) ناسازی صحت استعفا کی وجہ بتائی گئی لیکن "تقنین" نے اس راز پر سے نقاب اٹھایا اور لکھا کہ

"ہز ہائنس شیخ الاسلام کا خیال یہ ہے کہ چونکہ جمیل پاشا ہاتھ پیر کی جراحی اور زخموں کی مرہم پٹی میں قابلیت رکھتے ہیں اس لئے راستوں اور شاہراہوں کی تعمیر میں بھی انھیں دسترس ہونی چاہئے لیکن جب صدر اعظم کے صاحبزادے کا تقرر محکمۂ بحری میں ہو چکا ہے۔ (تقنین نے یہ نظر انداز کر دیا کہ محمود مختار پاشا اس عہدۂ جلیلہ پر حقی پاشا کی اتحاد پسند مجلس وزرا میں بھی مامور تھا) اور نور اڈونگھین افندی نے اپنے صاحبزادے کو سفارتخانۂ پیرس کا معتمد اعلیٰ بنایا ہے تو اس میں حیرت کی کونسی بات ہے اگر شیخ الاسلام اپنے داماد کو پریفکٹ دار الخلافت بنائیں"

علاوہ ازیں اس سے بڑھکر ملک کی کیا خدمت ہو سکتی ہے[1]"؟

مجلس وزرا کے تین عہدے، داخلی، عدالت، اور زراعت، خالی تھے۔ زراعت پر کسی کا انتخاب نہیں کیا گیا تھا۔ صدر اعظم نے وزارت داخلی پر رشید بے سابق والی حلب کا انتخاب کیا جو ایک زمانے میں حریت پسند اخبار "چہرہ" کا ناظم بھی تھا جس کا مدیر خاص تقی بے قتل ہوا تھا اور جس کے قتل کی نسبت بعض لوگوں کا گمان تھا کہ کمیٹی کے حکم سے ہوا۔ فرید پاشا سے جس نے پہلے صدارت مجلس اعیان کو زینت دی تھی پھر مکرر درخواست کی گئی۔ سابق صدر اعظم نے مکرر انکار کیا اور وہی ناسازی صحت انکار کی وجہ بتائی لیکن فرید پاشا کامل پاشا کے ساتھ مجلس وزرا میں شریک نہیں رہ سکتا تھا کیونکہ اس نے کامل کو جب کہ وہ والی عیدن تھا معزول کیا تھا جس کی بنا یہ تھی کہ کامل کا بیٹا سعید پاشا افسر بحری جو یلدیز کے خاص خبر رسانوں سے تھا ڈاکوؤں کی جماعت کے ساتھ صوبے میں غارتگری کر رہا تھا۔ نیز ۲۴ر اپریل ۱۹۰۹ء کے بعد کابینۂ حلمی پاشا میں وزیر داخلی ہونے کی حیثیت سے وہ کامل کی اس کوشش سے بھی بخوبی واقف تھا جو ۱۳ر اپریل کے حمیدی انقلاب میں اس کی طرف سے عمل میں آئی تھی۔ چونکہ اس خدمت پر ایک البانی کے تقرر کی خواہش کی گئی تھی اس لئے علی دانش بے رکن رفارم کمیشن البانیا کے جذبۂ حب الوطنی کو ابھارا گیا۔ چنانچہ اس نے وزیر داخلی کی خدمت قبول کی۔ عدالت کے لیے خیال تھا کہ رکن مجلس اعیان حلیم بے اس خدمت کو قبول کر لے گا لیکن خوب غور کرنے کے بعد اس نے اس بارگراں کو قبول کرنے سے انکار کیا۔

ادھر وزارتی انتخابات کے جھگڑے ہو رہے تھے اور ادھر ملک میں بدنظمی چھائی ہوئی تھی۔ ارمینو کردستان میں معلوم ہوتا تھا کہ عبدالحمید کا بدترین زمانہ پلٹ آیا۔ اس سے بھی بڑھ کر یورپ میں روز بروز جنگ کے آثار خطرناک صورت اختیار کر رہے تھے۔ مسئلۂ مقدونیہ کی وجہ سے عہد عبدالحمید کا خاتمہ ہوا تھا۔

---

[1] جمیل پاشا آج شدید اتحاد پسند مجلس وزارت کے دور میں بھی ناظم بلدہ ہے۔

نوجوان ترکوں نے اپنی دانست میں اس مسئلے کو اعلان دستور سے حل کر لیا تھا جو سلطنت کے تمام باشندوں کی آزادی اور مساوات کا اعلان تھا لیکن بعد میں اس مسئلے نے مہیب صورت اختیار کر لی۔ نوجوان ترکوں کی حکومت نے اپنے وعدوں کو ایفا نہیں کیا تھا جس کی وجہ سے مقدونیہ میں پہلے سے زیادہ نراج کی عملداری تھی۔ عود دستور کے ساتھ ہی مقدونیہ میں طلسمی طور پر تبدیلی واقع ہو گئی۔ البانی، بلغاروی، کوتزوافلاقی، یونانی، سروی، اور ترک جتنے ڈاکو تھے وہ سب بے اسلحہ اور آپس میں بھائی بھائی ہو گئے تھے چنانچہ دعوتوں میں چور، امرا، اور حکام ایک دوسرے کے پہلو میں بیٹھے ہوئے نظر آتے تھے۔ ۱۳ر اپریل ۱۹۰۹ء کی انقلابی کوشش کے بعد جب رومیلی افواج کی قسطنطنیہ پر پیشقدمی ہوئی تو حسنی پاشا اور محمود شوکت پاشا کی فوج میں بلغاروی جماعتوں کے بہت سارے رضاکار تھے۔ سنڈانسکی اور شرنوپوجیف نے کنٹنجنٹوں کے ساتھ مدد کی۔ اس کے بعد اکثریت کا نازک سوال پیش ہوا۔ ترکوں نے یونانیوں سے نفرت کی بنا پر بلغاریوں پر نظر شفقت زیادہ کی۔ اور اسی قدر یونانیوں کو دور پھٹکارا لیکن بعد میں قومیت اور تعصب پر سرگرمی کے ساتھ کاربند رہ کر کمیٹی نے مقدونیہ کے تمام عیسائی فرقوں میں کوئی امتیاز باقی نہ رکھا۔ اور سب کو مشق ستم بنایا۔

۱۸۴۶ء میں رشید پاشا نے ممالک طارس و گوردین سے آرمینیوں کے اخراج کی جو تجویز سوچی تھی اس کو پیش نظر رکھ کر کمیٹی نے مقدونیہ سے عیسائی مزارعین کے اخراج اور ان کی زمینیں ہرزیگونہ و بوسنہ کے مسلمان مہاجرین کو دینے کا تہیہ کیا چنانچہ استامبولی کارندوں نے ان مسلمانوں کو مقدونیہ میں وسیع اور شاداب زمینوں کی توقع دلائی تھی بشرطیکہ وہ اپنے وطن کو چھوڑ کر یہاں چلے آئیں۔ عبدالحمید اس طریقے کو ایک بڑے پیمانے پر ایپیرس میں عمل میں لایا تھا۔ عیسائی مزارعین کی حالت بعینہ آثرش مزارعین کی سی تھی۔ ابتداءً زمین پر وہ بحیثیت مالک قابض تھے۔ مفتوح ہونے کے بعد وہ بیدخل ہو گئے۔ اور اپنی زمین سے بحیثیت مزارع ان کا تعلق رہا۔ پورے کے پورے عیسائی مواضعات پر ترکی امرا متصرف ہو گئے لیکن مزارعین کو اختیار تھا کہ وہ اپنی مزروعہ زمین کو خرید لیں۔ نیز ان کے بنائے ہوئے

مکانات ان کے قبضے میں تھے۔ اور اگر مالک انھیں نکال کر اور لوگوں کو ان میں رکھنا چاہتا تو اسے ان کی قیمت ادا کرنی پڑتی۔ حکومت نے ان بیگوں سے جو بالعموم مقروض رہتے تھے ان کی زمینیں بڑی بڑی قیمتیں دے کے خرید لیں اور پھر بعد میں عیسائی مزارعین کو بغیر کسی معاوضے کے نکال دیا اور ان کی جگہ مسلمان مہاجرین کو آباد کیا۔ ان بے خانماں مزارعین کو سوائے پہاڑی جرگوں میں شامل ہونے کے اور کوئی چارۂ کار نہ تھا۔

البانیائے فوقی کی بغاوت کے بعد جب قبائل البانیا سے اسلحہ ضبط کرنے کا حکم صادر ہوا تو حکومت نے اس حکم کو تمام عیسائی آبادی کی بے اسلحگی کے لیے عام کر دیا تاکہ نئی ٹولیاں قائم نہ ہونے پائیں۔ یہ اسلحہ کی ضبطی کا کام نہایت وحشیانہ پن کے ساتھ عمل میں آیا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ مختلف عیسائی فرقوں کی دل آزاری مقصود ہے چنانچہ اخبارات اور بلغاری اور یونانی نمائندوں نے اس طرز عمل کی شکایت کی اور اسے غیر مسلم آبادی کے مٹانے کا منصوبہ قرار دیا۔ طلبی اسلحہ کا کام مسلح پولیس (جندرمہ) سپاہیوں اور فوجی دستوں کے ذمے کیا گیا تھا۔ اس فوج علی الخصوص جندرمہ نے کوئی ستم باقی نہ رکھا۔ ہر گاؤں میں بندوقوں، پستولوں، اور کارتوسوں کی ایک تعداد مقرر کر دی گئی تھی۔ اگر اس قدر اسلحہ حوالے نہ کیے جاتے تو لاٹھیوں سے عمائد کو زدوکوب اور انھیں مختلف طریقوں سے تنگ کیا جاتا اور وہ قید خانے بھیج دیے جاتے بسا اوقات یہ بے اسلحہ کرنے والے دوبارہ اور سہ بارہ آتے اور پھر اسی افسوسناک منظر کا اعادہ ہوتا۔ ایک طرف عیسائیوں کو بے اسلحہ تو دوسری طرف مسلمانوں کو مسلح کیا جا رہا تھا۔ عیسائیوں سے بندوقیں لی جاتیں اور وہی بندوقیں بوسنہ کے مسلمان مہاجرین کو دی جاتیں۔ اگر اس طرز عمل سے برے نتائج رونما ہوئے تو کوئی تعجب کی بات نہ تھی۔ رفتہ رفتہ یہ ٹولیاں پھر قایم ہو گئیں اور پھر ملک کو لوٹنا شروع کر دیا بطریرکی اور اکسرخسی (Exarchists) بجائے آپس میں لڑنے مرنے کے جیسا کہ عبدالحمید کے زمانے میں لڑتے تھے اب ایک ہو گئے تھے چنانچہ ان کی جنگ اب صرف ترکوں کے ہی ساتھ تھی۔ بلغاریوں اور یونانیوں کے

دشمن اگر تھے تو صرف ترک ہی تھے۔ کمیٹی کی سیاست کا خلاف توقع نتیجہ نکلا جو وہم و گمان میں بھی نہ تھا یعنی بلغاری اور یونانی و مشرقی گرجا کے متعصب دشمن آپس میں شیر و شکر ہو گئے تھے۔ اس اتحاد کا آغاز اس وقت ہوا جب کہ ترکوں نے بطریرکیت کے امتیازی حقوق کو کالعدم کر دینے کا اعلان کیا جس کی رو سے عیسائی فرقوں کے مدارس ترکی مدارس میں متبدل کیے جاتے اور ترقی اسلام کے مدنظر غیر مسلموں کے لیے فوجی خدمت لازمی قرار دی جاتی۔ اس طریقے سے بھرتی شدہ عیسائیوں کو بجبر مسلمان بنایا جاتا۔ یہ اتحاد مشترکہ بے بسی اور مشترکہ مظالم سہنے اور اس ملاپ کی قطعی ضرورت سے اور بھی مستحکم ہو گیا تھا جس کے بغیر وہ اپنے مصائب سے نجات نہیں پا سکتے تھے۔ یونانی کنیسائی شہر غریبنہ کے رئیس کنیسہ کے قتل نے جو تمام مشرقی گرجا کے متبعین میں برہمی اور نفرت کا باعث ہوا اس اتحاد کے استحکام میں کچھ کم حصہ نہ لیا تھا۔ گو قائم مقام میر مجلس ندوہ اتحاد و ترقی، اور افسر جندرمہ مقامی کو رئیس کنیسہ کے قتل کا حال معلوم تھا لیکن انھوں نے چشم پوشی کی تھی محض اس وجہ سے کہ مقتول گرجا کا ایک بڑا آدمی تھا۔ سازشیوں کے نام پارلیمنٹ میں پیش کیے گئے اور پیرا کے اخبارات میں بھی شایع ہوئے لیکن حکومت نے ایک مضحکہ خیز تفتیش پر اکتفا کی اور اپنے اخبارات کے ذریعے سے معلوم کرایا کہ قاتل یونانی قزاقوں کے جرگے میں سے تھے اور قتل کے بعد یونانی سرحد پر روپوش ہو گئے۔

مقدونیہ میں ایک عام بغاوت کے سب سامان ہو چکے تھے۔ دیر صرف ارکان تنظیم مقدونی کے اعلان کی تھی۔ یہ تنظیم ہمیشہ سے موجود تھی جس کی اجازت مجلس اتحاد و ترقی نے بھی دی تھی لیکن اس کا وجود ایک سیدھی سادی سیاسی جماعت کی حد تک ہی تھا۔ نومبر ۱۹۱۱ء کے اختتام پر انقلابی کمیٹی نے مقدونیہ کے قونصلوں کے نام ایک کھلا خط تحریر کیا جس میں عیسائیوں کی اس افسوسناک حالت کا ذکر تھا جو مٹھی بھر مسلمانوں کی وجہ سے ہوئی تھی، "رہزنی، غارتگری، قتل، زنا بالجبر، اور عورتوں اور نوجوان لڑکیوں کی عصمت دری معمولی باتیں ہیں۔ ملکی قوانین اپنی ظاہری حالت میں بھی عیسائیوں کے حق میں

کالعدم ہیں۔ عیسائی کیا ہیں گویا پاریہ ہیں اور حدود قانون سے خارج۔" اعلان میں حکومت کے طرز عمل پر نفرین کی گئی تھی جو یہ تھا "عیسائیوں کا اپنی مزروعہ اراضی سے جن پر وہ قدیم زمانے سے زراعت کرتے چلے آئے تھے اخراج؛ عیسائیوں کی تعداد گھٹانے کے لئے دوسرے ممالک سے رومیلیا میں مسلمانوں کی ہجرت، جرایم اور سیاسی قتل اور شدید مظالم جن کے سامنے دور حمیدی کی سفاکیاں بھی ہیچ ہیں۔ آبادی کے شایستہ اور مہذب باشندوں کا صفایا کرنے کے لئے ترکوں کی سازشی جماعتوں کی موجودگی۔ جنگ میں شریک ہونے والے عیسائیوں کے ساتھ لدو جانوروں کا سا سلوک، بیڑے اور گارڈ رسالے میں جبری بھرتی۔ قانون جرائم پیشہ کا استعمال (جس سے حکام جس کسی کو چاہیں ناخوشی کی بنا پر جلا وطن کر دیں) ڈاکوؤں کے قرابتداروں کی ڈاکوؤں کے متعلق ذمہ داری حالانکہ اس مسودۂ قانون کو پارلیمنٹ نے ابھی باضابطہ طور پر منظور نہ کیا تھا۔ مرکزی حکومت کی عیسائی جماعتوں اور عیسائی مدارس کے معاملات میں مداخلت۔ تمام غیر مسلم مدارس اور غیر مسلم باشندوں کو ترک بنانے کا میلان....."

اعلان میں واضح کیا گیا تھا کہ کمیٹی نے عمدہ مستقبل کی امید پر ۱۹۰۸ء میں التوائے جنگ کو قبول کیا تھا لیکن نہایت سفاکی کے ساتھ اس کی امیدوں کا خاتمہ ہوا جس کی وجہ سے تجدید بغاوت اور ترکی حکومت کا دم آخر تک مقابلہ کرنے کے لئے مجبور ہونا پڑا۔ اپنے دستور العمل کے متعلق اس نے بتایا تھا کہ کمیٹی کا کام ٹرینوں اور سرکاری عمارتوں کو تباہ کرنا اور ڈاکوؤں کی جماعتوں کو تیار کرنا ہوگا چنانچہ اس کام کو کمیٹی اپنی پوری کوشش کے ساتھ سرانجام دے گی۔

حکومت کو چاہئے تھا کہ مقدونی انقلابی کمیٹی کی ان دھمکیوں سے متنبہ ہو کر پہلے ہی سے کچھ انتظامات کر لیتی لیکن اس نے کچھ بھی نہ کیا۔ ۱۰ر دسمبر کو دو ریل گاڑیوں کو بم سے اڑانے کی کوشش کی گئی۔ ۱۱ر دسمبر کو اسٹیپ میں جو سنجک اسقب اور ولایت کوسووو میں واقع ہے ہولناک واقعات رونما ہوئے۔ چدریون مسجد میں ٹھیک نماز بیرم کے وقت ایک دھماکہ ہوا۔ مسجد کے اندر دو بچے اور مسجد کے باہر بارہ آدمی زخمی ہوئے۔ اس حملے کا

نتیجہ یہ ہوا کہ اس قصبے کے تمام مسلمان بلغاریوں پر ٹوٹ پڑے اور انھیں اس جرم کا ذمہ دار گردانا۔ سرکاری حساب سے پچیس بلغاری مارے گئے اور ایکسو انہتر زخمی ہوے۔ مسلمانوں میں صرف دو قتل اور کچھ زخمی ہوئے۔ تعداد میں تفاوت اس وجہ سے تھا کہ بلغاری سرکاری طور پر بے اسلحہ کر دیے گئے تھے۔ اور تمام مسلمانوں کے پاس جن کے اسلحہ چھین لیے جانے کا گمان تھا ہتھیار وافر تعداد میں تھے۔

ترکوں نے اس بلغاری حملے کا ہی انتقام نہیں لیا بلکہ ایسے حملوں کی پیش بندی کر کے قتل کا سلسلہ جاری رکھا۔ جنوری ۱۹۱۲ء سنہ میں کرچیو میں اسی بلغاری صرف شبہے کی بنا پر قتل کر دیے گئے۔ استقب کے قریب کرڈشٹو میں خانقاہ کے پادری الغزیشی اس کی نوے سال کی معمر مائی میر بلد کرد شٹو دا اور خانقاہ کے دو ملازم، باورچی اور قصاب کو طرح طرح کی تکلیف دی گئی۔ ان کے اعضا اعضا الگ کیے گئے اور بیدردی کے ساتھ انھیں قتل کر دیا گیا۔ (فروری سنہ ۱۹۱۲ء) ان مقتولوں کی تفصیل باعث طوالت ہے اس لیے میں کوچانہ کا واقعہ لکھتا ہوں۔ جو من جملہ ان اسباب کے تھا جن کی وجہ سے بلغاریا اور ترکی میں جنگ واقع ہوئی۔ یکم اگست سنہ ۱۹۱۲ء کو نو بجے صبح کے بازار علی عادل بے خاں کے عقب میں ایک بم کا گولہ پھٹا۔ چار یا پانچ منٹ کے بعد پہلے بمب سے پانچ سو میٹر کے فاصلے پر ایک دوسرا گولہ پھٹا۔ آٹھ آدمی ان گولوں کا نشانہ بنے جن میں دو ترک تھے ایک ہلاک اور ایک زخمی ہوا۔ باقی بلغاری تھے۔ جلد محافظ فوج کو خطرے کی اطلاع دی گئی۔ افسر فوج نے بلدے کے محاصرہ کا حکم دیا۔ اس کے بعد قتال شروع ہوا۔ ڈیڑھ سو سے زیادہ آدمی مارے گئے اور ڈھائی سو سے تین سو تک مجروح ہوئے۔ بابعالی نے تحقیقات کا حکم دیا اور بلغاری اکسرخس (Balgarian Exard) کو نمائندگی کی دعوت دی لیکن کمیشن کے ترکی اراکین نے یہ فیصلہ کیا کہ بلغاری خود اپنے بمبوں سے آپ ہلاک ہوے۔

ان بموں کے متعلق صوفیا کے سرکاری اخبار "گوریر ڈی بلگیری" نے ۱۴ راگست کو بعنوان "کس لئے یہ کوششیں" حسب ذیل سطور لکھی تھیں جن سے مقدونیہ کی افسوسناک حالت موثر پیرایے میں بیان کی گئی ہے۔

"ہم نے اس شخص سے جس کے متعلق اندرونی تنظیم کے واقف کار ہونے کا

گمان تھا دریافت کیا کہ "تقریباً تمام مقدونیہ میں گزشتہ سال سے یہ بمب بازی کیوں ہو رہی ہے؟ بہتر ہوتا اگر بغاوت کو پہاڑوں کے حدود میں ہی رکھا جاتا۔ اس سے بامن باشندوں کے خوفناک قتل نہ ہوتے جیسا کہ اسٹپ اور کوچانہ میں بیچارے قتل کیے گئے۔ جواب دیا گیا کہ "جہاں تک مجھے علم ہے پہاڑوں میں بغاوت کرنے سے نہ تو ترکی حکومت اور نہ دول غیر پر ہی اثر پڑ سکتا ہے کیونکہ جب تک عوام اور تجارت سے اس کا براہ راست تعلق نہو اس جنگ کو کوئی نہیں پوچھتا۔ اس میں شک نہیں کہ ایسی جنگ کا بھی آخر میں کچھ نہ کچھ نتیجہ نکلے گا لیکن یہ نتیجہ اس قابل نہو گا جس پر مقدونیہ میں دلچسپی لینے والے کچھ متوجہ ہوں۔

لیکن یہ حملے بازار کے دنوں ہی میں کیوں کیے جاتے ہیں؟ اس سے تجارت اور تمام کاروبار کو روکنا مقصود ہے۔ یوں تو مسلمانوں کی عصبیت کے جس کا اس زمانے میں کوئی حد و حساب نہیں، شہید تعداد میں بہت زیادہ ہیں لیکن یہ تعداد اس تعداد سے کم ہے جو نہایت امن اور خاموشی کے زمانے میں مقدونی آبادی میں سے قتل کی جاتی ہے۔ گزشتہ سال صرف ایک مہینے میں (قاضہ (قصبہ؟) فلوریتہ (لیرین) میں ساٹھ آدمی بغیر بمب کے حملوں کے مارے گئے۔ قاضہ لن غازہ میں بھی ایسی ہی قیامت گزری۔ ایک ماہ میں ساٹھ یونانی اور بلغاری عمائد قتل کیے گئے جس کی وجہ سے اکسرخس اور بطریرک عام کو عیسائیوں کے قتل سے ہاتھ روکنے کے لیے باب عالی سے شکایت کرنی پڑی۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ قتل موقوف نہیں ہوئے۔ ان امور پر نظر کرتے ہوئے آج کی ہماری شورشیں اگلی خاموشی سے بہت اچھی ہیں۔

بیسواں باب

محمد پنجم اور دستوری حکومت۔ اجزائے سلطنت کا انتشار

مشرق کی طرف کوچ اتحاد بلقان ۔ ترکی کے خلاف اتحاد ۔ ترکوں کی روحانی حالت۔ تحریک بر کنوالڈ ۔ مانٹی نیگرو کے خلاف اعلان جنگ ۔ متحدین کی ۳۰ ر اکتوبر کی یادداشت ۔ بلغاریہ اور سربیہ کے خلاف ترکی کا اعلان جنگ۔ یونان کا اعلان جنگ ۔ ترکوں کی پہلی مصیبت ۔ مختار پاشا کی وزارت کا زوال ۔ کامل پاشا کی وزارت عظمیٰ بلغاری شتلجہ (chataldja) کے آگے۔ التوائے جنگ اور صلح کی تمہید ۔ ۱۷ر جنوری ۱۹۱۳ء کا مشترکہ نوٹ ۔ ناظم پاشا کی موت ۔ کامل کا زوال ۔ محمود شوکت پاشا کی وزارت عظمیٰ ۔ مخالفتوں کی تجدید ۔ صلح کی گفت و شنید ۔ دول کا ۳۱ر مارچ کا نوٹ ۔ لندن میں صلح کی مبادیات ۲۰ر مئی ۔ اختلاف اور کمیٹی ۔ محمود شوکت پاشا کا قتل ۔ سعید حلیم پاشا کی وزارت ۔ بلقان اور ترکی میں جنگ ۔ ترکی کی جارحیت اور ادرنہ پر دوبارہ قبضہ ۔ بلغاریہ کے ساتھ صلح ۔ معاہدۂ قسطنطنیہ ۔ یونان کے ساتھ صلح ۔ معاہدۂ اثینا ۔ مسئلۂ جزائر ترکی اپنے انتقام کی تیاری کرتی ہے ۔

"مشرق کی طرف کوچ"۔ اتحاد بلقان

انیسویں صدی میں جس زمانہ سے کہ مسئلۂ مشرق مغربی سیاست کے روبرو

پیش ہوا تھا، ترکی کو روس کے خلاف انگلستان کی حمایت حاصل رہی تھی۔ یہ برطانیہ ہی تھا، جس نے ۱۸۷۸ء میں گرانڈ ڈیوک نکولاس کی فوجوں کو قسطنطنیہ پر قبضہ کر لینے سے باز رکھا تھا۔ یہ انگلستان ہی تھا، جس نے معاہدۂ سان استیفانو کی شرائط کو معتدل کر کے معاہدۂ برلن سے بدل دیا تھا۔ لیکن مصر پر انگریزی قبضہ ہو جانے سے سینٹ جیمس کی کابینہ کی پالیسی میں ایک انقلاب پیدا ہو گیا تھا، جو ایک حد تک ترکوں کے خلاف تھا۔ یہ ایک ایسا انقلاب تھا، جو واقعات کی رو میں اس وقت تک بڑھتا ہی چلا جانے والا تھا جب تک کہ دفتر خارجہ میں اس کے مخالف اصول کو کامیابی حاصل نہ ہو جائے۔ یہ اصول، جو اس اصول کے خلاف تھا، جو اس وقت تک جاری و ساری تھا، سلطنت عثمانیہ کی تمامیت کا اصول تھا۔ یہ اسی انقلاب کا باعث تھا کہ عبدالحمید کو رفتہ رفتہ جرمنی پر بدرجۂ مجبوری اعتماد کرنا پڑا اور یہ کسی ذاتی پسند یا ایک مطلق العنان بادشاہ کے میلان خاطر کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ تحفظ ذات کی خاطر ایسا کیا گیا تھا اس لیے کہ عبدالحمید کو یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ صرف جرمنی ہی اس کے تخت و تاج کی حفاظت کر سکتا ہے۔

فرانس کی طاقت ۱۸۷۰-۷۱ء میں پامال ہو چکی تھی اس کو ابھی سنبھالا لینے کی ضرورت تھی اور شرقیین کے نزدیک، جو قوت و طاقت کے بڑے شیدا ہیں، سرود گاہ مغرب میں ایک متوسط الحال طاقت سے زیادہ اس کی اور کوئی حیثیت نہیں تھی۔ تاہم سلطان، فرانس کو پسندیدہ نظروں سے دیکھتا تھا اور اس کے دل میں اپنے چچا عبدالعزیز اور اپنے بھائی مراد کی معیت میں اپنے ۱۸۶۷ء کے سفر پاریس کی یاد ہمیشہ تازہ رہتی تھی۔ ترکی کی خارجی پالیسی کا رخ فرانس کے خلاف پھیر دینے کے لیے ان غلطیوں کے ارتکاب کی ضرورت تھی۔ جو ہر قلمی امور اور ترکی میں فرانس کے جنگی وفد سے سرزد ہوئیں۔ روس کے ساتھ لڑائی کے ختم ہوتے ہی عبدالحمید نے سب سے پہلے جس امر کی طرف توجہ کی، وہ یہ تھا کہ اس نے اپنے پاس بیشمار فرانسیسیوں کو جمع کر لیا۔ اس نے ان تمام لوگوں کو، جو اس زمانے میں جب کہ وہ ایلیسی (قصر شاہی) میں نپولین ثالث کا مہمان تھا، اس کی ہمرکابی میں تھے یا اس کے خدام میں داخل تھے، اپنے پاس بلا لیا تھا۔ ان لوگوں میں انجینیرنگ افسر

ڈریسی (Dreysse) بھی تھا، جو اس کے قیام پاریس کے زمانے میں اس کی اردلی کا افسر رہ چکا تھا اور جس کو اس نے مارشل اور قلعوں کا انسپکٹر جنرل مقرر کر دیا تھا فرانسیسی حکومت کو یہ نہیں معلوم تھا کہ ترپ کے پتے، جو اس کے پاس ہیں، ان کو کس طرح کھیلے۔ اس کے کچھ عرصے بعد ہی تونس کا مسئلہ پیش آگیا، جس نے ترکی اور فرانس میں شدید مخالفت پیدا کر دی اور جس کو فرانس کے مخالفین نے، جن کا اتنا اثر نہیں تھا کہ ان کی مصروفیتوں کی تردید کی کوشش کی جاتی، اس مسئلے پر نہایت بے رحمانہ طریقے پر زور دینا شروع کر دیا، جس سے مقصد یہ تھا کہ اس کو ایک شدید فرانسیسی خطرہ بنا دیا جائے۔

برلن کانگریس کے موقع پر انگلستان کے طرز عمل سے ترکوں کو بہت کچھ مایوسی ہوئی تھی۔ ترک انگلستان کی قوت عمل کے متعلق بہت کچھ غلط فہمی میں مبتلا ہو کر ایک ناممکن چیز کو ممکن تصور کرنے لگے تھے یعنی وہ یہ سمجھتے تھے کہ معاہدۂ سان استیفانو کالعدم طور پر منسوخ ہو جائے گا۔ بفرض محال اگر انگلستان کو بلغاریہ الغ کو مشرقی رومائلی کے خود مختار صوبوں کے ساتھ ساتھ ایک باجگذار ریاست میں تبدیل کر دینے میں کامیابی بھی ہو جاتی تب بھی نہ تو انگریزی مدبرین میں اتنی قدرت تھی اور نہ ان کی یہ خواہش تھی کہ ترکی بوسنہ، ہرسک اور تھسلی کا نقصان نہ اٹھائے۔ علاوہ بریں ۴ جون ۱۸۷۸ء کے معاہدے کی رو سے انگلستان کو دولت علیہ ترکیہ کے متعلق اپنے حقوق اتالیقی پر، جو سلطان کے اقتدار ذاتی کے لیے بہت کچھ خطرناک تھے، اس لئے غرہ پیدا ہو گیا تھا اس نے اصلاحات مقدونیہ کے متعلقہ فقرہ ۲۳ اور اصلاحات ارمینیہ کے متعلقہ فقرہ ۶۱ کی تکمیل کا اپنے آپ کو منتظم و منصرم قرار دے لیا تھا۔ اسکندریہ کی گولہ باری اور مصر پر انگریزوں کے قبضے کی، جو سلطان اور پان اسلامزم دونوں پر ایک ایسی ضرب لگا کر حاصل کیا گیا تھا، جو تونس میں (جو ایک عرصے سے دولت علیہ ترکیہ کے اقتدار سے آزاد تھا) فرانسیسی استعمار کے قیام سے بھی زیادہ کاری تھی۔ اس معاملے کی نوعیت ایسی نہیں تھی کہ عبدالحمید کو لندن سے حمایت حاصل کرنے کی جراءت ہوتی؛

فرانس اور انگلستان دونوں میں سے کسی نے بھی ضمانت ہائے مطلوبہ سلطان کی

خدمت میں پیش نہیں کیں۔ لہٰذا جرمنی ہی ایک ایسا ملک تھا جس کو بظاہر یورپ میں اعلیٰ ترین فوجی قوت و طاقت حاصل تھی۔ جرمنی ہی کو یہ قابلیت حاصل تھی کہ وہ روس کی حرص و آز کو جس کو روس کی ۱۸۷۸ء کی فتحیاب جنگ کے سیاسی نتیجے سے بہت کچھ مایوسی ہوئی تھی اور جس کا اب کوئی حد و حساب باقی نہیں رہا تھا، روکنے کے لئے، ترکی کی خاطر خواہ مدد کرے۔ جرمنی، جس نے اپنی عالمگیر توسیع کی تحریک کا آغاز کر دیا تھا، مشرق سے بے اعتنائی نہیں برت سکتی تھی۔ اس سلسلے میں پہلا قدم جو اٹھایا گیا اور جو دراصل فرانس کا قصور تھا، وہ ترکی فوج کی تنظیم جدید کے لئے جرمنی کے فوجی وفد کی روانگی تھی۔ یہی وہ ابتدا تھی جس کی بنا پر ترکی میں اکثر صنعتی اور تجارتی امور پر تسلط حاصل ہو گیا اور یہی وہ پہلا قدم تھا جو "مشرق کی طرف کوچ" کو صحیح کر دکھانے کے لئے اٹھایا گیا۔

یہ ایک قسم کی رسم سی ہو گئی ہے کہ "مشرق کی طرف کوچ" کے خیال کی ابتدا کو بسمارک سے اس لئے منسوب کر کے اس کی عزت افزائی کی جاتی ہے کہ اس نے اس پر بہت زیادہ زور دیا تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس فولادی چانسلر نے اس خیال کو صرف ایک نظریے کی حیثیت سے پیش کیا تھا۔ اس کے زمانے سے بہت عرصہ پہلے سے اس مسئلے پر گفتگو شروع ہو گئی تھی۔ اس نے اس نظریے کو سیاسی اور معاشی دونوں حیثیتوں سے ایک ممکن الوقوع واقعے کی حیثیت دیدی۔ یہ ایک ایسا نظریہ تھا، جو بسمارک کے زمانے سے قبل محض ایک علمی مسئلے کی حیثیت رکھتا تھا۔ ۱۸۵۶ء میں بھی روشر (Roscher) نے شمالی المانیوں کو یہ مشورہ دیا تھا کہ وہ امریکہ کے مختلف ملکوں میں بس جانے کے بجائے مشرق میں بس جائیں۔ اس نے اہل جرمنی کی اس بے اعتنائی کے خلاف، جو وہ مشرق سے برتتے تھے، بہت کچھ کہا سنا تھا اور یہ واضح کر دیا تھا کہ یہ ایک ایسی بے اعتنائی ہے، جو جرمنی مفاد کے لئے مضر ثابت ہو گی۔ اس نے اس امر پر زور دیا تھا کہ وہ اگر جرمنی کی تارک الوطنی کا رخ ہمارے مشرقی ہمسایہ ملکوں، یعنی ہنگری، ملداویہ، بلغاریہ اور ایشیائے کوچک کی زرخیز مگر کم آباد اراضیات کی طرف پھر گیا تو ایک نئی صورت پیدا ہو جائے گی۔ لسٹ (List) کی عملی طبیعت نے ہمیشہ اس خیال کی تائید کی ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں مصالحانہ فتوحات کے ذریعے سے ایک نئی جرمنی معرض وجود میں آ سکتی ہے۔ یہ نئی جرمنی بہ لحاظ وسعت، آبادی اور دولت قدیم جرمنی سے کہیں بڑھ جائے گی اور روس اور اتحاد سلافیقیت کے خلاف ایک مستحکم

دیوار ہو گی ۔ ان ملکوں سے ہم وہی کام لے سکتے ہیں جو ریاستہائے متحدہ (United States) مغرب بعید سے لیتی ہیں "۔

ایک رسالے میں جس کا نام "جرمنی کی معاشرتی بدحالی" (Social misery in Germany) تھا اور جس نے ملک میں بہت کچھ جوش پھیلا دیا تھا۔ جرمنی کا ایک ایسے آدمی سے مقابلہ کیا گیا تھا، جس نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہے اور شدید مصائب برداشت کئے ہیں اور جو محنت کرنا اور اجتہادی شان پیدا کرنا چاہتا ہے مگر اس کو اپنی مصروفیتوں کے آغاز کے لئے کوئی میدان عمل نہیں ملتا۔ مشرق کا دروازہ، جو اس کے لئے بہترین میدان عمل تھا، اس کے لئے مسدود تھا۔ ۱۸۸۲ء میں لارانی دے اسٹین (Laurent de Stein) نے "یورپ کی سب زیادہ زبردست قوم" جرمنی کو یہ قسم دلائی کہ مشرق کے متعلقہ مسائل میں وہ اپنے لئے جگہ پیدا کرے۔ اس نے اس امر پر اظہار تاسف کیا کہ جرمنی اپنی قوت کی اہمیت سے ناواقف معلوم ہوتی ہے۔ آسٹریا کے مفاد سے اس کے اپنے مفاد کا جو تعلق ہے وہ اس سے ناآشنا ہے۔ وہ یہ محسوس نہیں کرتی ہے کہ آسٹریا وسط بلقان میں اپنی حیثیت کو تیقن کر لینے کے بعد اس کے لئے مشرق کا راستہ کھول دے گی۔

برلن کے دفتر خارجہ کے مصالح ابتک اس نتیجے پر نہیں پہنچے تھے ترکی کے ساتھ دوجہتی معاہدہ کرنا ضروری ہے۔ وہاں صرف دولت علیہ ترکیہ میں مستحکم اثر حاصل کر لینے کا سوال تھا جس کا مقصد یہ تھا کہ بیمار کی موت کے دن اس کے ترکے کے بیشتر حصے پر قابض ہو جانے کے لئے پہلے سے تیاری کر لی جائے۔ جس وقت تک جرمن حکمت عملی کی باگ بسمارک کے ہاتھوں میں تھی آسٹریا اور جرمنی کے اتحاد میں ترکی کی شرکت کے مفروضے پر بحث کرنا تو درکنار المانوی سیاست نے کبھی اس کا خیال بھی نہیں کیا تھا۔

اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ چانسلر کا خیال اس مشہور مقولے کے مطابق تھا۔ جو اس سے منسوب کیا جاتا تھا "مسئلہ مشرق اس قابل نہیں ہے کہ اس کے لئے پروشیہ کے ایک اونی سپاہی کی ہڈیوں کو خطرے میں ڈالا جائے" بلکہ اس کی یہ وجہ تھی کہ وہ یہ سمجھتا تھا کہ پیرس اور سینٹ پیٹرسبرغ کے اتصال جدید کے انسداد کے لئے وہ کافی انتظام کر سکتا ہے۔ وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ ترکی کو دو وسطی سلطنتوں کے اتحاد میں شریک کر لے اور اس طرح روس پر یہ ظاہر ہو جائے کہ اس کے ایشیائے قریب سے دست بردار ہو جانے کا وقت آ گیا ہے، جس کو خفیہ طور پر اس نے زار کے مقبوضات کے منجملہ تصور کر لیا تھا۔ قسطنطنیہ کی جرمنی سفارت

کے روسی سفارت کے ساتھ بہترین تعلقات تھے اور وہ موخرالذکر کے افعال کی عام طور پر نہایت احتیاط کے ساتھ مگر موثر طریقے پر تائید کیا کرتی تھی۔

ولیم ثانی کے تخت نشین ہونے کے بعد جرمنی اور ترکی کے تعلقات کے متعلق ایک نیا خیال پیدا ہو گیا جس کا رجحان کسی آئندہ زمانے میں مشترکہ طور پر مصروف عمل ہونے کے لئے دونوں ملکوں کے اتحاد کی طرف تھا۔ چانسلر نے ترکی کے ساتھ اتحاد کے تمام خیالات کو مسترد کر دیا۔ وہ یہ سمجھتا تھا کہ یہ طاقت جرمنی کو کسی قسم کی مدد دینے کے بجائے اس کے لئے اور رکاوٹیں پیدا کر دے گی لیکن قیصر کا بجائے خود یہ خیال تھا کہ یورپ میں جنگ واقع ہونے کی صورت میں دولت علیہ ترکیہ ایک نہایت ہی اہم عنصر کی حیثیت اختیار کر لے گی اور اس لئے وہ ایک باقاعدہ معاہدے کے ذریعے سے اس کو اپنے لئے ملتحق کر لینا چاہتا تھا۔ ستمبر ۱۸۸۹ء میں ولیم ثانی کے سفر قسطنطنیہ کے بعد ولیم کے خاص حکم کی بناء پر وزیر خارجہ کاؤنٹ ہربرٹ وان بسمارک نے جو اس سفر میں ولیم کے ہمرکاب تھا اس باب میں بعض تحریکیں کی تھیں لیکن باب عالی اور یلدیز والوں نے یہ ظاہر کر کے کہ جس کی اہمیت کو نہیں سمجھ سکتے اس سوال کو ٹال دیا۔

اگرچہ سلطان کی طرف سے اس امر کے متعلق قطعی ثبوت دئے جا رہے تھے کہ وہ جرمنی اور اہل جرمنی کو دوسروں پر ترجیح دیتا ہے اور باوجودیکہ وہ اپنی سلطنت میں جرمنی صنعت و تجارت کی ترقی کو ہر طرح بہ نظر استحسان دیکھتا تھا تاہم وہ یہ چاہتا تھا کہ اپنی خارجی پالیسی میں اس کی آزادی عمل اسی طرح برقرار رہے۔ وہ جرمنی کی دوستی کی اس لئے قدر کرتا تھا کہ وہ اس کو یورپ کی سب سے زیادہ زبردست طاقت سمجھتا تھا لیکن اس کا یہ مقصد تھا کہ معاہدات کے ذریعے سے اپنے اوپر کوئی ذمہ داری عائد کئے بغیر وہ جرمنی کی دوستی سے اپنے سیاسی مقاصد میں کام لے۔ جرمنی کے لئے جو سیاسی سہولتیں اس نے بہم پہنچائی تھیں ان کے متعلق اس کو یہ خیال تھا کہ اگر برلن کی طرف سے اس کی کسی قسم کی امداد کی گئی تو یہ سہولتیں اس امداد کا کافی معاوضہ ہو سکیں گی۔ لیکن ولیم ثانی بھی اپنی ضد کا پکا تھا اور اس نے اپنے اس خیال کو معرض وجود میں لانے کے لئے کبھی کسی کوشش سے دریغ نہیں کیا۔ ارمنی کشت و خون، جنگ یونان و ترکی، صلح کی گفت و شنید، اور ترکی افواج سے تھسلی کا تخلیہ نیز مسئلہ کریٹ کو حل کرنے کے متعلق بحث و تمحیص، یہ تمام باتیں قیصر کے نزدیک سلطان کو یہ باور کرا دینے کے لئے دلیل قاطع کی حیثیت رکھتی تھیں کہ اس کے مفاد اس امر کے شدت سے متقاضی ہیں کہ وہ جرمنی کے ساتھ

اتحاد کے وجوب کو تسلیم کرنے میں اب مزید انکار سے کام نہ لے۔ ترکی کی طرف سے جرمنی حکومت کے خلاف، جو ہمیشہ یورپین اتحاد میں رخنہ اندازی کے لئے تیار رہی تھی اور جس نے ان تمام تجاویز کو ناکامیاب بنانے کی کوشش کی تھی، جو سلطان کو پسند نہیں تھیں۔ عبدالحمید نے بھی اپنی جانب سے کسی نہ کسی ایسی طاقت کے خلاف، جو کم و بیش ترکی کے مقابلے میں تخویف آمیز طرز عمل اختیار کر رہی تھی، اپنے اچھے بھائی اور دوست سے مداخلت کی درخواست کرنے میں کوئی کمی نہیں کی تھی۔ سلطان کی انھیں التجاؤں کا باعث تھا کہ ولیم ثانی کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ سلطان سے اس امر کے متعلق صاف طور پر جواب لینے کا یہی وقت ہے کہ آیا وہ اس کا حلیف بننا چاہتا ہے یا نہیں اور یہ کہ آیا وہ اتحاد ثلاثہ کا ہمقدم بننا چاہتا ہے یا روس کی تازہ ترین مخالفت، فرانس کی بری خواہشات، اور برطانیہ کے دوستانہ پیشکشوں کے باوجود جو ویسے ہی خطرناک تھے جیسے کہ اس کی دشمنی کی دھمکیاں ہوا کرتی ہیں، وہ اس اتحاد سے الگ تھلگ رہنے کا خواہشمند ہے۔

اسی کے ساتھ ساتھ قیصر ولیم نے "گول میز" (Round Table) کے ایک نئے سودا کی طرح مقدس گریل (Holy Grail) کی تلاش میں، جب مشرق کا دوسرا سفر کیا تو اس کا مقصد یہ تھا کہ عیسائی آبادی یہ سمجھنے لگے کہ شارلیمین (Charlemagne) یہ جانشین مغرب کا وہ زبردست ترین بادشاہ ہے، جس کے سامنے تمام دوسرے بادشاہوں اور سرداروں کو اپنے سر جھکا دینے چاہئیں۔ ولیم اس موقع پر پہلے ہی سے ایک ایسا معاہدہ تیار کر کے اپنے ساتھ قسطنطنیہ لے گیا، جس میں صرف عبدالحمید کے دستخطوں کی کمی تھی۔ سلطان کی اپنے عہد سلطنت میں دو اہم پیش بندیوں کی غرض یہ تھی کہ ترکی کو جنگی کاروبار سے علیحدہ رکھے۔ یونان کی لڑائی کا خود اس نے موقع تلاش نہیں کیا تھا بلکہ مجبوراً اس کو اپنا دامن اس میں الجھانا پڑا تھا۔ ان خدرات کی بنا پر اس نے اب بھی اس معاہدے پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا، جس کے سلطان کے ملاحظے میں پیش کئے جانے پر قیصر کو اصرار تھا۔ اس معاہدے کے ساتھ ساتھ قیصر کے اس سفر کا ایک دوسرا مقصد بھی تھا۔ اور وہ یہ تھا کہ مشرقی کیتھولکس سے جو فرانسیسی استعمار سے متعلق ہے اس کو تباہ کر دیا جائے۔ اس مقصد میں بھی بہرحال قیصر کو کامیابی نصیب نہیں ہوئی۔ دولت علیہ ترکیہ یہ نہیں چاہتی تھی کہ باب عالی اور ہولی سی (Holy See) کے مابین تعلقات قائم کرنے کی غرض سے اس گفت و شنید کا از سر نو آغاز کرے، جس کو اب سے

چھ ماہ پہلے ناکامی ہو چکی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایشیا میں جرمنی کی صنعتی عزائم و مہمات کے معاملے میں قیصر زیادہ خوش قسمت ثابت ہوا تھا۔ اناطولیہ کی ریلوے کمپنی کے لئے بندرحیدر پاشا اس کو مل گیا نیز بغداد ریلوے کی مراعات کا بھی اس سے باقاعدہ طور پر اقرار کر لیا گیا اور یہی دو چیزیں تنہا اس کی زحمت سفر کا کافی معاوضہ ہو سکتی تھیں۔

ولیم ثانی نے ۱۹۰۱ء میں اپنے سفر کی یادگار کے طور پر استنبول میں ایک فوارے کی تعمیر کے موقع پر اس معاملے میں از سر نو سلسلہ جنبانی شروع کی۔ اس فوارے کا خاکہ ولیم ہی نے تیار کیا تھا اور اسی نے اس کی تعمیر کے اخراجات برداشت کئے تھے۔ لفٹننٹ جنرل بیرن وان کیسل (Kessel) رائل پروشین گارڈ کی پہلی ڈویژن کا کمانڈر اور اس افتتاحی رسم میں مدد دینے کے لئے قیصر کے بھیجے ہوئے وفد کا سردار جرمنی اور ترکی کے مابین ایک جنگی معاہدہ بھی اپنے ساتھ تیار کرتا لایا تھا، جو دراصل تمہید تھا جرمنی اور ترکی کے مابین ایک اتحاد کا۔ جنگ سے عاجز ہو جانے کی بنا پر ممکن تھا کہ سلطان ایک مدافعانہ اتحاد کو اس لئے منظور کر لیتا کہ ایسی صورت میں ترکی زیادہ فائدے میں رہتی کیونکہ جرمنی سلطنت عثمانیہ کی تمامیت کی ذمہ دار ہو جاتی اور ترکی کی جانب سے ہر اس حکومت کے معاملات میں مداخلت کرتی، جو جنگ کی خواہشمند ہوتی۔ لیکن جرمنی کا اس کے برخلاف یہ منشاء تھا کہ اگر اتحاد ثلاثہ کی اتحاد تثنیہ سے مڈبھیڑ ہو جائے تو ایسی صورت میں ترکی سے روس کے خلاف کام لیا جائے۔ ماوراء قاف پر ترکوں کا حملہ ایک نہایت زبردست انحراف ہوتا، جس کی بنا پر روس کو باطوم سے بایزید تک بیس سے تیس لاکھ تک فوج مجبوراً منتشر کر دینی پڑتی۔ اس مقصد کی تکمیل کے لئے اس امر کی ضرورت تھی کہ معاہدہ اتنا ہی جارحانہ ہو جتنا کہ مدافعانہ مگر سلطان اس معاہدے کو منظور کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس کو اچھی طرح معلوم تھا کہ ایسے تقاضے میں جس سے یورپ کے دو لشکر گاہوں میں منقسم ہو جانے کا امکان تھا، ترکی مستقل طور پر شرکت کرنے سے خود ترکی کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔ دونوں فریقوں میں سے کسی ایک فریق کے شریک حال ہو جانے میں ترکی ایسی پیچیدگیوں میں پھنس جاتی جو خود اس کی بقا کے لئے خطرناک ثابت ہوتیں خصوصاً ایسی صورت میں کہ جس لیگ سے ترکی کا تعلق تھا، وہ ان پیچیدگیوں سے اس کے خلاف کام لینا شروع کر دیتی۔ علاوہ بریں ترک ایک جارحانہ جنگ کے لئے تیار نہیں تھے۔ تھسلی کے ساتھ جو لڑائی ہوئی تھی وہ اس عنوان کے تحت

اس لئے نہیں آتی کہ اس موقع پر ترکوں کا حقیقی طور پر کسی باقاعدہ فوج سے مقابلہ نہیں تھا۔ یلدیز اس حد تک کسی قسم کی غلط فہمی میں مبتلا نہیں تھا اور باوجودیکہ جرمنی کو معلم کھلا پینہ کیا جاتا تھا تاہم ترکی اس کی خاطر خطرے میں نہیں پڑنا چاہتی تھی۔ لیکن ترکی کو آسٹریا سے بھی اتنا ہی خطرہ تھا جتنا کہ روس سے چنانچہ اس نے یہ مطالبہ کیا کہ جرمنی اس امر کی ذمہ داری لے لے کہ آسٹریا، سالونیکا پر حملہ کرنے کی غرض سے اسکوب اور کسافو (Uskub & Kossova) کی طرف نہ صرف پیشقدمی ہی نہیں کرے گا بلکہ وہ بوسنہ اور ہرسک کو بھی واپس کر دے گا لیکن اس کا یقین دلانا قیصر کے امکان سے باہر تھا جرمنی کی تمامتر پالیسی کا رخ "مشرق کی طرف کوچ" کی جانب تھا اور اس کے یہ معنی تھے کہ روس کی چالبازیوں کے توڑ کے لئے آسٹریا کو جزیرہ نمائے بلقان میں سب سے پہلے بڑھا دیا جائے۔ لہٰذا ایسی صورت میں اتحاد ثلاثہ میں شریک ہو کر دولت علیہ وہی کام انجام دے سکتی تھی۔ جو ایک احمق کا ہوا کرتا ہے۔

۲۳ جولائی ۱۹۰۸ء کے انقلاب نے حمیدی مطلقیت کو یکایک زیر و زبر کر دینے سے یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ جرمنی اثرات کے خلاف ایک شدید رد عمل واقع ہوگا جس زمانے میں کہ جرمنی، سلطان کی مطلق العنانی کی مستقل طور پر حمایت کر رہی تھی، نوجوان ترکوں نے جن کو عبد الحمید نے ممنوع البلد اور واجب القتل قرار دے دیا تھا، فرانس اور انگلستان میں اپنے لئے مامن و ملجا تلاش کر لیا تھا، جہاں سے وہ اس جنگ حریت کی تنظیم اور رہبری کر سکتے تھے جس میں بالآخر ان کو کامیابی نصیب ہو کر رہی۔ طاقت اور قوت حاصل کر لینے کے بعد ان کا اپنے حریف کی پالیسی کے مخالف پالیسی اختیار کر لینا بالکل حق بجانب تھا۔ احراری مظاہرات میں، جو پیرا کے مقام پر پیٹس کیمپس (Petits champs) کے باغ میں جس کی اس زمانے میں وہی حیثیت تھی، جو جولائی ۱۷۸۹ء میں پاریس کے پیلیس رائل کی تھی، اگست کے مہینے میں واقع ہوئے، تمام مقرروں نے جرمنی پر خوب لعنت ملامت کی اور اس کے خلاف سخت نفرت و حقارت کا اظہار کیا۔ احراریین کی زبان سے ہر طرف "مردہ باد جرمنی کو" کے نعرے نکل رہے تھے۔ استنبولی جرائد مسلسل اس امر کی تکرار کر رہے تھے کہ دستوری حکومت کو انگلستان اور فرانس جیسے آزاد ملکوں کے ہمقدم چلنا چاہئے۔ یہ جرائد جرمنی پر یہ الزام لگا رہے تھے کہ اس نے آسٹریا ہنگری کو

بوسنہ اور ہرسک کے دبا لینے اور بلغاریہ کو اپنی خود مختاری کا اعلان کر دینے پر مجبور کیا تھا۔ سلطان کی اختیاری طاقتوں کی بازبحالی کی متعلقہ سازشوں کے متعلق وہ بہت کچھ لعنت ملامت کر رہے تھے اور حقیقت یہ ہے کہ ایک مکمل انقلاب ملک میں رونما ہو گیا تھا۔

اس انقلاب میں زیادہ تر اہمیت اس لئے پیدا ہو گئی تھی کہ وزیر اعظم، کامل پاشا انگلستان کو دوست رکھنے کے متعلق بدنام تھا۔ خود لنڈن میں بھی یہ باور کیا جاتا تھا کہ انگریزی اثر جرمنی کے اثرات کو پامال کر دے گا۔ دلیل یہ تھی کہ جس طرح دولت علیہ ترکیہ نے اپنی مالی گتھیوں سے ایک ماہر مالیات (financier) کی خدمات کو مانگا تھا اسی طرح منجملہ دوسرے امور کے دولت علیہ نے سب سے پہلا کام یہ کیا تھا کہ ترکی بحریے کی تنظیم جدید کے لئے ایک امیر البحر اور متعدد افسروں کی خدمات انگلستان سے مستعد طلب کی تھیں۔ انگریزی جرائد کامل پاشا کی مدح و ثنا سے مملو تھے اور ایڈورڈ ہفتم نے اس کو ایک خط بھی بھیجا تھا جو اس کی قابلیت اور سیاسی ذہانت کے صداقت نامہ کی حیثیت سے اس کے کام آسکتا تھا۔ لیکن کامل پاشا کی مدح سرائی کر کے انگریزی جرائد نے، جن کے نامہ نگاروں کی مرسلہ اطلاعات ناقص ہوتی تھیں اور جو کافی طور پر صحیح واقعات سے واقف نہیں تھے، احرار کو کمیٹی کی مخالفت میں مدد دی اور احرار نے ایک ایسی زبردست جماعت کو انگلستان سے بے تعلق کر دیا، جس کو بالآخر غلبہ حاصل ہو کر رہا۔ اس کے علاوہ نئی ترکی کا اہم ترین جزو، جو اگرچہ خود سیاسی تماشہ گاہ پر جلوہ گر نہیں تھا تاہم غلام گردشوں میں جس کی مصروفیتیں ایک قطعی حیثیت رکھتی تھیں اس لئے کہ اس کے بغیر قانون اساسی کا وجود ناممکن اور اس کا نفاذ محال تھا، یعنی فوج جرمنی کی طرفدار تھی۔ چند شخصی مستثنیات کے علاوہ، جن کو فرانس اور انگلستان کے ساتھ ہمدردی تھی عثمانی جنرل اسٹاف جرمنی کا طرفدار تھا اور اس کی وجہ ظاہر ہے۔ برابر بیس۳ سال سے ترکی فوج کی جرمنی اصول و ضوابط کے مطابق ایک جرمن فوجی مشن تنظیم و ترتیب میں مصروف تھا۔ گویا ترکی فوج ایک حیثیت سے جرمن فوج کی ایک شاخ تھی۔ تقریباً تمام سپہ سالاروں نے جرمنی میں اپنی تعلیم پوری کی تھی۔ جرمنی کی فوج میں کئی سال تک انھوں نے ملازمت کی تھی۔ اس کے اصول و ضوابط ان کے ذہن نشین ہو چکے تھے اور ان کی ذہنیت جرمنی ذہنیت کی حصہ دار بن گئی تھی۔

نوجوان ترک بازیگاہ یورپ میں اپنے کرتب دکھانے کے خواہشمند تھے حلقہ ہائے

حکومت میں وہ اگرچہ دانشمندانہ غیر جنبہ داری کے اصول کے پابند نظر آتے تھے لیکن ترکی قومیت پسند سعی و عمل کے برابر خطبے دے رہے تھے۔ ایک ترکی جریدے نے مسئلہ قندیہ کے سلسلے میں "ایک اتحاد فروخت کیا جاتا ہے" کے عنوان سے ایک مضمون شائع کیا تھا جس پر بہت کچھ بحث و تمحیص ہوئی تھی۔ اس مضمون میں اس اصول کا تذکرہ کرنے کے بعد کہ فتح اسی جتھے کو حاصل ہوگی، جس کے ساتھ ترکی شریک ہو جائے۔ اس لئے کہ ترکی کی امداد پر تین سو ملین مسلمان موجود ہیں اس جتھے کے ساتھ اتحاد کی شرط یہ قرار دی گئی تھی کہ قندیہ ترکی کو واپس کر دیا جائے۔ حکومت ترکی مطالبات کو بحیرۂ روم میں نافذ کرنے کے لئے بشرط ضرورت ایک زبردست جنگی بیڑہ تیار کرنا چاہتی تھی۔ ترکی تجویز کا مقصد ایک توازن مساوضت کا قیام تھا جس کی حیثیت روسی اسکواڈرنوں کے مقابلے میں اس سے کچھ زیادہ ہوتی۔ ترکی افواج کی تنظیم جنرل وان ڈر گولٹز (Goltz) کی تنہا ہدایات کے مطابق عمل میں آرہی تھی، جو اپنا آدھا وقت جرمنی کے عساکر سادس کے سردار معائنہ کی حیثیت سے صرف کرتا تھا اور بقیہ ترکی کی مجلس علیہ حربیہ کے نائب صدر کی خدمات کے انجام دینے میں۔ اس امر کی تصدیق ہو چکی ہے کہ جنرل وان ڈر گولٹز کے سپرد یہ کام کیا گیا تھا کہ وہ بصورت جنگ ترکی حملے کی حدود عمل کا ایک خاکہ تیار کرے، جو ظاہر ہے کہ جرمنی کا مخالف نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن سب سے زیادہ جس چیز سے ترکی کا تعلق تھا وہ یہ تھی کہ جزیرہ نما کی عیسائی ریاستوں کے مقابلے میں، جو اس کی اس لئے شدید دشمن تھیں کہ اپنی حالیہ شکستوں کا انتقام وہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں لینا چاہتی تھیں کہ آل عثمان کو یورپ سے نکال دیا جائے، کونسی پالیسی اختیار کرنی چاہیئے۔ اس موروثی حریف مشترک کے خلاف اتحاد کے لئے اثینا، بلغراد، ستنجی، اور صوفیہ میں خفیہ کارروائیاں کی جا رہی تھیں۔ ایک بلقانی اتحاد کی تحریک عالم وجود میں آ چکی تھی۔ ترکی جرائد نے فوراً خطرے کو محسوس کر لیا اور حکومت سے اس امر پر اصرار کرنا شروع کر دیا کہ وہ سلافیتی کارستانیوں کے خلاف نہایت ہوشیاری کے ساتھ اپنی حفاظت کرے اس لئے کہ ترکی جرائد یہ یاد نہیں کر سکتے تھے کہ یونانی بلغاری اور سرولی متحد العمل ہو سکتے ہیں۔ ۱۹۰۹ء میں اس اتحاد میں ترکی کی شرکت کے متعلق سوال اٹھایا گیا تھا۔ کابینہ نے اس کا جواب یہ دیا تھا کہ وہ اس کے متعلق کوئی صریح بیان نہیں دے سکتی کیونکہ اخبارات میں جو کچھ شائع ہوا ہے اس سے زیادہ اسے کچھ علم نہیں ہے۔

صرف ایک ترکی اخبار ایسا تھا جس نے اتحاد بلقان کی تائید کی تھی اور یہ کہا تھا کہ اس اتحاد کے ذریعے سے جزیرہ نما کی تمام قومیں ایک دوسرے سے متحد ہو جائیں گی اور اس طرح آسٹریا کے لئے ایک سدباب پیدا ہو جائے گا۔ یہ اخبار ابوضیاء توفیق بے (Ebuzzia Tewfik-Bey) کا اخبار (Firmin Didot of Turkey) تھا۔

میٹرنخ کی پالیسی نے، جس کا رخ عہدیۂ المانیہ میں آسٹریا کی فوقیت اور اتحاد مقدس کی طرف پھر گیا تھا، الحاق کے خیال کو روک دیا تھا، جو جس نے اٹھارہویں صدی میں ہیپس برگس (Hapsburgs) کو جزیرۂ نمائے بلقان میں کھینچ بلایا تھا اور یہ قاعدہ نافذ کر دیا تھا کہ (Statuquo) اور عثمانی تسلط کو برقرار رکھا جائے۔ لیکن سنہ ۱۸۵۶ء میں جب آسٹریا میں جدید معاشی خیالات پیدا ہو گئے تو نہایت سربرآوردہ معاشیئین نے میٹرنخ کے خیالات کی سختی کے ساتھ مخالفت کی۔ لاران دے اسٹین (Laurent de Stein) نے قابل ذکر مضامین کا ایک سلسلہ شائع کیا، جس میں یہ ثابت کر دیا کہ آسٹریا کے لئے بالدوولاشیین صوبہ جات اور سربیا کی تسخیر ناگزیر ہے مگر لڑائی کے ذریعے سے نہیں بلکہ معاشی، صنعتی، اور تجارتی ذرائع ہے۔

جرمنی میں پروشیہ کے غلبے کو تکمیل کرنے کی غرض سے اتحاد المانیہ میں آسٹریا کو شریک کرنے سے انکار اور ایک خودمختار سیاسی ترکیب اور ایک قومی وجود مستقل کی حیثیت سے سینٹ اسٹیفنی کے علاقے کی بحالی کے ذریعے سے سادووہ نے آسٹریا کے مدبرین کو جنوب مشرق میں اپنا معاوضہ تلاش کرنے پر اکسا دیا اور مشرق کی طرف کوچ کے نظریے کو سیاسیات عملی کی دنیا میں لے آیا۔ معاہدۂ برلن نے ایک غیر معینہ مدت کے لئے بوسنہ اور ہرسک کا نظم و نسق آسٹریا ہنگری کے تفویض کر کے اس علمی قاعدے کی بصورت حقیقت تبدیل ہیئت کو حاصل کر لیا، جس میں جرمنی قوم کی تمام طمع کاریاں اور ہوسناکیاں مضمر تھیں۔

اُس مرتبے سے گر کر جو اس کو المانوی ممالک میں حاصل تھا اور اپنے جرمن مقبوضات میں، جن کے متعلق برلن اور خود ویانا کے حامیان اتحاد جرمانیہ کا یہ مطالبہ تھا کہ ان کو از سر نو ہاہن زولرنس کی سلطنت مقدسہ میں شامل ہو جانا چاہیئے، اپنے لئے خطرات کو محسوس کر لینے کے بعد آسٹریا ہنگری کو اپنے نقصان کا معاوضہ بہ زبان ترکی جزیرہ نمائے بلقان ہی میں مل سکتا تھا۔ وہ محرکات سیاست جو آسٹریا کو ایجین کی طرف دھکیل رہے تھے،

دوسرے اسباب کا اضافہ بھی ہوگیا تھا، جو شاید ان سے زیادہ موثر تھے اور جو ایک ایسے عنصر کی مخصوص پالیسی سے اخذ کئے گئے تھے، جو اب تک راست مصروفیتوں سے بے نیاز رہا تھا مگر اب جس کا اثر روز بروز ترقی کر رہا تھا اور جس نے خاندان ہیپس برگ، ہنگری کی پالیسی میں جدید اصول وضوابط نافذ کر دئے تھے۔ سینیٹ اے ٹی نی کے علاقے کے "تاریخی حقوق" کے ایک جوشیلے حامی کاؤنٹ انڈراسی نے ویانا کے (Ballhaus platz) میں ایک مرتبہ قدم جما لینے کے بعد خارجی پالیسی میں ان سے فائدہ اٹھانے کی ذمہ داری لے لی۔ یہی وہ شخص تھا، جس نے خفیہ طور پر بوسنہ اور ہرسک میں بغاوت پیدا کر کے ان دونوں صوبوں پر آسٹریا ہنگری کے قبضے کے لئے راستہ کھول دیا تھا۔ جرمنی اس وسعت مزید کی ہوئد نہیں تھی اس لئے کہ آسٹریا ہنگری کو جنوب میں جس قدر زیادہ وسعت حاصل ہوتی جاتی تھی اسی قدر جرمنی کی پوزیشن شمال میں کمزور ہو رہی تھی۔ جرمنی کا مقصد یہ تھا کہ وہ آسٹریا کی رفتار کی مناسبت سے ترقی کرے اور جب ایک سالونیکا میں داخل ہو تو دوسرا اسی وقت ٹریسٹی پر ہو۔

جزیرہ نمائے بلقان میں آسٹریا ہنگری کی قیادت کے قیام کے لئے کاؤنٹ انڈراسی نے جو نظام العمل مرتب کیا تھا، اس میں مشرقی یورپ میں آسٹریا ہنگری کے زیر ہدایت ایک سائر اقی اتحاد کی تجویز بھی (customs union) پیش کی گئی تھی۔ یہ اتحاد (zollverein) جو دراصل ایک ایسی بلقانی مشارکت کا دیباچہ تھا، جو جزیرہ نما کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو اقتصادی حیثیت سے اپنا غلام بنا کر، ان پر سیاسی نگرانی قائم کرنے والی تھی، کبھی معرض ظہور میں نہیں آسکتا تھا۔ یہ ہم آسٹریا ہنگری کے زیر حمایت ایک بلقانی مشارکت کے قیام کی تجویزیں اب بھی ویانا میں کی جارہی تھیں۔ ۲۳ جولائی ۱۹۰۸ء کا ترکی انقلاب، جس کی بجائے خود ایسی نوعیت تھی کہ اس نے ان تشویشناک عناصر کا سدباب کر دیا تھا، جن سے مٹرووینزہ (mitrovitza) اور اس سے بھی آگے تک فوجیں بڑھا دینے کے لئے کم وبیش نمائشی حیلے آسٹریا کے ہاتھ لگ جاتے، مشرق کی طرف کوچ کے لئے ایک غیر متوقع ضرب کی حیثیت رکھتا تھا۔ جرمنی جرائد نے عام طور پر "مشرق کی طرف کوچ" کے متعلق یہ بیان کرنا شروع کر دیا کہ یہ ایک افسانہ ہے ایسا افسانہ جس کو مخالفین جرمنی نے عام طور پر مشہور کر دیا ہے، لیکن اس کے باوجود

آسٹریا ہنگری معاہدۂ برلن کے اصول یعنی "مشرق کی طرف بڑھ چلو" کے راگ اسی طرح الاپ رہا تھا اور سلونیکا کو اس نے اپنی منزل مقصود قرار دے لیا تھا۔

جنوری ۱۹۰۷ء میں المانوی تحریک کے حامی رسالہ "اوسترر نشاؤ" (Osterr Rundschau) نے ایک مضمون میں، جس پر بہت کچھ بحث و مباحثے ہوئے تھے، مسئلۂ بلقان کو بہترین طریقے پر حل کرنے کے لئے طولی ریاستوں اور بلقانی ریاستوں میں آسٹریا ہنگری کی زیر صدارت ایک عہد یہ قائم کرنے کی تجویز کی، جو جرمن امپائر کے قدم بقدم ہو۔ صاحب مضمون کا خیال تھا کہ روس کے سوا کوئی دوسری یوروپین طاقت اس عہدیے کی مخالفت نہیں کرے گی۔ اسی کے ساتھ اس نے یہ بھی لکھا تھا کہ روس کی مخالفت بھی اتنی شدید نہیں ہوگی کہ اس کی طرف خاص طور پر اعتنا کیا جائے۔ اس کا بیان تھا کہ "جرمنی کو اپنے حلیف، آسٹریا ہنگری کی مشکلات کو کم ہوتے دیکھ کر مسرت ہوگی۔ انگلستان اور اطالیہ کو مشرق کی اقتصادی آزادی سے بہت فائدہ ہوگا اور ترکی فوراً ان طاقتوں کے ساتھ تعلقات قائم کر لے گی، جو اس کے مقابلے میں تہدید سے کام نہیں لے گی۔ ایسی صورت میں صرف ایک چیز قابل تصفیہ باقی رہ جاتی ہے اور وہ یہ کہ کونسا ایسا طریقہ اختیار کیا جائے، جو اس عہدیے کے لئے سب سے زیادہ مناسب ہو"۔

لیکن وہ ایسا طریقہ کونسا ہو سکتا تھا؟ ہر چیز کا انحصار اسی طریقے پر تھا بلقانی عہدیہ ایک ایسی تجویز تھی، جو بجائے خود تو مضر نہیں تھی لیکن اگر آسٹریا ہنگری کی قیادت میں اس کی تشکیل عمل میں آتی تو یقیناً یہ اسی مقصد کے خلاف پڑتی جس کی تکمیل کے لئے اس کو قائم کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ ایک ایسے عہدیے کا دراصل سوائے اس کے اور کوئی مقصد نہیں ہونا چاہئے تھا کہ اس کے قیام سے جزیرہ نمائے البیریہ کی متعدد ریاستوں کی خود مختاری اور سالمیت متیقن ہو جائے اور ان کے اداروں کو اجانب کی تمامتر طمع کاریوں اور بداخلتوں سے محفوظ کر کے ان کی صلح آمیز ارتقاء میں ان کی مدد و معاون بنے۔ اگر آسٹریا ہنگری کے مفاد کو پیش نظر رکھ کر اس کو قائم کیا گیا تو اس کا سوائے اس کے اور کچھ نتیجہ نہیں ہوگا کہ بلقان پر ویانا اور بیسٹ کا قبضہ ہو جائے گا اور بلقانی ریاستیں تباہ ہو جائیں گی۔ بجائے اس کے کہ آپس میں اتحاد اور اتحاد قائم ہو، ایسا اتحاد اور اتحاد جس کے وجود کی وجہ سے مشرق کی طرف کوچ کو روکنے کے لئے ایک متیقن آمیز

حفظِ ماتقدم کی ضرورت ہے۔

اس نقطۂ نظر سے اس امر کی ضرورت تھی کہ بلقانی مشارکت کے قیام کے لئے سب سے پہلے ترکی کی حمایت حاصل کی جاتی، خصوصاً اس لئے کہ "مشرق کی طرف کوچ" سے سب سے پہلے ترکی ہی کے لئے خطرہ پیدا ہوتا۔ لیکن واقعات اس کے بالکل برعکس تھے۔ ترک اپنے مطالبات پیش کر رہے تھے۔ اور تمام بلقانی اتحاد سے مشتبہ تھے۔ سب سے پہلے تو وہ اس خیال کے جوگر نہیں ہو سکتے تھے کہ وہ ایسے لوگوں کے ساتھ تعلقات قائم کریں جو پہلے ان کی رعایا تھے اور اب ان کے ساتھ مساویانہ سلوک کرنے پر ہی اکتفا نہیں کریں گے بلکہ دوسروں پر یہ ظاہر کرنے کی کوشش بھی کریں گے کہ ترک ان کی حمایت میں ہیں۔ استنبول کی جرائد کی رائے تھی کہ اگر سلطنت عثمانیہ کو بلقانی مشارکت سے اتفاق ہو تو یہ مشارکت اس طریقے پر قائم کی جانی چاہیئے کہ ترکی کو اس میں امتیازی خصوصیت حاصل ہو بالخصوص اس لئے کہ بلقان میں سب سے زیادہ زبردست طاقت اسی کی ہے۔ دوسرے استنبول میں عام طور پر باور کیا جاتا تھا کہ مقدونی جرگوں کی نقل و حرکت جو فی الحال رکی ہوئی ہے اس میں اگر صوفیہ اور بلغراد کو اپنی بہتری کی کوئی صورت نظر آئی تو فوراً شروع ہو جائے گی۔ ترکوں کو یہ خوف تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ روس کی خفیہ امداد پر جزیرہ نما کی سلافیقی ریاستوں میں اتحاد قائم ہو جائے اور وہ یکایک ترکی کو اپنا نشانہ بنالیں۔ اگر یہ صورت ہوئی تو وہ یہ سمجھتے تھے کہ بلقانی مشارکت بھی اتنی ہی خطرناک ہو جائے گی جتنی کہ خود آسٹریا ہنگری ہے۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ یہ خطرہ عنقریب پیش آنے والا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ سلطنت کے مفادات اس امر کے مقتضی ہیں کہ آسٹریا ہنگری اور بلقان کی سلافیقی ریاستوں کے درمیان ایسے سیاسی تدبر سے کام لینے کی ضرورت ہے کہ جن کی بناء پر دونوں کی مخالفت باہمی سے سلطنت کو فائدہ پہنچے۔ ایک طرف تو آسٹریا ہنگری بلقان کی سلافیقی ریاستوں کے جندارمہ کا کام دے اور ان کو مقدونیہ میں نئی نئی بغاوتیں پھیلانے سے باز رکھے اور دوسری طرف اگر آسٹریا ہنگری اپنی سلونیکا پر حملہ کرنے کی تجویز کو روبعمل لانے کی کوشش کرے تو یہ ریاستیں اسی کے لئے خطرہ پیدا کر دیں۔

ایک بلقانی مشارکت کے قیام کے ساتھ ساتھ یونان اور ترکی کے مابین بلغاریہ اور سربیہ کے خلاف ایک اتحاد کا نظریہ بھی پیش کیا گیا۔ ۹ دسمبر ۱۹۰۹ء کو پیرائے یونانی

اخباروں نے صدر چیمبر کی اصل گفتگو کو جو اس نے دو یونانی نمایندوں، بوسیاس افندی اور کاسمیدی افندی (Bussios & cosmidi) سے کی تھی شایع کیا۔ اس گفتگو میں احمد رضا بے نے ایک یونانی و ترکی اتحاد کے مفادات کو بہت کچھ بڑھا چڑھا کر بیان کیا تھا۔ اور یہ کہا تھا کہ حکومت اپنے بیڑے کی توسیع کا خیال اس لئے چھوڑ دے گی کہ یونان اور ترکی کا متحدہ بیڑہ سلافیقی ریاستوں سے اپنی خواہشات کو منوانے کے لئے کافی ہوگا۔ احمد رضا بے نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ عنقریب منضبطۂ اتحاد پر دستخط ثبت کرنے کے لئے اتھینا کو روانہ ہو جائے گا۔ اس اشاعت کے دوسرے روز یونانی نمایندوں نے، جن کا اس سلسلے میں نام لیا گیا تھا، تمام قصے کی تردید کر دی۔ یہ اشاعت دراصل ایک آزمائشی طیارے کی حیثیت رکھتی تھی، جس کو اس غرض سے اڑایا گیا تھا کہ ہوا کا رخ معلوم ہو جائے۔ مگر ہوا کا رخ بالکل مخالف تھا۔ یونانی اور ترکی اتحاد کا خیال کسی پریشان خیال شخص کا خواب پریشاں معلوم ہوتا تھا — مسئلۂ قندیہ نے، جس کے سلسلہ میں اگست ۱۹۰۹ء میں ترک یونان سے جنگ کرنے والے تھے، اتحاد کے تمام امکانات ہی پر سرے سے پانی پھیر دیا تھا۔

ایک بلقانی مشارکت کا قیام عمل میں آچکا ہے مگر یہ ترکی کی مخالف ہے۔ یونین اور پروگریس کے افتخار بیجا (chauvius) کو اس کام کے انجام دینے میں اپنی ناقص پالیسی کی بناء پر کامیابی حاصل ہو چکی ہے جس کو قطعاً ناممکن تصور کیا جاتا تھا۔ یونانی اور بلغاری عناصر کی مصالحت نے مشترک طور پر مقدونیہ کو تباہ کر دینے کا خطرہ پیش کر دیا تھا۔

ترکی کے خلاف اتفاق۔ ترکوں کی اخلاقی حالت۔ تحریک برک ٹولد (Berchtold)

مانٹی نگرو کا اعلان جنگ

قومی تنافر یا یہ کہنا چاہئے کہ مذہبی تنافر کے باوجود، جس نے عیسائیوں میں

پھوٹ ڈال دی تھی، بلقانی مدبروں میں ایسے لوگ موجود تھے جو ترکی کے خلاف مشترکہ کارروائی اختیار کرنے کے حامی تھے۔ دے لاینی کا ۱۸۸۵ء ہی میں یہ خیال تھا لیکن وہ یہ سمجھتا تھا کہ ابھی وقت اس کے مناسب نہیں ہے۔ ۱۸۸۶ء میں شاہ مانٹی نیگرو نے روس کے زیر حمایت بلقان فیڈریشن کے لئے ایک اسکیم زار کے نام روانہ کی۔ ۱۸۹۳ء میں ٹری کوپس (Tricopis) نے بلغاریہ کے ساتھ ایک اتحاد قائم کرنے کی تجویز پیش کی لیکن اس سلسلے میں تمام گفت و شنید اس لئے ناکام رہی کہ ہر فریق اپنے شریک پر یہ الزام لگاتا تھا کہ اس کا منشا مقدونیہ میں ترکوں سے بعض مفادات حاصل کرنا ہے۔ باشندگان جزیرہ نما کے مابین سب سے پہلے جو مفاہمت ہوئی، وہ مانٹی نیگرو اور بلغاریہ کی مفاہمت تھی جس میں بلغاریہ نے یہ وعدہ کیا تھا کہ ترکی کے سربیہ کو سنجاک عطا کرنے پر وہ اس معاملے میں مداخلت کرے گا تاکہ مغربی حصہ پھر مانٹی نیگرو کو مل جائے۔ ۱۹۱۰ء میں بلغاریہ نے بہر حال سنتجی اور بلغراد، دونوں ریاستوں میں مصالحت کرا دینے کی غرض سے، جو ایک اتحاد کا پیش خیمہ تھی، درمیانی کا کام انجام دیا۔ لیکن جس وقت تک یونانی اور بلغاری ایک دوسرے کے دشمن تھے، اس وقت تک اتحاد بلقان ناممکن تھا۔ اس اتحاد کے لئے جو لوگ خاص طور پر کوشاں تھے، وہ ام پاناز (Panas)، جو ۱۹۱۰ء میں صوفیہ میں بحیثیت سفیر یونان متعین تھا، اور یونان کا وزیر اعظم ام وینی زولاس (Venezolos) تھے ایک یونانی پبلسٹ، ڈاکٹر کلین تھیز نکولائے ڈیز (Kleanthes nicholaides) نے، جس نے بلقان کے اتحاد اربعہ کی تیاری میں نہایت اہم کام انجام دیا تھا اور جو کولون ٹائمز کا نامہ نگار تھا، ام پاناز اس طرح تشریح کی تھی۔ وہ سب سے پہلے اس کو ان مناقشات کو، جو بلغاریہ میں یونانی مدارس اور گرجوں کے بند ہو جانے کا نتیجہ تھے، رفع کرنا پڑا۔ اس کے بعد اس نے ایک عام یونانی و بلغاری مصالحت کے مسئلے پر غور کرنا شروع کیا۔ یہاں اس امر کا تذکرہ لازمی ہے کہ ام پاناز پچیس سال تک وزارت حربیہ کا ایک سربر آوردہ عہدہ دار رہا تھا اور اس طرح اس کو بیرونی ممالک کے ساتھ یونان کے تعلقات کے متعلق بھی پوری معلومات حاصل کر لینے کا موقع مل گیا تھا۔ مارچ ۱۹۱۲ء میں میرے سفر صوفیہ کے موقع پر تمام بلغاری

وزرا نے مجھے اطمینان دلا دیا تھا کہ ام پاناز اس تحریک کا روح رواں بن گیا ہے، جس کا مقصد بلقانی ریاستوں میں اتحاد قائم کر دینا ہے۔ بلغاریہ کے وزیر مالیہ ام تھیوڈورو (Theodorow) اسی زمانے میں ام پاناز کے صوفیہ میں دو سال تک قیام کرنے کے بعد مجھ سے یہ کہا تھا کہ ام پاناز کی کوششیں ابھی تک مکمل نہیں ہوئی ہیں"۔ ام وینی زولاس یونان اور بلغاریہ کے اتحاد کو ایک ایسی جغرافی ضرورت سے تعبیر کرتا تھا جس کی تکمیل کے لئے خود قدرت متقاضی تھی۔ ام پاناز کی رپورٹوں نے اس کو اپنے خیال میں اور بھی مستحکم کر دیا تھا۔ ام حاجی میتشا (Hadji Mitschew) بلغاری سفیر متعینہ ایتھنا بھی یونان اور بلغاریہ کے اتحاد کا سرگرم حامی تھا۔ اس نے ایتھنا اور صوفیہ کے تمام اختلافات کو رفع کر دینے کی عملی طور پر کوشش کی تھی۔ لیکن اس کے برخلاف یونان اور ترکی کے تعلقات اور بھی خراب ہو گئے تھے اور ترکی مظالم نے عثمانی یونانیوں کو بلغاریہ اور سربیہ والوں سے اتحاد قائم کر لینے پر مجبور کر دیا تھا۔ ترکی پارلیمنٹ کی کمیٹی کے تشدد کا باقاعدہ طور پر مقابلہ کرنے کی غرض سے یونانی، سربی اور بلغاری نمایندے اپنی ایک علیحدہ جماعت بنا لینے اور مشترکہ طور پر اپنی خواہشات کو پیش کرنے نیز ایک ہی قوم کی حمایت کرنے پر متفق ہو چکے تھے۔ یونانیوں اور بلغاریوں نے اپنی مذہبی نزاعوں کو یک لخت فراموش کر کے، پیٹر بارگیٹ اور ایگزارکیٹ میں بہتر تعلقات قائم کر دینے کی غرض سے بالاتفاق کام کرنا شروع کر دیا اور کچھ ایسے استقلال، صبر اور نیک نیتی سے کام لیا کہ عام طور پر یہ باور کیا جانے لگا کہ وہ دن بہت قریب آ گیا ہے جب کہ دونوں قوموں میں کامل طور پر مصالحت ہو جائے گی اور مشرقی کلیسا کی بدعتوں کا وجود باقی نہیں رہے گا۔ مقدونیہ میں مختلف فرقوں سے تعلق رکھنے والے عیسائیوں کی باہمی لڑائیاں بہت کم ہو گئی تھیں۔ یونانی باشندوں نے بلغاریوں کی بستی میں داخل ہونے پر اپنے مکانوں کی دھس بندی کرنا چھوڑ دیا تھا اور گرد و نواح میں یونانیوں کے نئے مدرسوں کے قائم کرنے سے بلغاری مدارس کے جبراً بند کر دینے کا خطرہ اب باقی نہیں رہا تھا۔ عیسائی قومیت پرستوں نے موت اور استیصال کے خطرات سے دوچار ہو کر، جو ایک ایسی پالیسی کا مہلک نتیجہ تھا، جو ان کو فنا کر دینے والی تھی، یہ محسوس کر لیا تھا کہ ان کی نجات کا ذریعہ صرف یہی ہو سکتا ہے کہ وہ مشترکہ

طور پر مدافعت کریں۔ ان تمام باتوں نے ارباب تدبر کے کاموں میں بہت کچھ سہولتیں پیدا کر دی تھیں۔

نومبر ۱۹۱۱ء میں بلقانی اتحاد کے معاہدوں کا سوال یونانی پارلیمنٹ میں اٹھایا گیا۔ ام وینزولاکس نے صاف طور پر اتحاد کی حمایت کی۔ کچھ عرصے کے بعد اسی مسئلے پر اسکوپشینا (skuptchina) میں بھی سوال اٹھایا گیا اور ام ملوفانوفیش (Milovanovitch) وزیر خارجہ نے بھی یہی کہا۔ چاروں آزاد مملکتوں کی حکومتوں نے بعجلت مطالبات کا ایک نظام العمل مرتب کر لیا اور دولت علیہ ترکیہ کو انصاف سے کام لینے پر مجبور کرنے کے لئے تدابیر وضع کریں۔ گفت و شنید کا آغاز اس لئے آسان نہیں تھا کہ اس تحریک میں آئندہ شریک ہونے والے اگرچہ ایک ہی مقصد کے حصول کے درپے تھے تاہم ان کی رائیں مختلف تھیں۔ بہر حال ۱۳ مارچ ۱۹۱۲ء کو ترکی کے خلاف بلغاریہ اور سربیہ کے مابین ایک خفیہ معاہدۂ اتحاد ۱۹۲۰ء تک کے لئے طے ہو گیا جس میں ایک فوجی معاہدۂ مورخہ ۱۹ جون کا بھی اضافہ کر دیا گیا جس نے ان علاقوں کو دونوں فریقوں میں تقسیم کر دیا، جو مقدونیہ میں ترکوں سے حاصل کئے جانے والے تھے۔ اس معاہدے میں ایک خفیہ اضافہ اور بھی کیا گیا، جس نے ثابت کر دیا کہ اس گفت و شنید میں، جو اس اتحاد کا پیش خیمہ تھی، روسی تدبر بھی عملی طور پر شریک تھا۔ لہ

لہ (۱) اگر عملی کارروائی اختیار کرنے کے متعلق کوئی معاہدہ ہو جائے تو اس سے روس کو لازمی طور پر مطلع کرنا چاہئے اور ایسی صورت میں کہ روس کو اس سے اختلاف نہ ہو، معاہدۂ منعقدہ کے مطابق یکجہتی اور یکسانی مفادات کے ساتھ کارروائی کی جائے گی۔ اس کے برخلاف اگر کوئی معاہدہ نہ ہو تو دونوں ریاستیں روس سے مشورہ کریں گی اور روس کا یہ مشورہ اسی حد تک ہوگا جس حد تک کہ وہ دونوں فریقوں کے مقابلے میں اپنے کو پابند تصور کرتا ہے۔

(۲) ایسی صورت میں کہ روس اس معاملے میں مشورہ دینے سے احتراز کرے اور ہر دو فریق معاہدہ کوئی مفاہمت نہ کر سکیں، تو وہ فریق جو اس تحریک کا موافق ہوگا، بذات خود اپنی ذمہ داری پر عمل پیرا ہوگا اور فریق ثانی کا یہ فرض ہوگا کہ وہ اپنے حلیف کے مقابلے میں موافقت آمیز غیر جانبداری سے کام لے۔ (۳) جنگی معاہدہ کی معینہ حدود کے اندر فوراً اپنی فوجوں کو آراستہ کر کے ایسی

۲۹ مئی کو بلغاریہ اور یونان کے دستخط معاہدے پر ہو گئے۔ یہ معاہدۂ اتحاد تین سال کے لئے اس شرط کے ساتھ منعقد ہوا تھا کہ انقضائے مدت پر اگر یہ راز ظاہر نہ ہوا تو اس میں ایک سال کی اور توسیع کر دی جائے گی۔ اس معاہدے کے پہلے فقرے میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ اگر قندیہ کے متعلق ترکی اور یونان میں جنگ ہو تو بلغاریہ اس میں شریک نہیں ہوگا۔ یہ مسئلہ مفتوحہ علاقہ جات کی تقسیم جدید سے کسی طرح متعلق نہیں تھا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد ۵ اکتوبر کو جبکہ فریقین کی فوجیں آراستہ ہو چکی تھیں کہ ایک یونانی و بلغاری فوجی معاہدہ سدراہ ہو گیا۔ دد اسی سال کے جولائی کے مہینے میں ام ڈانیف (Daneff) نے خود اس معاہدے سے زار کو اور لواد یا (Livadia) میں سزوناف (Sezonaf) کو مطلع کیا اور ترکی کو منطفان کی بناء پر اصطلاحات کے نظام العمل کو نافذ کرنے پر مجبور کرنے کے لئے روس سے سیاسی امداد کی درخواست کی۔ روس نے اس معاملے میں اپنی نیم رضامندی کا اظہار کیا۔ اگست میں اس مسئلے میں اس واقعے کی بناء پر اور بھی ابرام پیدا ہو گیا کہ البانیوں کی بغاوت اور دلیرانہ افعال نے ترکی اور البانیہ کو بعض مراعات عطا کر دینے پر مجبور کر دیا تھا۔ ایسے مراعات جن سے بلقانی ریاستوں کو یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ ان کے قومی مفادات خطرے میں ہیں ؏۱

بلقان میں یہ گفت و شنید جاری ہی تھی کہ باب عالی نے ستمبر کے مہینے میں ایک

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ صورت میں کہ کوئی تیسری ریاست ترکی کی طرف سے جنگ کے لئے آمادہ ہو جائے اپنی تمام فوجوں کے ساتھ اپنے حلیف کی امداد کرے گا۔

فـ معاہدے اور موجودہ خفیہ ضمیمے کی ایک نقل مشترکہ طور پر روس کی امپیریل گورنمنٹ کے پاس اس غرض سے بھیجی جائے گی، جو فوراً اس کے متعلق ایک یادداشت مرتب کر لے گی کہ مقاصد معلومہ میں دونوں فریقوں کے کشادہ دلی سے کام لینے کا ثبوت پہنچ جائے اور زار روس سے یہ التجا کی جائے کہ ہر دو آئین میں اس کی ذات اور اس کی حکومت کے مقابلے میں جن تعلقات کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ ان کو منظور اور تسلیم کر لے۔

فـ۔ اگر معاہدہ یا موجودہ خفیہ ضمیمہ معاہدہ یا جنگی معاہدے کے کسی فقرے کی تعبیر یا طریق نفاذ کے متعلق کوئی اختلاف پیدا ہو تو ایسی صورت میں اس کو روس کے تصفیۂ آخر کے لئے پیش کیا جائے گا کہ کسی فریق کی طرف سے یہ ظاہر کر دیا جائے کہ اس کی دانست میں اراست گفت و شنید سے کوئی معاہدہ نہیں ہو سکتا۔

فـ۔ دونوں فریقوں کے قبل از قبل اتفاق اور روس کی منظوری کے بغیر موجودہ خفیہ ضمیمہ معاہدے کے کسی فقرے کو شائع نہیں کیا جائے گا اور نہ کسی دوسری ریاست کو اس کی اطلاع دی جائے گی۔

ےا M, Kleanthes Nicholaides, Echo de Paris, November 23, 1912.

ادرنہ کے نواح میں عظیم الشان منورات سے کام لینے کا ارادہ کیا، جس میں نظام (مستقل افواج نہرد آزما) کی بارہ ڈویژنوں اور ردیف (محفوظ) کی چھ ڈویژنوں نے حصہ لیا۔ ترکی نے اس وقت تک انتظار کیا جب تک کہ بلغاریہ کے منورات پورے نہ ہو گئے اور سرحد پر معتدبہ فوج مجتمع کرنے کی غرض سے، محفوظ سپاہ کو برطرف کر دیا۔ ترکی کا بظاہر یہ ارادہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ بلغاریہ پر، وادیٔ مریزہ (maritza) کے راستے سے حملہ کرنے کی دھمکی دے کر، دباؤ ڈالنا چاہتی تھی۔ بلغاریہ اس وجہ سے ادرنہ کے محاذ میں ایسی فوجیں جمع کرنے والا تھا، جو ترکی فوجوں کا جواب ہو سکیں۔ ضرورت کے وقت بلغاریہ میں عام طور پہ بھرتی کی جا سکتی تھی۔ بلغاری سفیر متعینہ قسطنطنیہ، ام سارافاف (Sarafoff) کو اس کی حکومت نے یہ حکم دیا کہ ترکی سے جواب طلب کرے۔ وزیر خارجہ آفندی (Noradounghian) نے جواب دیا کہ ترکی حکومت بلغاریہ کی طرف سے بہترین خیالات رکھتی ہے اور یہ کہ منورات زیر بحث سے اس کا سوائے اس کے اور کوئی مقصد نہیں تھا کہ ایک ایسی رسم کو پوری کرے، جو دنیا کے تمام ممالک میں عام طور پر کی جاتی ہے۔ سوال یہ ہوتا ہے کہ آخر وہ کونسی وجہ تحریک تھی جس نے ترکوں کو ان منورات پہ مجبور کیا، جنھوں نے بلغاریہ کے لئے 'اشتعال' کے آوازے بلند کرنے کا بہانہ پیدا کر دیا؟ بعض بیانات کے مطابق کابینہ، جو اس غدر کی وجہ سے جو تمام ملک میں پھیلا ہوا تھا، مجبور محض ہو گئی تھی، ایسے ذرائع تلاش کر رہی تھی جو ایک خارجی لڑائی کے ذریعے سے تمام مسلمانوں کو غیور (ghiaours) کے خلاف از سر نو متحد کر دے۔ حسین کاظمی پاشا نے، جو انجمن اتحاد و ترقی میں نہایت ہی امتیازی شخصیت رکھتا تھا، جو وقتاً فوقتاً والیٔ حلب، ناظم قسطنطنیہ اور والیٔ سالونیکا رہ چکا تھا اور جو اپنی وفاداری، دیانتداری اور جدت طرازی کے لئے مشہور تھا اور جس کو یہ کہنا چاہئے کہ ایک مخصوص سیرت کا مالک تھا۔ اس نے ایک کتاب کا جو سالونیکا میں "مخفی آغاز کی منفعتیں" کے نام سے شائع ہوئی تھی مقدمہ لکھا جو بجائے خود ایک اصول کا اعلان تھا۔ سب سے پہلے اپنے دوستوں اتحادیوں (unionists) کے افعال پر جو ایک ناممکن العمل مرکزیت کو قائم کرنا چاہتے تھے اور پھر اپنے صاحب اقتدار دشمنوں، احرار کے طرز عمل پر نہایت غیر جانبدارانہ اور سخت تکتہ چینی کر کے، جنھوں نے سمجھ بوجھ رکھنے کے باوجود مرکزیت کو معدوم کر دیا

تھا، حسین کاظمی نے یہ ظاہر کیا تھا کہ موجودہ درہمی و برہمی سے بچنے اور مزاج کو درست کرنے کا ایک یہی طریقہ ہو سکتا ہے کہ "اس بلقانی ریاست کو، جو سب سے زیادہ بے چینیاں اور بے انتظامیاں ہمارے ملک میں پھیلاتی ہے، پامال کر دیا جائے۔ آل عثمان جو روما ئلی میں بزور شمشیر داخل ہوئی تھی، یہ جانتی ہے کہ کس طرح بزور شمشیر اس پر قابض رہے"۔

اس امر کا تذکرہ کرتے ہوئے کہ بلقانی ریاستوں اور بلغاریہ کے ساتھ معاہدہ کرنے کے خیال کو ابتداءً اس نے بہت کچھ تقویت پہنچائی تھی اور اسے اس کے متعلق بہت کچھ امید بھی تھی، حسین کاظمی نے یہ بیان کیا کہ اسے مجبوراً اپنے اس خیال میں ترمیم کرنی پڑی۔

"میری دانست میں معاہدے کا اب کوئی امکان نہیں ہے۔ میرا یہ خیال ہے کہ صرف جنگ ہی کے ذریعے سے ترکی حکومت مقدونیہ میں باقی رہ سکے گی۔ اس امر کی قطعی ضرورت ہے کہ حکومت کو برخاست کر دینے کے خیال کو، جو مختار پاشا کی کابینہ پر نہایت مہلک طریقے پر حاوی ہے، بیخ و بن سے اکھاڑ دیا جائے۔ اسی طرح اس امر کی بھی قطعی ضرورت ہے کہ ظالموں کو سزا دی جائے اور یہ دراصل ایک مقاومت کی ناگزیر ضرورت ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اس ضرورت کو پورا کر دیں ورنہ جلد یا بدیر داخلی اور خارجی مشکلات کا پہاڑ ہمارے سروں پر ٹوٹ پڑے گا"۔

یہ نظریہ کہ آج لڑائی کرنا بہتر ہے بہ نسبت کل کے، حسین کاظم بے کے ساتھ مخصوص نہیں تھا بلکہ اکثر لوگوں کا یہی خیال تھا۔ لیکن ایک اس سے بھی زیادہ اہم شئے اور بھی تھی۔ یہ ممکن تھا کہ لڑائی ایک نئے اعلان جنگ کا فوری طور پر انسداد کر دیتی مگر اس موقع پر اس سے اتحاد ترقی کو فائدہ ہوتا"۔

کاؤنٹ برک ٹولڈ (Berchtold) نے ایک تجویز توسط پیش کر کے، جس میں اس نے دولت علیہ کو اس امر کے لئے مدعو کیا تھا کہ تمام یورپ میں مرکزیت کو معدوم کر دیا جائے، جس سے آسٹرین ڈپلومیسی کے نزدیک ترکی کی تمام خرابیاں رفع ہونے والی تھیں۔ جنگ کے خطرے کو دفع کرنے کی کوشش کی تھی۔ دولت علیہ نے اس تحریک کا نہایت سرد مہری کے ساتھ خیر مقدم کیا جس کی وجہ زیادہ تر یہ تھی کہ ایک آسٹریا کے ایک سرکاری ریویو نے یہ لاف زنی کی تھی کہ اس اعدام مرکزیت کو ایک "خارجی استقلال سے" تعبیر کیا جائے "نہ کہ مقامی استقلال" سے۔ یہ امر فوراً واضح ہو جاتا

ہے کہ ایک خارجی استقلال یا آزادی سے کسی ایسے ملک کو کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔ جہاں مختلف قومیں صرف ایک دوسرے کے مقابل ہی نہیں تھیں بلکہ ہر ایسی مصیبت میں بھی مبتلا تھیں، جو ان پر عائد کی جا سکتی تھی۔ البانی سرداروں نے ولایت کساوہ (kassavo) کے ارباب اقتدار اور دول عظمیٰ کے قونصلوں کے نام جو یادداشت بھیجی تھی، اس میں "البانیہ کی سیاسی سرحدوں کے تعین" کا تذکرہ کیا گیا تھا۔ اگر کسی شخص کو اس تجویز میں اس طرح کا مبالغہ حاصل ہو جاتی کہ دوسرے خارجی عناصر، جو یہ سمجھتے کہ ان کے ساتھ ناانصافی کی گئی ہے اور دیوتاؤں اور انسانوں کو اس امر کی شہادت کے لئے طلب کرتے کہ ان کے علاقے کو دبا لیا گیا ہے اور سیاسی سرحدوں کا تعین اس لئے عمل میں لایا گیا ہے کہ اس سے ان کو نقصان پہنچے، نہ تو مسلح مداخلت اور غصے سے کام لیتے اور نہ الٹا اسی کو ملزم قرار دیتے، تو پھر اس شخص کی ہوشیاری اور چالاکی کی کوئی نظیر نہ مل سکتی۔ یہی واقعات تھے، جن کی بنا پر شیبی البانیہ یا اپیرس کے متعلق البانیوں کا یہ دعویٰ تھا کہ وہ ارٹاؤط کا ملک ہے اور یونانیوں کا یہ بیان تھا کہ وہ یونانی علاقہ ہے۔ مزید برآں ولایت یانینہ میں ارناؤط اور یونانی یا کم سے کم وہ لوگ جو اپنے کو ارناؤط اور یونانی بتاتے تھے، اس قدر مل جل گئے تھے کہ مسلمانوں اور عیسائیوں میں تفریق کرنا قطعی ناممکن تھا۔ میں نے ان دونوں لفظوں کو عمداً اس لئے استعمال کیا ہے کہ اپیراٹ عیسائیوں کی کثیر تعداد البانی النسل ہے لیکن وہ اپنے کو یونانی بتاتے ہیں اور یونانیت ان پر اس قدر غالب ہے کہ ان میں اور بالبانیوں میں کوئی بات مشترک نہیں پائی جاتی۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں وہ عظیم الشان مسئلہ جس کا حل اس قدر دشوار ہے، پیش آتا ہے یعنی یہ کہ ترکی کے خارجی عناصر کو کس طرح مشخص کیا جائے اور وہ کونسا طریقہ ہے جس سے دونوں کے مابین صحیح اور ٹھیک امتیاز قائم ہو سکے؟

ظاہر ہے کہ ایک ایسی عدم مرکزیت جو نسلی استقلال پر مبنی ہو قطعی ناممکن العمل تھی۔ اگر اس قسم کی لامرکزیت معرض ظہور میں آجاتی تو اس سے سوائے اس کے اور کوئی نتیجہ نہیں ہوتا کہ مختلف قومیتیں ایک دوسرے کے گلے پر چھری پھیر دیتیں۔ اب رہا سیاسی اعتبار سے مرکزیت تو اس کا مقصد بھی زیادہ سے زیادہ خود مختار صوبوں کا کنفیڈریشن ہو سکتا تھا، جیسا کہ پہلے مشرقی رومیلی کا حال تھا۔ اس صورت میں بھی بہت جلد ترکی کا عضو عضو

علیحدہ ہو جاتا۔ اگر دولت علیہ ترکیہ واقعی عملی، مفید اور نتیجہ خیز اصلاحیں نافذ کرنا چاہتی تو اس کو بالعموم اسلام کی اور بالخصوص ترکوں کی فلاح کے لئے سلطنت کی تمام قوموں کو ترک بنا دینے کے خیال کو قطعاً چھوڑ دینا پڑتا۔ ترکی میں اعدام مرکزیت کی صرف ایک صورت ہو سکتی تھی اور وہ میونسپل ادارات کے قیام کے ذریعے سے کمیونس کی آزادی اور ایک کانسن فیشنل کا تقرر تھا۔ یہی وہ تنہا ذریعہ تھا، جو عیسائیوں کی مذہبی مخالفتوں کو ایک کنفیشنل پر دوسرے کنفیشنل کے تفوق کے لئے ایک دوسرے سے متصادم نہیں ہونے دیتا۔ ساتھ ہی ساتھ اس ترکیب سے لڑائی بھی رک جاتی جو بغیر التوا یا ترحم کے کبھی کھلم کھلا اور کبھی تا حدِ امکان پوشیدہ طور پر، سلطان کے فرامین ایرادات (Trades) اور خطوط (Hatts) اور شیخ الاسلام اور علماء کے فتووں کے باوجود، مسلمان غیور (Ghiaours) کے خلاف برابر لڑ رہے تھے۔ اگرچہ اس نظام العمل کے پہلے حصے میں بھی اس لئے مشکلات موجود تھیں کہ ہر بطریق اپنے مراعات کی آڑ میں اپنے ہمسایے کے پیروؤں کو اپنا پیرو بناتا اور ان کو اپنے گروہ میں شامل کرنے کی کوشش کرتا، تاہم یہ قابلِ عمل تھا۔ لیکن دولت علیہ نے ایک ایسے میونسپل ضابطے کو نافذ کرنے سے انکار کر دیا، جو مسلمانوں اور غیور (Ghiaours) میں تفریق کر دیتا۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ ترکوں کی دستوری حکومت، جس کے نظام العمل میں مذاہب کی مساوات، مواخات اور آمیزش داخل تھی، اپنی رعایا کی تفریق و تبویب کر کے ان میں غیریت کس طرح پیدا کر سکتی تھی۔ کیسے ممکن تھا کہ وہ بجائے ایک قوم قائم کرنے کے لوگوں کو چھوٹے چھوٹے فرقوں میں تقسیم کر دیتی۔ دولت علیہ، ترکی مدبرین اور استنبولی جرائد جب خارجی عناصر میں یکجہتی اور اخوت کے قیام کا تذکرہ کرتے تھے تو یا تو وہ اپنے سامعین کا مضحکہ اڑاتے تھے یا خود اپنے سے بھی بے خبر ہو جاتے تھے۔ اور یہ دونوں باتیں ایسی ہیں، جو ساتھ ساتھ ظہور پذیر ہوتی ہیں۔

فی الحقیقت یہ کسی قدر ٹیڑھا سوال ہے کہ جب ایک ملک میں مختلف قومیں آباد ہوں تو کس طریقے سے ان میں یکجائی پیدا کی جائے؟ علم تشریح اور تمدنی نقطۂ نظر سے سوائے اس کے اور کوئی صورت نہیں ہے کہ مختلف فرقوں میں شادیاں کر کے ایک کا دوسرے میں پیوند لگا دیا جائے۔ لیکن اس امر میں ترکی کے اندر زبردست مذہبیت کی پیدا کی ہوئی رکاوٹیں

ناقابل علاج ہیں۔ مذہبی توہین کی حیثیت سے ناجائز قرار دیتی ہیں بلکہ اس قسم کے تعلقات پیدا کر لینے پر قانون شریعت کی رو سے جس کا قانون سیاست ایک ادنیٰ غلام ہے، موت کی سزاؤں کو بھی جائز سمجھتی ہیں، خارجی عیسائی فرقے پہلے ہی سے ایک دوسرے فرقے میں بہت کم شادیاں کرتے ہیں۔ اس قسم کے تعلقات نادر ہیں اور دونوں فریق اس کو ناپسندیدہ نظر سے دیکھتے ہیں۔ ایک یونانی کے لئے کسی ارمنی سے یا ایک آرتھوڈاکس کے لئے کسی کیتھولک سے یا اس کے برعکس شادی کر لینا ہر فرقے میں سخت رسوائی کا باعث ہوتا ہے لیکن مسلمانوں اور عیسائیوں کی حد تک اس کی بالکل جداگانہ حیثیت ہے۔ شریعت ہر اس مسلمان کو، جو کسی غیور (Ghiaour) کے ساتھ جائز یا ناجائز تعلق قائم کر لے موت کی سزا دیتی ہے۔ ایک مسلمان مرد ایک عیسائی عورت سے باقاعدہ طور پر نکاح کر سکتا ہے اس لئے کہ ایسی شادی سے جو بچے ہوتے ہیں ان کا مذہب اسلام ہوتا ہے اور پھر اس بات کا بھی امکان ہے کہ خود یہ عورت بھی مسلمان ہو جائے۔ لیکن ایک مسلمان عورت کا ایک عیسائی مرد کے ساتھ شادی کر لینا شریعت میں ایک ایسا جرم ہے کہ جس کا کفارہ موت بھی مشکل سے ادا کر سکتی ہے[1]۔ بہرحال یہ یقینی ہے کہ جس وقت تک کہ عیسائیوں اور مسلمانوں میں آزادی کے ساتھ شادیاں نہ ہونے لگیں، اتحادِ اقوام کا سوال ترکوں کی کج بحثی سے زیادہ اور کوئی وقعت نہیں رکھتا۔

برکٹولڈ (Berchtold) کی نوٹ دراصل ایک تہدید تھی، جس کا مقصد یہ تھا کہ ترکی کو آسٹریا ہنگری کی آتالیقی میں دیدیا جائے۔ بلقانی ریاستوں اور ترکی میں جو تصادم عنقریب واقع ہونے والا تھا اس کے انسداد کے لئے ام پائنکار (Poincare) نے مختلف دفاترِ خارجہ کے سامنے "اصلاحات میں حصہ لینے کی" تجویز پیش کی۔ اور اس طرح

[1] عیسائی مصنف نے اس جگہ نادانستہ طور پر شریعت کی ایک اصولی بحث کو چھیڑ دیا ہے۔ اس امر کو بہرحال ہمیشہ اور ہر ایسے موقع پر پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ مصنف عیسائی ہے اور عیسائیوں کی فطرت میں یہ بات داخل ہے کہ وہ اسلام اور بانیٔ اسلام صلعم کے مقابلے میں تعصب سے کام لیں۔ (مترجم)

پر اس کام کے لئے جو صرف آسٹریا کو تنہا انجام دینا چاہیئے تھا تمام یورپ کو آمادہ کر دینا چاہا۔ لیکن ویانا کی بیشمار سازشوں کے نتیجے کے طور پر جن میں بوجوہ مختلف لندن اور سینٹ پٹرس برگ کا بھی ہاتھ تھا، ایسا نہیں ہوا۔ آسٹریا یہ نہیں چاہتا تھا کہ دول متفقہ طور پر اس سلسلے میں قدم اٹھائیں جس کی وجہ یہ بھی کہ صوبہ جات رومانی میں اس بنا پر امن و انتظام کے قائم ہو جانے کی صورت میں آسٹریا کے پاس اپنے مشرق کی طرف کوچ کے خواب کو سچا کر دکھانے کے لئے کوئی بہانہ باقی نہیں رہتا۔ برکنو لڈ کی تحریک میں سب سے پہلے ایک البانی خود مختاری کے قیام کی تجویز پیش کی گئی تھی، جو قدرتاً آسٹریا کے زیر حمایت عمل میں آتا اور اسی کے لئے وقف ہو جاتا۔ انگلستان نے، جس کو ابتداً امر بائنڈکار کی تحریکات کو منظور کرنے میں پس و پیش تھا لیکن جو بلقان کی آسٹرین سازشوں کو نہایت نفرت کی نظر سے دیکھتا تھا، ترکی کو دول کی متفقہ کوشش کا انتظار کئے بغیر نفاذ اصلاحات میں تقدیم کے لئے آمادہ کر کے، تمام معاملات کی یکسوئی کر دینے کی کوشش کی۔ بلقانی ریاستوں نے یہ ظاہر کر کے کہ صرف نفاذ اصلاحات کے لئے فوجوں کو آراستہ کیا گیا تھا اس امر کا اعلان کر دیا کہ اب جنگ و جدل کی کوئی ضرورت واقع نہیں ہوگی۔ اس تدبیر کو باب عالی نے بھی پسند کیا اور ساتھ ہی یہ اعلان بھی کر دیا کہ البانیہ میں جن اصلاحات کے نفاذ کی خواہش کی جاتی ہے وہ سلطنت کی تمام ولایتوں میں بھی نافذ ہونے چاہئیں۔ اتوار کے دن ۶ اکتوبر کو مجلس وزراء میں یہ تصفیہ ہو گیا کہ ۱۸۸۰ء کا قانون تمام ولایتوں میں نافذ کر دیا جائے۔

اس طرح سے، جیسا کہ میں پہلے ہی ظاہر کر چکا ہوں باب عالی نے معاہدۂ برلن کے تیئسویں فقرے کے مطابق مشرقی رومانی کے خود مختار صوبوں کے یورپین کمیشن کے سامنے، یورپین ترکی کے ان صوبوں کے لئے، جن میں مخصوص نظم و نسق نہ ہو اصلاحات کی ایک تجویز پیش کی۔ اس یورپین کمیشن کے ذمہ یہ کام عائد کیا گیا کہ باب عالی کے ملاحظے میں پیش کرنے کی غرض سے وہ ایک اسکیم پیش کرے، جس میں ان قواعد کی امداد سے، جو نو کمیشنوں نے دولت علیہ کے سامنے پیش کئے تھے بعد کو ترمیم و تنسیخ ہوگی اور اس کا لحاظ رکھا جائے گا کہ ملکی عیسائیوں کی کافی نمائندگی کی جائے۔

دولت علیہ بہر حال یہ زیادہ مناسب سمجھتی تھی کہ ملکی عیسائیوں کے مشورے کے بغیر خود ہی قسطنطنیہ ہی میں ایسی اسکیم تیار کر لے۔ یورپین کمیشن نے اس خیال سے کہ رد و قدح میں وقت ضائع نہ ہو اور خود ان کے اظہار خیالات کے لئے ایک خاکہ تیار ہو جائے اس کو منظور کر لیا۔ اس کمیشن نے یورپین ترکی کی ولایتوں کے لئے ایک قانون مورخہ ۲۳ اگست سنہ ۱۸۸۰ء وضع کیا، جس میں (۳۲۷) دفعات اور (۱۰) باب تھے۔ (ترکی کے قانون میں (۴۴۹) دفعات اور (۲۳) ابواب تھے) اس قانون کے متعلق نہ تو سلطان کی منظوری صادر ہوئی نہ اس کی اشاعت کی گئی اور نہ اس کا نفاذ ہوا۔

معاہدۂ برلن میں شریک ہونے والی طاقتوں نے بھی اسی طرح اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے کوئی سنجیدہ کارروائی اختیار نہیں کی تھی۔ باب عالی کی سرکاری مراسلت میں، جس میں یہ اعلان کیا گیا تھا کہ سنہ ۱۸۷۸ء کا قانون نافذ کیا جا رہا ہے، اس امر کے متعلق کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا تھا کہ آیا قانونِ مذکور وہی ہے جو یورپین کمیشن نے دولت علیہ کی اسکیم کے پیش ہونے پر وضع کیا ہے۔ سرکاری طور پر جرائد کی موسومہ مراسلت میں صرف یہ بیان کیا گیا تھا کہ ان اصلاحات کا معاہدۂ برلن کے تیئیسویں فقرے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کے علاوہ قانونِ ولایت کی جس کی ترکی کے مجوزہ قانون میں (۴۴۹) اور یورپین قانون میں (۳۲۷) دفعات تھیں غور و تعمق کے ساتھ نظر ثانی اور ترمیم و تنسیخ ہونی لازمی تھی۔ اور کمیشنوں اور سب کمیشنوں کے مباحثات کے ختم ہو جانے اور مہینوں کے مہینے اس طرح گزر جانے پر، ولایتوں کا یہ نیا قانون جو ان طول طویل اور فاضلانہ تفکرات کا نتیجہ عمل ہوتا، پارلیمنٹ میں پیش کیا جانے والا تھا۔ چیمبر اور سینیٹ کی منظوری اور تصویب اور سلطان کے باقاعدہ طور پر اس کے متعلق شاہی منظوری عطا کر دینے کے بعد کہیں جا کر اس کا نفاذ ہونے والا تھا۔ یہ مرحلے ابھی طے کرنے باقی ہی تھے کہ صورت حال اور بھی بدتر اور لاینحل ہو گئی۔

مغربی دول کی حکمت عملی یہ ظاہر کر رہی تھی کہ وہ باب عالی کے مواعید پر اعتماد کرتی ہے۔ اس نے سنہ ۱۸۷۸ء کے قانون کو بلقانی ریاستوں سے ان کی فوجوں کو برطرف کرنے کے لئے اصرار کرنے کا بہانہ قرار دے لیا۔ دول کا کسی ایسی چیز کے ساتھ مقابلہ کرنا زیادہ مناسب ہوتا جو ایک مرتبہ بننے کے بعد پھر بگڑ نہ سکتی ہو۔ یہ چیز صرف

جنگ ہو سکتی تھی۔ لیکن سربیہ اور یونان کی فوجیں اب تک اتنی آراستہ نہیں ہوئی تھیں جتنی کہ بلغاریہ کی ہو چکی تھیں لہٰذا بلغاریہ کو مجبوراً ان کی فوجوں کے آراستہ ہونے تک اعلان جنگ کو ملتوی کر دینا پڑا ورنہ بصورت دیگر یکے بعد دیگرے جنگ کا اعلان کرنے کی حالت میں اتحادیوں کے لئے علیحدہ علیحدہ طور پر لڑائی میں گھر جانے کا خطرہ تھا۔ مانٹی نیگرو البتہ ایک ایسی ریاست تھی جس کی فوجیں ہر وقت تیار رہتی تھیں اور جس کی مصافی مصروفیتیں جغرافی صورت حال کے لحاظ سے ایک مخصوص دائرہ محاربت تک محدود تھیں۔ سہ شنبہ کو بتاریخ ۸ اکتوبر، دن کے گیارہ بجے مانٹی نیگرو کے وزیر مختار، ام پلامناز (Plamenatz) نے شاہ نکولاس کی طرف سے اعلان جنگ باب عالی کے حوالے کر دیا۔ بلغراد، صوفیہ اور ایتھنا میں اب یورپین دول کے استفسارات کا یہ جواب دیا جا سکتا تھا کہ اس کے مشورے بالکل بعد از وقت ہیں اور یہ کہ مانٹی نیگرو نے جنگ کا اعلان کر کے اپنے متحدین کو بھی اپنے ساتھ لڑائی میں پھانس لیا ہے۔

اتحادیوں کا ۱۳ اکتوبر کا نوٹ۔ سربیہ اور بلغاریہ کے خلاف ترکی کا اعلان جنگ۔ یونان کا اعلان جنگ۔ ترکوں کی پہلی تباہی۔ مختار پاشاہ کی وزارت کا زوال۔

اس خبر کو سن کر استنبول میں لوگ خوشی سے پھولے نہیں سماتے تھے۔ جرائد تمام عیسائی ریاستوں کے خلاف جنگ کے نعرے لگانے لگے سلطنت کی حدود کو طونو وغیرہ تک پھیر بڑھا دینے کے علاوہ وہ کسی اور چیز کا تذکرہ نہیں کرتے تھے۔ طلباء نے باب عالی کی کھڑکیاں توڑ ڈالیں۔ اور حکومت کو مجہولیت اور سستی کا ملزم اس لئے قرار دیا کہ اس نے فوراً یونان، سربیہ اور بلغاریہ پر حملہ کیوں نہیں کیا۔ ان لوگوں کو پسپا کرنے کے لئے ایک پورے ریبائے کی مدد لینی پڑی۔ وزارت حربیہ نے یہ حکم دیدیا کہ تمام طلباء کو فوج میں بھرتی کر کے سرحد پر بھیجدیا جائے۔

۱۳ اکتوبر کو ایتھنا، بلغراد اور صوفیہ میں عثمانی سفیروں کے ایک ایک نوٹ حوالے کر دیا گیا، جن کا مضمون ایک ہی تھا۔ اس نوٹ میں ترکی سے یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ معاہدہ برلن کے فقرہ (۲۳) کے مطابق اصلاحات کو نافذ اور اپنی بیک خواہشات کے ثبوت میں ترکی فوج کو منتشر کر دیا جائے۔ بلغراد اور صوفیہ کے سفیروں نے اس نوٹ کو باقاعدہ طور پر رسید دے کر باب عالی کے ملاحظہ میں پیش کر دیا لیکن ایتھنا کے ترکی وزیر مختار، مختار بے نے بہ اخذ رسید نوٹ وصول کر لینے کے بعد اس کو پھر یونانی وزیر خارجہ، موسیو کورومیلاس کے پاس واپس کر دیا مگر موسیو کورومیلاس نے یہ جواب دیا کہ جس نوٹ کو بہ اخذ رسید حوالے کیا گیا ہے، وہ اس کے استرداد کو قبول نہیں کر سکتا اور یہ کہ وہ بہر صورت یہی تصور کرے گا کہ نوٹ باقاعدہ طور پر ترکی سفیر کے حوالے کیا جا چکا ہے۔ ۱۴ کو یونانی سفارت کے ترجمان اول موسیو ناڈم نورادوں گھیان آفندی کے نام ایک یادداشت روانہ کی، جس میں یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ چوبیس گھنٹے کے اندر یونان کے باربرداری کے جہازوں پر سے، جو ترکی بندرگاہوں میں ہیں، گھاٹ بندی کا حکم اٹھا لیا جائے ورنہ یونانی حکومت اپنے اقتدار کو برقرار رکھنے کے لئے اور اپنی رعایا کے مفادات کی حفاظت کی غرض سے مناسب کارروائی اختیار کرے گی۔ ادھر کورومیلاس نے بھی اسی زمانے میں نورادوں گھیان آفندی کو ایک تار اس مضمون کا روانہ کیا کہ وہ مختار بے کو یہ حکم دیدے کہ یونان کا مرسلہ نوٹ فوراً قسطنطنیہ بھیج دیا جائے۔ نورادوں گھیان نے جواب دیا کہ اگر حکومت یونان کو کوئی نوٹ ہی بھیجنا تھا تو اس کو امریکی پارلیس کے توسط سے بھیجنا چاہئے تھا۔ لیکن اگر موجودہ سوال (بلغراد اور صوفیہ کے) ہم مضمون نوٹ سے متعلق ہے تو ایسی صورت میں دولت علیہ عثمانیہ نے اپنے نمایندے کو اس کی تبدیلی سے مستثنیٰ کر دیا ہے۔ (Noradounghian) کا یہ جواب مجلس وزرا کے اس فیصلے کے بالکل مطابق تھا کہ ایک ایسی تحریر کا جس میں اس نوٹ کی طرح "اس قدر گستاخی اور اس قدر جسارت سے کام لیا گیا ہے" کوئی جواب نہ دیا جائے۔ اور یہ کہ صرف اسی صورت میں بلقانی ریاستوں کی استدعاؤں پر غور کیا جا سکتا ہے کہ ان کو ایسے طریقے پر پیش کیا جائے جو آل عثمان کے نام کی شوکت و شمت کے شایان شان ہو۔ مجلس وزرا میں یہ فیصلہ بھی ہو گیا کہ صوفیہ اور بلغراد کی ترکی

سفارتوں کے وزراء کو قسطنطنیہ طلب کر لیا جائے ۔ یونان کے باربرداری کے جہازوں کی آزادی کے متعلق جو نوٹ پیش کیا گیا تھا، اس کو مسترد کر دیا گیا اور چونکہ یونانی پارلیمنٹ میں قندیہ کے نمایندوں کو شریک کر لیا گیا تھا اس لئے ترکی وزیر مختار متعینہ اثینا کو واپس بلا لیا گیا ۔

۱۵ر تاریخ کو یہ صورتِ حال تھی ۔ ان واقعات کو دیکھکر لازمی طور پر یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اب ہر چیز کا خاتمہ ہو گیا تھا اور یہ کہ بلقانی سفراء متعینہ قسطنطنیہ نے باب عالی سے اپنے پاسپورٹ حاصل کر لئے ہوں گے ۔ لیکن اس قسم کی کوئی صورت پیش نہیں آئی ۔ اور کامل پاشا کے اخبار ینی غزاطہ (yeni gazetta) نے اس کے دوسرے روز یہ عبارت شائع کی کہ "تعلقات میں کشیدگی پیدا ہو جانا اس امر کی دلیل نہیں ہے کہ جنگ کا اعلان ہو گیا ۔ دولت علیہ ترکیہ ایسے ملکوں کے خلاف، جو کمزور ہیں، جنگ کا اعلان کر کے اپنی توہین نہیں کرتی ۔ وہ صرف اپنے ہمسروں سے جنگ کرتی ہے ۔ اگر بلقانی ریاستوں نے اپنی طرف سے جنگ چھیڑ دی تو ان کی قرار واقعی گوشمالی کرنے میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی ۔ دولت علیہ اس امر کو ترجیح دیتی ہے کہ جنگ کا اعلان اُن کی طرف سے کیا جائے ۔" لیکن ۱۷ر کو حکومت نے اپنی رائے بدل دی اور وزارت خارجہ کی کابینہ کے صدر، ادھم بے نے بلغاری اور سربی سفارتوں میں ایک ہم مضمون مراسلت خود لیجا کر دیدی جس میں ترکی کی شکایتوں کو نمبروار بیان اور یہ اظہار کیا گیا تھا کہ امن کو قائم رکھنا ناممکن ہو گیا ہے ۔

نتیجے کے طور پر شاہی سفارت کے صدر اور اس کے اسٹاف کو یہ اطلاع دے دی گئی کہ ان کو پاسپورٹ یقیناً حاصل کر لینے اور جتنی جلدی ممکن ہو سلطنت کے علاقے سے باہر چلا جانا چاہیئے ۔"

یہ دیکھکر عوام کی حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہی کہ مسٹر نیناڈو ویش (Nenadovitch) اور مسٹر سارافاف (Sarafoff) کو تو اعلان جنگ دے دیا گیا مگر سفیر یونان، ام گرائی پاریس کے اس قسم کی کوئی مراسلت حوالے نہیں کی گئی ۔ استنبول میں یہ افواہ پھیل گئی کہ ترکی یونان سے انگلستان

کے توسط سے مراسلت کر رہی ہے۔ اگر یونان نے اپنے متحدین سے علیحدگی اختیار کر لی تو ترکی اسی طریقے پر قندیہ اس کے حوالے کر دے گی جیسے کہ اس نے اٹلی کو اپنی لیبیا کی حوالگی کا روپ بدل دیا تھا۔ نیز انگلستان کی خدمات کے صلے میں یونان نے اس کو سودہ کے مقام پر ایک بحری مرکز قائم کرنے کا مجاز کر دیا ہے۔ یونانی حلقوں میں یہ بیان کیا جاتا تھا کہ کامل پاشا نے اکیومینکل پیٹریارک (Ecumenical Patriarch) سے کیا وہ ایک ترکی اور یونانی مفاہمت کے قیام کے لئے اپنے اس رسوخ سے کام لے گا جو اثینا میں اس کو حاصل ہے اور یہ کہ اس خدمت کے معاوضے میں یونانیوں کے تمام مطالبات منظور کر لئے جائیں گے۔ باب عالی کو یہ قطعی امید تھی کہ یونان کو اپنی طرف ملا لینے میں کامیابی ہوگی۔ ۱۷ اکتوبر کو وزارت عظمیٰ کے اخبار الصباح نے مسلمانوں کو یہ اطمینان دلانے کے لئے کہ یونان اور ترکی کے مابین کوئی اہم اختلاف نہیں ہے، ایک مضمون شائع کیا، جس کے دوران میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ مختار ریے کے یونانی نوٹ کو وصول کرنے سے انکار نے بین القومی حقوق کے مسئلے کی صورت ہی بدل دی ہے۔ لہٰذا اب صرف دو مسئلے تصفیہ طلب ہیں ایک تو اثینا کی پارلیمنٹ میں قندیہ کے نمائندوں کی شرکت اور دوسرے یونانی جہازوں کی گھاٹ بندی۔

"قندیہ کے متعلقہ مسئلے میں ترکی اور یونان کے بیچ میں دو دل محافظ حائل ہیں۔ اور باب عالی نے قندیہ میں اپنے حقوق کے مسئلے کا تصفیہ انھیں پر چھوڑ دیا ہے۔ باب عالی نے اپنے حقوق کی خلاف ورزی کے متعلق ان سے احتجاج کیا ہے۔ لہٰذا قدرتی طور پر دولت علیہ ان کی تدابیر کے ظہور میں آنے کا انتظار کر رہی ہے۔ اور اس کے خلاف چارۂ کار اختیار کرنے کا یہ اثر ہوگا کہ وہ اپنے حقوق کی حفاظت نہیں کر سکے گی۔"

"اب رہا ناکہ بندی کا سوال تو یہ مسئلہ عدالتی نقطۂ نظر سے اس وقت تک جبتک کہ جنگ کا اعلان نہ ہو کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ ترکی نے پہلے ہی یہ اعلان کر دیا ہے کہ اگر جنگ واقع نہ ہوئی تو مالکان جہاز کے مادی مفاد کو کوئی صدمہ نہیں پہنچے گا۔

مزید برآں ترکی نے اس غرض سے کہ سوداگروں کو نقصان نہ ہو تمام امکانی تدابیر اختیار کر لی ہیں۔"

"اثینا کی کابینہ اگر ضرورت سمجھتی تو اپنا نوٹ جس کی طرز تحریر اعلان جنگ کی سی تھی ارسال کرنے کے بعد تعلقات منقطع کر کے جنگ کا اعلان کر دیتی۔ یہ واقعہ کے اس قسم کی کوئی صورت پیش نہیں آئی ہے اس امر کو ثابت کرتا ہے کہ موجودہ مسئلے کی ایسی کوئی تعبیر نہیں کی جا سکتی۔ ایسی صورت میں باب عالی کا اپنے سفیر کو اثینا سے طلب کر لینا اور ام گرائی پارلیس کو پاسپورٹ نہ دینا ایک قدرتی امر ہے۔"

"بہر حال یہ ظاہر ہے کہ امپیریل گورنمنٹ اور یونان کی صورت حال نہایت نازک اور اہم ہے۔ اس امر کا ہر وقت امکان ہے کہ جنگ کا اعلان کر دیا جائے۔ لیکن کل جب کہ بلغاری اور سربی سفیروں کو اپنے اپنے پاسپورٹ مل گئے ہیں، حکومت کے یونانی سفیر کے پاسپورٹ کے جاری نہ کرنے کی بناء پر سیاسی دنیا یہ نتیجہ نکالتی ہے کہ یونان کی صورتِ حال دوسری بلقانی ریاستوں سے بالکل مختلف ہے۔ جس زمانے میں اتحاد بلقان کی تکمیل ہوئی تھی ماہرین سیاست نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ یونان کو اس اتحاد میں ایک غیر معمولی حیثیت حاصل ہے۔ اگر آج یا کل تعلقات میں کسی قسم کا رخنہ بھی پیدا ہو گیا تو بے ضابطگی عارض ہو گی اور اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ رخنہ کل واقع نہیں ہوا۔"

الصباح کی یہ اشاعت علی الصباح چھ بجے تقسیم ہوئی۔ گیارہ بجے ام گرائی پارلیس باب عالی کو گیا اور یونان کی طرف سے اعلان جنگ نورادون گھیسان آفندی حوالہ کر دیا۔ اس اعلان جنگ کے ذریعے سے ان شرمناک افواہوں کی ام وینی زیلاس نے تردید کی تھی کہ یونان اور ترکی آپس میں معاملت کر رہے ہیں اور یہ کہ یونان اپنے متحدین سے علیحدہ ہو جائے گا۔ جس سازش کو روبراہ لانے کی ترکیب کی جا رہی تھی، وہ اب بالکل فنا ہو گئی۔ ام گرائی پارلیس، لائیڈ آسٹرین جہاز پالکی پر سوار ہو کر چار بجے قسطنطنیہ سے پائرس کو روانہ ہو گیا۔

یورپ میں عام طور پر یہ خیال کیا جاتا تھا کہ ترک ایک ہی نوالے میں بلقان کو نگل جائیں گے۔ یہی وجہ تھی کہ یورپین ڈپلومیسی عیسائی ریاستوں کی حمایت پر اظہار نفرت کرتے ہوئے ترکی کو اس امر کا موقع نہیں دے سکتی تھی کہ وہ ان کے لئے خطرہ پیدا کر کے اپنی حدود میں توسیع کر لے۔ چنانچہ یورپین ڈپلومیسی نے باغیوں کو اس امر سے آگاہ کر دیا تھا کہ نتیجہ چاہے کچھ بھی ہو کسی قسم کی توسیع علاقے کو جائز نہیں رکھائے گا۔ اور (Statusquoaute bellum) برقرار رہے گا۔

پہلے وار کا صدمہ بلغاریہ کو برداشت کرنا پڑا۔ مانٹی نیگرو کی فتح کا، جو آٹھ دن پہلے ہی سے ایک دور و دراز رزمگاہ میں مصروف جنگ تھا، مشترکہ افواج کی مصروفیتوں کے آخری نتیجے اور واقعات مابعد پر بہت کچھ اثر پڑا۔ بلغاریہ اس ضرب کے لئے بہر حال تیار تھا اور اب سے پہلے ترکی کے مقابلے میں کامیابی کا ایسا اچھا موقع کبھی اس کو حاصل نہیں ہوا تھا۔ اس کے پاس نہایت عمدہ فوج تھی۔ اس فوج کی بہترین طریقے پر ٹریننگ ہوئی تھی، اس کا ساز و سامان نہایت عمدہ تھا اور اس کی معلومات نہایت اعلیٰ تھی۔ بلغاری اسٹاف کی پیہم مصروفیتوں کا مقصد اولین یہ رہ چکا تھا کہ فوج کو ترکی کے خلاف جنگ کرنے کے لئے تیار کر لیا جائے۔ اس موقع پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ قوم کی تمام ضروری طاقتیں ایک جگہ مجتمع ہو کر اس جنگ کی آخری فتح کے حصول میں صرف کر دی گئی تھیں۔ بلغاریہ نے خط محاذ میں لڑنے والی ڈھائی لاکھ فوج میدان میں اتاری تھی اور ترک اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔

کاغذات میں ترکی کی حملہ آور فوج کی تعداد چودہ لاکھ بتائی گئی تھی لیکن صرف نظام اور ردیف اس قابل تھے کہ ان کو قواعد دان تصور کیا جا سکے۔ اس صورت سے قابل جنگ فوج کی تعداد آٹھ لاکھ ہو جاتی تھی۔ یورپین افواج میں گھٹوتی بہت معتدل تھی یعنی حقیقی لڑنے والوں اور فوج کی تعداد نفری میں کچھ زیادہ فرق نہیں تھا۔ بہ لحاظ حالات ملک اس گھٹوتی کا شمار (۱۲) سے (۱۵) فیصد تک لگایا گیا ہے۔ ترکی فوج میں گھٹوتی کم سے کم (۲۰) فیصد

تھی، جس سے تمام چیزوں کو بہتر تصوّر کر کے اور گھٹوتی کو (۱۵) فیصد مان لینے کے بعد قابل جنگ توپوں اور تلواروں کی تعداد چھ لاکھ اسّی ہزار رہ جاتی ہے۔ اگر گھٹوتی کو (۲۰) فیصد مان لیا جائے تو ایسی صورت میں یہ تعداد اور بھی گھٹ جاتی ہے اور صرف چھ لاکھ چالیس ہزار آدمی باقی رہ جاتے ہیں۔ ترکی حکومت شام، ارمنی کردستان نیز عراق سے، جہاں چھ کورس متعین تھیں، اپنی افواج مستحفظ کو نہیں ہٹا سکتی تھی۔ ایسی صورت میں یورپ میں دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے روملی میں صرف سات کورس (Corps) باقی تھیں، جن کی ردیف ایشیائے کوچک میں تھی۔ سربیہ، مانٹی نیگرو، اور یونان کے مقابلے نیز مقدونیہ میں تاخت و تاراج کرنے والے گروہوں سے لڑنے پر مجبور رہ کر عثمانی جنرل اسٹاف زیادہ سے زیادہ دو لاکھ آدمی بلغاریہ سے لڑنے کے لئے مہیا کر سکتا تھا۔ اس صورت سے عددی فوقیت جیسا کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے، ترکوں کو حاصل نہیں تھی۔ اب رہی جنگی فوقیت تو وہ بھی ترکوں کو حاصل نہیں تھی۔ عبدالعزیز کی قدیم فوج، وہ پیشہ ور فوج، جس کے کارہائے نمایاں میں پلونا اور ایشیا میں احمد مختار پاشا کی فتوحات بھی داخل تھیں، اب باقی نہیں رہی تھی۔ عبدالمجید ثانی نے اس کو قتل کر دیا تھا اور جو کچھ فوج باقی تھی، اس کو ایک غیر تنظیمی حالت میں چھوڑ دیا تھا، جس کا نتیجہ جیسا کہ میں پہلے ظاہر کر چکا ہوں، لازمی طور پر تمایبت کا فقدان تھا۔ سلطان نے، جس کے دل میں ایک فوجی مینی فیسٹو کا خطرہ جاگزیں ہو گیا تھا اور جو یہ سمجھتا تھا کہ جسطرح اس کا چچا ایک فوجی سازش کا شکار ہو کر معزول ہو گیا تھا ویسا ہی اس کا بھی حشر ہو گا، افواج کے اجتماع کو ممنوع قرار دے دیا تھا۔ ترکی فوج کو بٹالین اسکول کے باہر کی کسی چیز سے واقفیت نہیں تھی۔ اگر کوئی پوری رجمنٹ منوورات میں مصروف ہوتی تو بجائے خود اس کو ایک واقعہ تصور کیا جاتا تھا۔ بریگیڈ اور ڈویژنل یا آرمی کور کے منوورات کے متعلق جو شخص کچھ پیش کرتا تھا اس کا اخراج کر دیا جاتا تھا پیدل فوج کے لئے کسی قسم کی فائرنگ اکسرسائزز کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا

تھا اور نہ توپ خانے کے لئے کوئی فائرنگ اسکول تھا۔ نتیجہ یہ تھا کہ افسروں کو سپاہیوں پر کچھ زیادہ فوقیت حاصل نہیں تھی لہٰذا وہ بغاوت کی جرأت بھی نہیں کر سکتے تھے۔ عبدالحمید سپاہیوں کی خوشامد کیا کرتا تھا اور اپنے راست افسر کی مخالفت ان میں پیدا کر دیتا تھا۔ ایک شاہی فرمان میں یہ حکم نافذ کیا گیا تھا کہ کوئی افسر کسی سپاہی کو بلدیز سے منظوری حاصل کئے بغیر سزا نہ دے۔ اسی کے ساتھ ساتھ مخبری کا سلسلہ، جس کو سلطان نے حکومت کا ایک جداگانہ طریقہ قرار دیدیا تھا، فوج کی تمام رینکوں میں نافذ ہو گیا تھا اور اس سے فوج میں ایک زہریلا اثر پھیل گیا تھا۔ اعلیٰ سے اعلیٰ رینکین ذلیل سے ذلیل کاموں کے معاوضے میں عطا کر دی جاتی تھیں۔ نتیجہ یہ تھا کہ جنرلوں اور اعلیٰ افسروں کا ایک ایسا گروہ جمع ہو گیا تھا جو چار آدمیوں اور ایک کارپورل کو بھی مارچ نہیں کرا سکتے تھے۔

مجلس اتحاد و ترقی نے ان خرابیوں کا "تصفیۂ مدارج" کے متعلق اپنے ایک قانون کے ذریعے سے ازالہ کرنا چاہا، جس کو ۱۹۰۹ء میں بیت النائبین نے منظور کیا تھا۔ لیکن اس کا اثر صرف یہ ہوا کہ قدیم افسر فوج سے نکل گئے اور ادنیٰ طبقے کے متعلقہ تمام انتظامات درہم برہم ہو گئے۔ اسی قانون کی رو سے نان کمیشنڈ افسر بوڑھے ہو جانے کے بعد اپالیٹ رینک تک پہنچ سکتے تھے اور اعلیٰ مدارج پر ان کی ترقی باقاعدہ طور پر ممنوع قرار دیدی گئی تھی۔ نان کمیشنڈ افسروں کے لئے ایک مدرسہ قائم کیا گیا تھا لیکن چونکہ ان کو آئندہ ترقی کی کوئی توقع نہیں ہوتی تھی اس لئے وہ تین سال کی مدت پوری کر لینے کے بعد فوج سے علٰحدہ ہو جاتے تھے۔ اس کے علاوہ اس مدرسہ میں نہایت ہی محدود تعداد میں نان کمیشنڈ افسروں کو ٹرین کیا جاتا تھا۔ ترکی فوج میں کوئی نان کمیشنڈ کور نہیں تھی اور نہ ایسے افسر تھے جنھوں نے رینک وار ترقی کی ہو۔ سب آلٹرن افسر ویسے ہی نوعمر اور ناتجربہ کار تھے جیسے کہ خود سپاہی۔

قدیم فوج اب باقی نہیں رہی تھی اور نئی اب تک وجود میں نہیں آئی تھی۔

تھی۔ فوج کے سرداران اعلیٰ کا یہ حال تھا کہ ایسے سپہ سالار، جن کی گذشتہ زندگی نہایت شاندار اور پُرعظمت تھی، مثلاً مارشل مختار پاشا اور مارشل فواد پاشا جو ۱۸۷۷-۷۸ء کی جنگ کے ویٹیرنس تھے، اب بالکل ضعیف ہو چکے تھے۔ دوسرے لوگوں میں بہت کم ایسے تھے جن کو کسی قسم کا تجربہ حاصل تھا اور ان میں سے بعض کو صرف بغاوتوں کو فرو کرنے میں لڑائی کا موقع ملا تھا، جس کو ایک کثیر فوج کے انتظام کی بہترین تعلیم تصور نہیں کیا جا سکتا۔ انھی لوگوں میں مثال کے طور پر محمود شوکت پاشا اور شوکت طرغود پاشا (Torghoud) بھی تھے۔ عبدالحمید کے پرانے اسٹاف کے لوگوں کی کثرت تھی اور ہر شخص جانتا ہے کہ یہ لوگ کس قابل تھے۔

یہی اسباب تھے کہ اس موقع پر تیرآس کی فوج کا عبداللہ پاشا کو سپہ سالارِ اعظم بنا دیا گیا تھا۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کے اوصاف کیا تھے؟ وہ عبدالحمید کا چہیتا تھا، اس کی فوجی کابینہ کا سردار تھا؛ اس فوجی لیگ کا ایک سرغنہ تھا، جس نے وزیرِ حربیہ محمود شوکت پاشا کے خلاف بغاوت کی تھی، جس کے احکام کی تعمیل کرنے سے اس نے انکار کر دیا تھا؛ اس نے فوجوں میں اس لئے بغاوت پھیلا دی تھی کہ کابینہ اس کو برطرف اور سلطان مجلس کو برخاست کر دینے پر مجبور ہو جائے۔ لیکن اس شخص کو جنگ کا مدبرِ اعظم تصور کیا جاتا تھا اور یہ کہا جاتا تھا کہ وہ وان درگولٹز کا شاگردِ رشید ہے۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ اس کے متعلق وزیرِ حرب، ناظم پاشا اور سپہ سالارِ افواج کی کیا رائے تھی؟ سابق میں جبکہ وہ یلدیز کا چہیتا تھا مارشل فواد پاشا کی رسوائی اور بیحرمتی میں اس کی بھی شرکت تھی چنانچہ ارزنجان میں اس کا اخراج کر دیا گیا تھا، جہاں وہ چند سال تک رہا۔ قانون اساسی کے قیام جدید کے بعد اس کو سیکنڈ کور کا کمانڈر نامزد کیا گیا۔ اس کے بعد اس نے یلدیز سے پھر مصالحت کر لی، جس کی بناء پر اس کی کمانڈ منسوخ کر دی گئی۔ فروری ۱۹۰۹ء میں جب کامل پاشا کو اپنے سیاسی حربے میں ناکامی ہوئی تو اس کا یہ ارادہ تھا کہ ناظم کو وزیرِ حرب بنا دیا جائے۔ ۱۳ اپریل کو اس کے شرکاء نے اس امر پر اصرار کیا کہ سرعسکراتی کا عہدہ اس کو دے دیا جائے۔ اس نے اس عہدے کو قبول کر لیا لیکن تین دن کے بعد اس کو یہ احساس ہو گیا کہ اس سپاہ کی یورپین ترکی سپاہیوں کے سامنے جو یہاں آ رہے تھے کچھ نہیں چل سکتی لہٰذا وہ انسے مل گیا۔ اس کے معاوضے میں اس کو عراق کا والیسرائے مقرر کر دیا گیا اور بالآخر اس عہدے سے بھی اس کو تینوں ولایتوں کے نائبین کی متفقہ شکایتوں کی بناء پر واپس طلب کر لیا گیا۔ اس کے بعد وہ احرار سے مل گیا

اور ملٹری لیگ کی کوششوں کی بنا پر، جس کا وہ بھی ایک سردار تھا، وہ مختار پاشا کی کابینہ میں وزیر حرب مقرر کر دیا گیا۔ الغرض ان کے سیاسی حقوق نے فوجی حقوق پر فوقیت حاصل کر لی۔

سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ ترکی فوج میں جو ابتداءً اطاعت مجہول کے اصول پر پابند تھی، بے انتہا بدنظمی پھیلی ہوئی تھی، جو بغاوت کے لگ بھگ تھی۔ یہ دیکھکر کہ نئی چربی وزیروں یا ایسے برگزیدگان بارگاہ سلطانی کے سروں کا مطالبہ کر رہے تھے، جن سے وہ ناخوش تھے یا کسی ایسے بادشاہ کی معزولی کے درپے تھے جس کے متعلق ان کو اعتراض تھا، یہی تصور کیا جا سکتا تھا کہ اس گردن کش فوج کا یہ بدترین زمانہ ہے۔ البانیہ میں پوری ڈیڑھ ڈویژن باغیوں سے مل گئی تھی۔ افسروں نے اپنے ایک رفیق کو، جس نے اپنی بٹالین کو اپنا فرض منصبی پورا کرنے پر مجبور کرنے کی کوشش کی تھی، ارناؤط کے حوالے کر دیا تھا اور نہایت اطمینان کے ساتھ اس کے پھانسی پر لٹکنے کے تماشے کو دیکھتے رہے تھے۔ وزیر حرب نے اس روسیاہی کو یہ کہہ کر دور کرنا چاہا تھا کہ یہ البانی سردار کا ایک شخصی انتقام تھا۔

افسروں نے اپنی مجلسیں قائم کیں اور متمردانہ طریقے پر وزارت کی برطرفی اور چیمبر کی برخاست کا مطالبہ کرنے لگے۔ البانیہ میں سپاہیوں نے اپنے افسروں کا جو قتل عام اس لئے کیا تھا کہ وہ ان مظالم اور قتل و غارت کو روکنے کی کوشش کرتے تھے جن کا ان کے البانیہ والوں سے مل جانے والے ساتھیوں نے ارتکاب کیا تھا، اس کا اب کوئی شمار نہیں رہا تھا۔ میجروں اور کپتانوں نے وزیر حرب اور سپہ سالار سے بغاوت کر دی تھی۔ پھر اس پر کیوں تعجب کیا جائے کہ سپاہی اپنے لفٹنٹوں اور کپتانوں کے سیروں کا مطالبہ کرتے تھے؟ ان تمام باتوں سے شکست کی پیشین گوئی ہوتی تھی نہ کہ فتح کی۔

عیسائیوں سے قطع نظر کر کے، جو کچھ زیادہ گرانقدر نہیں تھے، اگر سپاہیوں کی حالت پر غور کیا جائے تو ان میں اور ان سپاہیوں میں زمین و آسمان کا فرق تھا، جن کا افسانوں میں تذکرہ کیا جاتا ہے۔ ترکی فوج میں اب یورپ سے

سپاہیوں کو بھرتی نہیں کیا جاتا تھا۔ اس کو تیراس کے مسلمان باشندوں میں سے سپاہی مل سکتے تھے۔ کچھ لوگ قسطنطنیہ کے باہر سے فراہم ہو جاتے تھے۔ کچھ مقدونیہ سے اور کئی ہزار البانیہ سے۔ اگرچہ موخرالذکر کی تعداد دوسرے نمونوں کی بہ نسبت بہت زیادہ ہوتی تھی لیکن وہ فوجی خدمت میں داخل نہیں ہوتے تھے اور صرف والنٹیر بننے پر راضی ہوتے تھے۔ ترکی فوج میں ایشیائی سپاہیوں کی کثرت تھی۔ اور یہ واقعہ ہے کہ ایشیا میں ترکی قوم تباہی کی حالت میں ہے اس لئے کہ اس کے جسمانی انحطاط کے ساتھ اخلاقی انحطاط بھی شامل ہو گیا ہے۔ ترکی مسلمان لڑائی سے جی چرانے لگے ہیں کیونکہ اب لڑائی میں ان کو وہ مال غنیمت حاصل نہیں ہوتا، جو پہلے ان کے لئے اس قدر ترغیب کا باعث ہوا کرتا تھا۔ گذشتہ دس سال سے رویف کے سپاہی مقدونیہ، یمن اور البانیہ کی بغاوت کی وجہ سے لڑائی کے لئے طلب کر لئے گئے تھے اور یہ نہایت ہی مہلک اور مشکل مہمات تھیں، جن میں کثرت کے ساتھ ان پر حملے کئے گئے تھے اور کمی کے ساتھ انھیں مال غنیمت حاصل ہوا تھا۔

وطن پرستی کا خیال ترکی ذہنیت کے لئے ایک عجیب چیز ہے۔ نوجوان ترکوں کی کمیٹی کو احیائے عثمانیت میں ناکامی ہو چکی تھی۔ مسلمان صرف اپنے مذہب سے واقف ہوتا ہے۔ ایسا نہ ہو تو اسلام اسلام نہیں رہے گا۔ اگر وہ لڑتا ہے تو صرف اللہ کے لئے لڑتا ہے اس لئے کہ اس کے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے غیور کو ایمان والوں کی انتقام گیر تلوار کے لئے وقف کر دیا ہے اور جو شخص مسلمانوں کے مذہب کو قبول کرنا گوارا نہیں کرتا ہے اس کا استیصال لازمی ہے۔ مذہبی جوش ہی وہ کمانی ہے جو اناطولی سپاہی کو حرکت میں لاتی ہے۔ اس جوش کو فرو کر دو، سپاہی غائب ہو جاتا ہے اور صرف انسان باقی رہ جاتا ہے، جو لڑائی میں ایسا اچھا ثابت نہیں ہوتا۔ اس فوج اور خود سلطنت عثمانیہ کے احیائے جدید کے لئے مسلمانوں کی ذہنیت میں اصلاح ہونے کی قطعی ضرورت ہے لیکن اگر کبھی ایسا ہو بھی تو اس کے لئے برسوں چاہئیں۔ اگر اس امر کی کوشش کی گئی اور جلد تر مقصد حاصل کر لینا چاہا گیا تو یقینی طور پر رکاوٹ پیدا ہو جائے گی۔

جنگ کے آغاز پر یہ اعلان کرکے کہ یہ بالکلیہ سیاسی ہے کامل پاشا نے اپنی ہوشیاری جتانے اور یورپ کی ہمدردی حاصل کر لینے کا خیال کیا تھا۔ لیکن ترکی نقطۂ نظر سے یہ ایک مہلک غلطی تھی۔ ابتدا ہی سے اس امر کی ضرورت تھی کہ لوگوں کو ایک مقدس جنگ کی تبلیغ کی جائے اور سنجاک شریف کو نکال کر فوج کے ساتھ روانہ کر دیا جائے۔ اس کے بغیر اس امر کا پہلے ہی سے یقین کر لیا جانا چاہئے تھا کہ فوجوں کو شکست ہوگی۔ وسط نومبر میں جب ایک سو علماء مقدس جنگ کی تبلیغ کے لئے شتلجہ (Tchaldja) بھیجے گئے تو اب بہت دیر ہو چکی تھی؛

جرمنی کے فوجی وفد کے باوجود جس کے متعلق یہ خیال کیا جاتا تھا کہ اس نے عثمانی فوج کی حالت کو سنبھال دیا ہے عثمانی فوج ایک غیر ترکیبی چیز تھی۔ یہ جرمن افسروں کا قصور نہیں تھا بلکہ خود ترکی حکومت کا قصور تھا کہ اس نے اپنی مضحکہ خیز بے اعتباری اور ناقابل تصور جبر و تعدی سے ان کے کام کو کسی قابل نہیں ہونے دیا۔ فوج میں ہر چیز کی کمی تھی۔ باوجود ایسے کثیر التعداد افسروں کے، جن کے پاس سرنامے تھے، نہ کوئی جنرل اسٹاف تھا، نہ مباشرہ تھا، نہ حفظان صحت کا کوئی انتظام تھا، نہ فوجی جلو تھا غرض ہر چیز کی کمی تھی۔ فوج کو آراستہ کرنے کے لئے کوئی تدبیر اختیار نہیں کی گئی تھی اور نہ سپاہیوں کو جنگ کی تعلیم دینے کے لئے کبھی کسی قسم کی ورزشوں کا انتظام کیا گیا تھا۔ یہ لوگ کچھ یہاں جمع ہو گئے تھے کچھ وہاں۔ ان کو بغیر کسی قسم کے ہتھیاروں یا دوسرے ساز و سامان کے قسمت آزمائی کے لئے میدان جنگ میں کچھ یہاں کچھ وہاں بھیجدیا گیا تھا۔ ان کی کسی طریقے پر بھی تجسیم نہیں کی گئی تھی اور مقصد صرف یہ تھا کہ جن رجمنٹوں میں آدمیوں کی کمی ہو، یہ اس کمی کو پورا کر دیں [1] غرض

---

[1] ان حیرت انگیز واقعات کی تفصیل کے لئے حسب ذیل تصنیفات کو دیکھنا چاہئے۔ جنرل عزت فواد پاشا "ایک شکست خوردہ انسان کے الفاظ"، لفٹنٹ سلیمغ (Selimeg): "ایک ترک افسر کی یادداشت جنگ" وغیرہ وغیرہ۔

یہ ہے کہ ہر چیز کو خدائے حوادث و اتفاقات کے اوپر چھوڑ دیا گیا تھا۔

تاہم استنبول میں دیوانگی فتح اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ وزیر حربیہ نے روانگی سے پہلے افسروں سے ملاقات کے دوران میں ان سے خاص طور پر اس امر کی سفارش کی تھی کہ صوفیہ، بلغراد، ایتھنا اور ایتھنی میں عثمانی افواج کے فتحمند داخلے کے موقع پر وہ سرکاری وردی کو پہننا نہ بھول جائیں[1]۔

جنگ کے دو گر غیر مساوی اہمیت رکھنے والی تماشہ گاہیں تھیں۔ پہلی تھراس میں تھی، جہاں ترکی فوج کا بڑا حصہ مجتمع کیا گیا تھا، جو کاغذات میں نو آرمی کور پر مشتمل تھا۔ مشرق کی فوج کا سپہ سالار عبداللہ پاشا تھا۔ فرسٹ کور عمر یاور پاشا کی زیر کمان تھی۔ سیکنڈ کور پر شوکت طرغود (Torghoud) کمانڈر تھا۔ تھرڈ کور محمود مختار کی ماتحت تھی۔ فورتھ کا احمد ابوک (Ahmed-Abouk) افسر اعلیٰ تھا۔ سولھویں محمد حقی کی نگرانی میں تھی اور سترھویں کا کمانڈر محمود حیدوک تھا اور یہ دونوں حال ہی میں قائم کی گئی تھیں۔ سولھویں کور رفتہ رفتہ فرار ہو گئی اور اپنی جگہ سے ہٹ کر بہت جلد ٹوٹ گئی اور خط جنگ پر اس کو کبھی آنا نصیب نہیں ہوا۔ اس کا کمانڈر تھرڈ کور کا محمود مختار کی جگہ کمانڈر مقرر ہو گیا، جس کو ۲۸ اکتوبر کو مشرق کی دوسری فوج کا، جو حال ہی میں قائم کی گئی تھی۔ احمد حمدی کی جگہ سپہ سالار اعظم نامزد کر دیا گیا تھا۔

فوج محفوظ کا کمانڈر خورشید پاشا تھا، اٹھارھویں کور کا جنرل احمد حمدی؛ ساتویں کور کا عزت فواد۔ یہ ساتویں کور پوری طرح قائم بھی نہیں ہوئی تھی کہ توڑ ڈالی گئی۔ اب رہی کور تو لڑائی بھر میں اس کا کہیں پتہ نہیں چلا۔

شکری پاشا چار ڈویژنوں کے ساتھ ادرنہ میں تھا۔ ایک آزاد فوج محمد یاور پاشا کے زیر حکم مشرق کی فوج کے انتہائی یسار پر صف آرا ہوئی، جو میسٹا اور استرمیان کی وادیوں اور رودوپ کے پہاڑی علاقے میں مصروف عمل تھی۔ جنگ کی دوسری تماشہ گاہ، جو مقدونیہ میں تھی۔ دو خاص حصوں میں منقسم تھی۔

---

[1] اس واقعے کو قسطنطنیہ کے تمام ترکی، فرانسیسی، یونانی، اور ارمنی اخبارات میں شائع کیا گیا تھا۔

ان میں سے ایک فرازی مقدونیہ تھا، جہاں منستیر اور سالونیکا کو اپنی منزل مقصود قرار دے کر، اہل سربیہ مصروف جنگ تھا اور وہ سرا مشرقی مقدونیہ تھا جہاں یونانی سالونیکا کے طرف پیشقدمی کرتے ہوئے بڑھ رہے تھے۔ ان کے علاوہ دو اور مقامات بھی تھے، جن کو ثانوی حیثیت اس وجہ سے حاصل تھی کہ وہ مرکز سے فاصلہ پر تھے۔ یہ اپیرس، جس پر یونانیوں نے حملہ کیا تھا، اور سنجک نوی بازار تھے، جہاں سربیہ اور مانٹی نیگرو ایک دوسرے سے مل جانے والے تھے۔ مقدونیہ کی فوج پر علی رضا پاشا، سردار توپ خانہ کمانڈر تھا اور اس میں تین آرمی کورس شامل تھیں: پانچویں کور کا خواستیف اور استدومیزہ کے بیچ میں وادی استدولہ میں علی نادر کی ڈویژن کو منقطع کرتی تھی، قرہ سعید، چھٹی کا جاوید اور ساتویں کا فتحی کمانڈر تھا، جو کمانفوکے شمال میں سربیہ اور بلغاریہ کی فوجوں پر حملہ کرنے والا تھا۔ ایک اور فوج، جس کا کمانڈر زکی پاشا ذمہ دار مدافعت منستیر تھا، علی رضا یا تحسین پاشا کی فوج کی امداد کے لئے جانے والی تھی، جو مقدونیہ کے مرکز جنگ میں یونانیوں کا مقابلہ کرنے والی تھی۔ رضا پاشا کو مانٹی نیگرو کے خلاف جنگ کے لئے متعین کیا گیا تھا۔

بلغاریہ نے ۱۸ اکتوبر کو لڑائی شروع کردی۔ سیکنڈ آرمی وادی مریزہ کے راستے سے طونجہ کے بید جے کنارے پر ہوکر اورنہ کی طرف بڑھی، مصطفیٰ پاشا پر قبضہ کرلیا اور ایک اچانک حملے کے ذریعے سے اورنہ کو لے لینے کی کوشش کی۔ یہ تدبیر ناکامیاب رہی۔ لیکن فرسٹ آرمی کو، جو طونجہ کے مشرقی قطعے میں خسیبلر تک پھیلی ہوئی لڑ رہی تھی، ایسی فتوحات حاصل ہوئیں، جنھوں نے لڑائی کے نتیجے کا تصفیہ کرنے میں بہت کچھ مدد دی۔ عبداللہ پاشا نے ۲۰ اور ۲۱ کی رات کو باوجودیکہ عثمانی فوج کا نہ تو کوئی خط جنگ تھا اور نہ کوئی خط پسپائی، ایک عام حملے کا حکم دے دیا۔ ۲۲ کو گشکینلی کے مقام پر ترکوں میں، جنھوں نے اب تک لڑائی کو قائم رکھا تھا۔ شام کے وقت ہراس پھیل گیا۔ چوتھی فوج کی چھٹی ڈویژن اور فرسٹ کور کی ایک ڈویژن نے ایک دوسرے کو دشمن سمجھ کر آتش باری

شروع کردی۔ محمود مختار تیسری کور کے ساتھ بہرحال پیترہ کے مقام پر اپنی جگہ پر جما رہا لیکن صبح کے پانچ بجے بلغاریہ کی پیدل فوج کے ایک اچانک حملے سے اس کے بائیں جانب سے ایک نیا خطرہ پیدا ہوگیا۔ محمود مختار نے فوج کو قائم رکھنے کی کوشش کی لیکن اس کے یمین پر جنرل راڈکو ڈیمٹریف (Radko-Dimitrief) نے، جس کے مغربی رومائلی کو طے کرانے کی ترکوں کو اطلاع نہیں تھی۔ یکایک حملہ کر دیا۔ پہلی ڈویژن نہایت ابتری کے ساتھ قرق قلاسی کی طرف فرار ہوگئی۔ چوتھی کور کے ۲۲ اور ۲۳ کی رات میں پاؤں اکھڑ گئے۔ ۲۳ کو تیسری کور نے بھی فرار کو قرار پر ترجیح دی اور ۲۳ اور ۲۴ کی رات کو فرسٹ کور نے بغیر سوچے سمجھے سلاغلو پر حملہ کر دیا اور اس کو ہزیمت اٹھا کر نہایت پریشانی کے ساتھ پسپا ہو جانا پڑا۔ یہ فرسٹ کور اپنے ساتھ خود سیکنڈ کور کو بھی گھسیٹ لے گئی، جس نے لڑائی میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔ عبداللہ پاشا نے اب ارغنی کے عقب میں، جو مریزہ کی ایک باجگذار ندی ہے۔ ایک عام اجتماع کا حکم دیا۔ وہ حقیقت یہ ہے کہ ۲۲ اور ۲۳ اکتوبر کو کوئی لڑائی ہی نہیں واقع ہوئی۔ ڈویژنوں نے اپنے آپ کو تارپیڈوز کی طرح (میدان میں) گرا دیا۔ ہر ڈویژن اپنے لئے بغیر کسی تعلق کے لڑتی رہی۔ کسی کو یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ یہ پولی چنیلی (Polichinelle) کی مہارت فن جنگ تھی۔[1]

قسطنطنیہ میں سرکاری اطلاعات کے علاوہ اور کوئی اطلاع نہیں پہونچی تھی۔ ان اطلاعات میں یہ اعلان کیا گیا تھا کہ بلغاریوں نے ادرنہ کے سامنے مراتش کے مقام پر چھ ہزار مقتولین کا نقصان اٹھایا ہے اور یہ کہ ایک لڑائی میں، جس میں مانٹی نیگرو کو شکست ہوئی ہے، سربیہ کے چھ ہزار آدمی مارے گئے ہیں اور دس ہزار قید ہیں۔ ان اطلاعات کے بعد حکومت نے ۲۷ کو جب حسب ذیل مراسلت شائع کی تو لوگوں کو سخت حیرت ہوئی:۔

---

[1] جنرل عزت فواد پاشا۔

"ہمارے عساکرِ مشرق نے، بلغاری فوج کی پیشقدمی کو، جس نے طونجہ کی جانب مشرق سرحد کو پار کر لیا ہے، روکنے کے لئے، دشمن کے کالموں کے سروں پر حملہ کیا ہے اور ان کی پیشقدمی کو روکنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ اس حملے کے لئے وقت اور متوقع کمک کے پہنچ لینے کی ضرورت تھی۔ ایسا کرنے سے فوج کو دشمن کا وقت ضائع کرانے میں کامیابی ہوئی ہے اور اس طرح اس نے ایک ایسی لڑائی کو ٹال دیا ہے، جس کا نتیجہ مشتبہ ہوتا؛ ہماری فوجیں نہایت باقاعدگی کے ساتھ اس سمت پسپا ہو گئیں، جدھر سے متوقع کمک آنے والی تھی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ دشمن کو یہ نہ معلوم ہو سکے کہ ہماری تدابیر حربیہ اس پسپائی کے عمل میں لانے پر مشتمل تھیں۔ مذکورہ بالا مقصد کو پیش نظر رکھ کر ہمارے بعض کن ٹن جنٹوں نے ایک شدید لڑائی اس قدر شاندار طریقے پر لڑی۔ کہ ان لڑائیوں کے ذریعے سے ہم اپنے مقاصد کو پا لینے کے قابل ہو گئے ہیں۔"

عبداللہ پاشا کی فوج دو سمتوں میں پسپا ہوئی تھی۔ ایک حصہ فیضی (vize) کی طرف اور دوسرا بابا اسکی؛ لولی بورگاز (Baba-Eski, Lule-Bourgas) کی طرف۔ اس پسپائی سے فوج کے دو علٰحدہ علٰحدہ حصے ہو گئے تھے اور بغیر کسی قسم کے رسل و رسائل کے اس قدر مستحسن طریقے پر دشمن کا کام کر رہے تھے۔ صرف محمود مختار پاشا کو اپنے محاذ کے لئے ایک عمودی خط حاصل تھا، جس سے پسپائی کی صورت میں، لولی بورگاز کی طرف صف آرائی کی صورت میں بڑھنے والی فوج کی بہ نسبت، اس کی فوج کے لئے بہت کم خطرہ تھا۔

۲۴ سے ۲۶ تک بلغاری فوج اور فیضی اور قرق قلاسی کے راستے سے بونر حصار کی طرف بڑھتی رہی، لیکن اس سلسلے کو اس نے جاری نہیں رکھا۔ چونکہ اس فوج میں سوارہ فوج بہت کم تھی اس لئے اس کی یہ خواہش تھی کہ اس کو محفوظ رکھا جائے مگر ایسا کرنے میں اس نے ایک شدید غلطی کا ارتکاب کیا۔

۲۶ سے ۲۷ تک محمود مختار پاشا کے دستے اور تیسری بلغاری فوج کے یسار میں

چھوٹی چھوٹی لڑائیاں واقع ہوئیں۔ ۲۸ر لڑائی اس تمام خط پر شروع ہو گئی جو بونر حصار سے لولی بورگاز تک پھیلا ہوا تھا۔ اور جس کا طول تقریباً (۴۰) کلومیٹر تھا۔ اس صبح کو ناظم پاشا نے فوج کی جنرل کمانڈ اپنے ہاتھ میں لے لی تھی۔ فوج کو دو حصوں میں منقسم کر دیا گیا تھا۔ مشرق کی فرسٹ آرمی عبداللہ پاشا کی ماتحت تھی۔ (پہلے احمد ابوک کا تقرر کیا گیا تھا مگر اس نے انکار کر دیا اور کافی اسٹاف کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے اس نے اپنی کور کا چارج لے لیا۔ یہ بہر حال سرکاری بیان ہے) پہلی دوسری اور چوتھی رجمنٹ اس میں شامل تھی۔ دوسری رجمنٹ کو، جو محمود مختار پاشا کی ماتحت تھی، مع تین کورس کے (۸) متشخص بٹالینوں، سترھویں اور اٹھارھویں رجمنٹ اور خود مختار رسالوں میں تقسیم کر دیا گیا۔

۲۹ر اکتوبر کو پہلی رجمنٹ نے لولی بورگاز اور قرہ غاچ پر ایک شدید لڑائی لڑی۔ اس مقام پر اس فوج کی تینوں رجمنٹوں نے اپنے تمام محفوظ ذرائع سے کام لیا۔ محمود مختار پاشا کی ذات سے، جس نے اپنی فوج کو از سرِ نو ترتیب دیا تھا، ناظم اور عبداللہ پاشا کی تمام تر امیدیں وابستہ تھیں، جنھوں نے ایک مشترکہ گردآوری نقل و حرکت کا آغاز کر دیا تھا، جس کا محور لولی بورگاز تھا۔ کرنل جعفر بے نے، جس کو محمود مختار پاشا نے اورن بیلی (Eioren Bayli) اور چفلق طپی (Tchifliktepe) کی گھاٹیوں پر قبضہ قائم رکھنے کے لئے متعین کیا تھا، بلغاریوں کو ان گھاٹیوں پر قابض ہو جانے دیا۔ یہ ایک ناقابلِ تلافی غلطی تھی اس لئے کہ اس اہم مقام سے دشمن ۳۰ ر اکتوبر سے یکم نومبر تک برابر محمود مختار پاشا کو پریشان کرتا رہا۔ بلغاریوں نے اپنی تمام فوجوں کا دباؤ عبداللہ پاشا پر ڈالا، جس نے بڑی مشکل سے مقاومت کی۔ محمود مختار نے اب حملہ کر دیا اور فرسٹ اور سیکنڈ کور کا ہاتھ بٹانے کی کوشش کی، لیکن عبداللہ پاشا کو پہلے ہی مات ہو چکا تھا۔ بہر حال سیکنڈ کی فوج نے ۳۱ر کو پھر لڑائی شروع کر دی۔ محمود مختار نے، جس کو فرسٹ آرمی کے متعلق کوئی خبر نہیں تھی اور جس کو یہ یقین تھا کہ وہ بھی اس کے برابر آگے بڑھ رہی ہے،

جنرل کرسٹوف کی ڈویژن کو توڑ کر بلغاریہ کے انتہائی یسار پر ایک گردشی نقل و حرکت کی کوشش کی۔ محمود مختار پاشا کا ارادہ بو نرحصار پر حملہ کرنے کا تھا لیکن بلغاریہ کے یمین کو نہایت اہم امداد پہنچ چکی تھی اور اس لئے ترکوں کو کچھ کامیابی نہیں ہوئی۔ یکم نومبر کو فرسٹ آرمی کی سیکنڈ کور کے قطعی پانوں اکھڑ گئے اور سیکنڈ آرمی کا یسار بالکل دشمن کی زد میں آگیا۔ مشرق کی تمام فرسٹ آرمی، سیکنڈ آرمی کو دشمن کے ساتھ مصروف حرب و ضرب چھوڑ کر، چرکس خانی کو فرار ہو گئی تھی۔ محمود مختار پاشا برابر اپنے مورچے پر جما رہا۔ اس کو یہ امید تھی کہ فرسٹ آرمی اس سے آملے گی۔ لیکن دوسری نومبر کو وہ پسپائی کا حکم دینے پر مجبور ہو گیا۔ پسپائی پہلے پہلے نہایت باقاعدہ طریقے پر عمل میں آئی، لیکن ناظم کے اس حکم پر کہ چرکس خانی کی طرف پسپائی عمل میں لائی جائے، فوج میں بہت جلد بھگدڑ مچ گئی۔ تباہی یہیں ختم نہیں ہو جاتی اور شدید کوشش کے باوجود ترکی فوج میں شکستہ کے محاذات پر ایک نہ سنبھلنے والی ابتری پھیل جاتی ہے۔ اگر بلغاریہ کی سوارہ فوج، باوجودیکہ قلیل تھی۔ قواعد جنگ کے مطابق تعاقب جاری رکھتی تو مفرورین کے ساتھ ساتھ شکستہ میں داخل ہو جاتی۔ اس فقدان عمل کی وجہ سمجھ میں نہیں آسکتی کہ کیا ہے، اور یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ اس جنگ کے، جو متعجبات سے بھری ہوئی تھی، متعجبات کے منطقہ ایک چیز تھی۔ تاہم یورپ میں عثمانی طاقت ٹوٹ چکی تھی۔ بلغاریہ والوں کے لئے قسطنطنیہ کا راستہ کھل گیا تھا ساتھ ہی ان کی تعجب خیز کامیابی نے مقدونیہ کو کمک بھیجنے سے بھی حکومت عثمانیہ کو باز رکھا۔

سمندر پر یونان کا قبضہ تھا۔ ترکی بیڑہ النائی (Heilenic) سکواڈرنوں سے لڑنے کے لئے درہ دانیال سے باہر نکلنے کی ہمت بھی نہیں کر سکتا تھا لیکن دمیاط اور سالونیکا اور سالونیکا جنگشن اور قسطنطنیہ کی ریلوں کے ذریعے سے ترک جتنی چاہتے مقدونیہ کو اناطولی فوجیں بھیج سکتے تھے۔ لیکن ۲۲ اکتوبر سے دمیاط پر بلغاریوں کا قبضہ تھا اور کسی ترکی فوج کا اس پر اثر نہیں

---

[1] (Demotika-Salonika) ریلوے لائن۔

ہوسکتا تھا۔ مقدونیہ کو اپنے حال پر چھوڑ دیا گیا تھا۔

اس کے علاوہ اسی وقت جب کہ بلغاریہ کی پوری فوج تھراس کی ترکی فوج کو تباہ کر رہی تھی، جنرل تھیوڈوراف اور جنرل کوفاچیف کی فوجیں ورودر اور مریزہ کے درمیانی علاقے کو صاف کر رہی تھیں۔ ۲۷ نومبر کو مرہان لی پر، جو فسرجق سے بجانب شمال دس کلومیٹر کے فاصلے پر ہے، محمد یاور پاشا نے کوفاچیف کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ مقدونیہ میں تھراس سے کچھ زیادہ ترکوں کو کامیابی حاصل نہیں ہوئی تھی۔ ۲۴ اکتوبر کو علی رضا پاشا کی ترکی فوج، جس کو یدیفویر ۲۰ تاریخ کو اور کسافوپر ۲۲ کو پہلے ہی ہزیمت ہو چکی تھی، کمانوفو کے مقام پر تباہ ہو گئی جس کے ذمہ دار ایک بڑی حد تک البانی گروہوں کے نقائص تھے اسی اثنا میں بلغاری ڈویژن وادی برغنیزہ کے راستے سے میدان میں آ نہ آئی اور کتانہ کے مقام پر اس نے قرہ سعید پاشا کی فوج کے ایک حصے کے ساتھ جنگ کی۔ یہ ترکی فوج ۸ جس میں (۱۶۰۰۰) کا جانی نقصان ہوا تھا، جس کے منجملہ (۶۰۰۰) مارے گئے تھے۔ یہ واقعہ سرکاری اطلاع کے بالکل خلاف تھا، جس میں فتح کا اعلان کیا گیا تھا؛ منستیر کی طرف پسپا ہو گئی کچھ لوگ غستفارہ کے راستے سے اور کچھ پری لیپ کے راستے سے گئے۔ اسکوب کو خالی چھوڑ دیا گیا۔ چنانچہ یہ ۲۶ کو مسخر ہو گیا۔ سربی افواج نے حسب ذیل طریقے پر اپنے کو تقسیم کر لیا تھا۔

فرسٹ آرمی؛ چار ڈویژنیں؛ پرنس الگزانڈر، پری لیپ کی طرف بڑھی سیکنڈ آرمی؛ دو ڈویژنیں؛ ادرنہ کو بھیجی گئیں۔ تھرڈ آرمی؛ تین ڈویژنیں؛ قرسٹ کے یمین کی طرف صف آرا ہوئیں۔ ایک ہوائی دستہ سالونیکا کی طرف روانہ ہوا۔ ۳ نومبر کو تھرڈ آرمی نے کرچافو کے مقام پر ترکوں کا مقابلہ اور منستیر تک ان کا تعاقب کیا۔ ۱۳ کو فرسٹ آرمی نے، پہلے پری ساٹ کے مقام پر قرہ سعید کو شکست دے کر، جہاں وہ فوج کو از سرِ نو ترتیب دینے کی کوشش کر رہا تھا، پری لیپ کے مقام پر اس سے مقابلہ کیا اور اس کو تباہ کر دیا۔ ۱۴ کو تھرڈ اور

فرسٹ آرمی نے علی رضا کی فوج پر حملہ کیا، جو منستیر میں دوبارہ قائم ہوگئی تھی تین دن کی لڑائی کے بعد ترک نہایت ابتری کے ساتھ بھاگ نکلے اور منستیر فتح ہوگیا۔ ترکی فوج ہٹ چکی تھی۔ صرف جاوید پاشا، جس نے تھوڑی دیر کے لئے کمانوو پر شکست کو ایک متوازن حالت میں قائم رکھا اور جس کو سالونیکا کی فوج سے جا ملنے کی کوشش میں یونانیوں پر فتح حاصل ہوئی تھی، پہاڑوں کی گھاٹیوں میں سے ان کے مسدود ہونے سے پہلے اپنے آدمیوں کو سلامت نکال لے گیا تھا۔ اس نے البانیہ میں پناہ لی تھی، جہاں وہ ایک مقام سے دوسرے مقام پر اس لئے منتقل ہوتا رہا کہ دشمن اس کے تعاقب میں تھا اور البانیہ والوں نے اسے اپنے یہاں گھسنے نہیں دیا تھا۔ سرٰبی فتوحات کو بالکل غیر متوقع طور پر ایک جوابی صدمہ پہنچنے والا تھا اور یہ البانیہ کی ترکی سے علیحدگی تھی۔ ارناؤط، اسمٰعیل کمال بے کی صدا پر یکایک اٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ شخص برانٹ کا ایک سابق نائب تھا۔ اس نے والونہ میں اطالیہ اور آسٹریا کی امداد سے خودمختار ریاست البانیہ کی پراوی ژنل حکومت قائم کی تھی۔

تشیبی مقدونیہ میں یونانیوں کی فوج نے جو ڈیادوق (Diadoque) کے زیر کمان تھی، ۱۹ اکتوبر کو الیسونا (Ellassona) سے ترکوں کو پسپا کر دیا تھا۔ ۲۱ کو انھوں نے سرن وا پہ وز کی گھائی کو فتح کر لیا۔ اور پھر یکے بعد دیگرے سر تپیج، کشانی، اور غرافیتہ پر قابض ہوگئے۔ ترکی فوج شمال میں کیلار کی جانب اور مشرق میں فیریہ کی طرف پسپا ہو کر نیسٹری پر مجتمع ہوگئی۔ اور لیسار نے برکہ پر دم لیا۔ ۲ نومبر کو پچیس ہزار ترک میدان میں جمے رہے لیکن دوسرے دن ڈیادوق کی ساٹھ ہزار فوج کے آجانے سے اس کے پاؤں اکھڑ گئے۔ سالونیکا پر ایک طرف سے یونانی اسکواڈرن نے دباؤ ڈالا، جس نے خود بندرگاہ میں ایک چھوٹے سے آہن پوش جنگی جہاز "فتح بلند" کو ڈبو دیا اور جس نے قرہ بورنان کے قلعوں پر گولہ باری کی۔ دوسری طرف سے سربیہ والے اس طرف بڑھے، جن کی سوار فوج نے ۷ تاریخ کو جوران پر قبضہ کر لیا تھا اور جن کی پیدل فوج نے وردار میں اتر کر نیسٹری کے مفرورین کو

منقطع کر دیا تھا۔ تیسری جانب سے نجیوڈوراف کی بلغاری فوج نے اس پر حملہ کیا، جو شمال اور شمال مشرق کی طرف سے آئی تھی اور جس کی سوارہ فوج ۸ر تاریخ کو یونان کی سوارہ فوج سے مل گئی تھی۔ تحسین پاشا نے یہ دیکھ کر مغلوب ہو جانے کا اور سالونیکا کو یونانیوں کے حوالے کر دینے کا ارادہ کر لیا (۸ر نومبر)[1]۔

اسی زمانے میں کرنل ہتیصیاپولو منستیر کی طرف بڑھا لیکن نیزہ کے مقام پر جاوید پاشا کی سپہ سالاری میں ترکوں کی طرف سے اس پر ایک جوابی حملہ کیا گیا۔ جاوید پاشا نے، جو کمانوفو پر پسپا ہو گیا تھا اور سالونیکا کی فوج سے جا ملنے کی کوشش کر رہا تھا، سر وویش کے مقام پر یونانیوں کو ہزیمت دی اور دو روز کی جنگ کے بعد ۵ر نومبر کو یہ لوگ میدان میں نہیں ٹھہر سکے۔ لیکن کمکیں فوراً آ گئیں اور جاوید پاشا کو فلورینہ اور پھر منستیر کو واپس آ جانا پڑا، جہاں سربیہ کی فوج سے اس کا مقابلہ ہوا۔ ۱۵ر کو دیادوق کی تمام فوج نے عام حملہ کر دیا۔ ۱۶ر اور ۱۷ر کو فلاکوفہ، کراتنیزہ، اور کمانو کی لڑائیاں واقع ہوئیں اور ۱۹ر کو غورنشاؤ اور فلورینہ کی۔ ۲۰ اور ۲۱ر نومبر کو فلورینہ سے زبردانی تک ایک آخری لڑائی لڑی گئی۔ اور روعکی، جو یہاں سے چند گھنٹوں کی مسافت پر تھا، ترکی فوج کو سربیہ والوں نے تباہ کر دیا جن کی سوارہ فوج یونان کے یمین سے اتصال قائم کر چکی تھی۔ ہر طرف بقیۃ السیف ترکی فوج کا تعاقب کیا جا رہا تھا اور ہتقدونیہ آزاد تھا۔

اسی ریس میں یونانیوں نے فلیپیادی (۲۶ر اکتوبر) پر بھی ویبزہ (۲۸ نومبر) پنٹی پگادیہ (۵ تا ۸ر نومبر) مزیقو (۱۳ر نومبر) اور کر اسفستو (۲۳ر نومبر) پر یکے بعد دیگرے قبضہ کر لیا تھا۔ اور نومبر کے اختتام پر جنرل سپون جاکیس کی فوج

---

[1] بلغاریوں نے قبضے کی اولیت کا دعوی کیا تھا۔ اس مسئلے پر اگر غور کیا جائے تو بہت دیر لگے گی۔ بہر حال بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یونانی بلغاریہ کے بہ نسبت قبضہ کرنے کے زیادہ مستحق تھے۔

جنینہ کے بیرونی چوکیوں کے مقابل تھی،
مانٹی نیگرو کے جانب سرناگوریوں نے برانہ اور ایپک پر قبضہ کرکے سربی افواج کا ہاتھ بٹایا تھا اور سنفوورہ کا محاصرہ کرلیا تھا، جہاں درازو کے سابق نمایندہ اور رسوائے عالم "قاتلِ حمید" غنی پاشا کے بھائی، اسد پاشا کی ماتحتی میں پندرہ ہزار البانی متعین تھے۔

سمندر میں ترکوں نے ۱۹ اور ۲۰ اکتوبر کو وارنہ پر گولہ باری کرنے کی بے سود سی کوشش کی تھی۔ اور کاورنا اور بشک کے قریوں کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔ لیکن ۲۷ نومبر کو بلغاریہ کی ایک تارپیڈو کشتی نے حمیدیہ نامی کروزر کو بیکار کر دیا۔ اس کی بہرحال مرمت کرلی گئی اور ۱۴ جنوری ۱۹۱۴ء کو اس نے یونانی اسکواڈرن کی ناکہ بندی کردی، سیرہ پر، جو ایک غیر محفوظ بندرگاہ تھی، گولہ باری کی اور لڑائی کے اختتام تک یونانیوں سے بچ بچ کر ادھر اُدھر پھرتا رہا۔ یونانی بیڑے نے سب سے پہلے اس امر کی طرف توجہ کی کہ درہ دانیال کی ناکہ بندی کردی جائے اور اس طرح ان جزائر پر اپنے قبضے کو یقین کرلیا جائے جو درہ دانیال کے دروازے پر حاوی ہیں۔ ۲۰ اکتوبر کو یونان نے تینی واز پر، ۲۱ کو لمناز پر، ۳۰ کو تھیساس، امبراز اور استرانی پر، یکم نومبر کو سموتھراکس پر، ۲۱ کو مٹی لینی پر قبضہ کرلیا۔ مٹی لینی کی مستحفظ فوج، جس کی تعداد سترہ سو تھی ۲۰ دسمبر تک پہاڑوں میں دشمن کا مقابلہ کرتی رہی۔

۲۴ نومبر کو کرنل ڈیلاگرامٹی کاکیو کے مقام پر اترا اور یہاں کی مستحفظ فوج کو، جو کوہ پیشیو کی طرف پسپا ہوگئی، مار کر ہٹا دیا۔ ۱۵ دسمبر کو سلیمیے کے ٹھارہ سو آدمیوں نے مجبوراً اطاعت قبول کرلی۔ ۱۷ دسمبر کو عثمانی بیڑے نے آبنائے درہ دانیال میں یونانی اسکواڈرن سے مقابلہ کیا۔ لڑائی ایک گھنٹے تک جاری رہی اور ترکوں نے اس اثنا میں دوبارہ قلعوں کی آڑ پکڑ لی۔ سب سے زیادہ شدید نقصان امیر البحر کے جہازوں، اغیروف اور باربیروصہ نے اٹھایا۔ پہلے جہاز کے صرف بالائی حصے کو صدمہ پہنچا اور دوسرے کا بوائلر بالکل بیکار ہوگیا۔

تیرا اس کی مصیبتوں کا ردِ عمل استنبول میں شروع ہوا۔ ۲۹ اکتوبر کو مارشل احمد غازی مختار پاشا نے کامل پاشا، پریسیڈنٹ آف دی کونسل آف اسٹیٹ (صدرِ اعظم باب حکومت) کے حق میں استعفا دے دیا، جو وزارت کی تشکیل کے زمانے سے اس کی بیخ کنی کی کوشش کر رہا تھا۔ اس خبر کو شائع کرتے ہوئے اخبار حق نے، جو انجمن اتحاد و ترقی کا آرگن تھا اور جو طنین کے بند ہو جانے پر جنین اور جنین کے بند ہو جانے پر سنین کے ناموں سے موسوم ہوتا ہوا اب حق کے نام سے نکل رہا تھا، تحریر کیا کہ ملک نے نہایت حیرت و استعجاب کے ساتھ حکمت عملی کے اس غیر متوقع انقلاب کا خیر مقدم کیا ہے خصوصاً اس وجہ سے کہ جنگ کی بنا پر مخالف جماعتوں میں صلح ہو چکی تھی۔ اسی سلسلے میں اس اخبار نے یہ بھی تحریر کیا کہ :۔ "مختار پاشا کے استعفا کے وجوہات تحریک نہ تو معمولی ہیں اور نہ طبیعی اس لئے کہ سابق وزیر اعظم نے ہزاروں مرتبہ یہ کہا ہے کہ وہ استعفا نہیں دے گا۔"

لڑائی نے کامل پاشا اور اس کے رفیقوں کو اس کے بیٹے کو بدنام کر کے اس مارشل کو اپنی خدمت سے مستعفی ہو جانے پر مجبور کرنے کا موقع دے دیا تھا۔ ایک جریدے میں، جو کامل پاشا کا طرف دار تھا یہ شائع کیا گیا تھا کہ جنرل محمود مختار اور جنرل شاہزادہ عزیز کو فوج کی کمان سے سبکدوش کر دیا گیا ہے اس خبر کی اشاعت کے بعد جو بالکل غلط تھی، تازہ اطلاعیں شائع کی گئیں، جن میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ کورٹ مارشل کے حکم کی بنا پر (۵۳) افسروں اور سپاہیوں کے گولی مار دی گئی۔ اس قسم کی افواہیں، جن میں جرائم کی بہ نسبت بہت کم اخفا سے کام لیا گیا تھا، پھیل گئیں کہ ان دونوں جنرلوں کو گرفتار کر لیا گیا تھا اور کورٹ مارشل نے انھیں موت کی سزا دے دی تھی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ وزیر اعظم کو یہ بتلا دیا جائے کہ اس کے بیٹے پر کیا تہمت لگائی گئی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مارشل متنفر ہو کر اپنی خدمت سے مستعفی ہو گیا۔

کامل پاشا کی وزارتِ عظمیٰ۔ بلغاری چتلجہ کے سامنے۔ التوائے جنگ اور مبادیاتِ صلح ۱۷ر جنوری ۱۹۱۳ء کا مشترکہ نوٹ۔ زائد دیوانِ اعظم۔ ۲۳ر جنوری کا حکومت پالیسی کا انقلاب

ناظم پاشا کی موت ۔۔ کمال کا زوال

اگر احراری جرائد پر اعتبار کیا جائے تو یہ ماننا پڑتا ہے کہ کامل پاشا اس نیک طبیعت جن کا کام انجام دینے والا تھا، جو اپنی عصا کی صرف ایک جنبش محض سے شکست کو فتح سے بدل دے، یورپ کی نہایت ہی گراں قدر مودت و محبت کو حاصل کر لے اور ترکی کی فتح کا یقین دلا دے۔

۳۰ر اکتوبر کے اقدام میں یہ شائع کیا گیا تھا کہ :۔ جو سواری کل رات کامل پاشا کو بابِ عالی تک لائی وہ کامل پاشا کے ساتھ انگریزی اتحاد کو بھی لائی ہے۔ .... کیا کہنا اے دانشمند وزیر! ۔ تجھے نہایت ہی عظیم الشان سیاسی فتح حاصل ہوئی ہے۔ گھر میں اور گھر سے باہر ہماری توقعات تیرے کاموں کی فتح سے، چاہے اس کا حاصل کرنا کتنا ہی تکلیف دہ کیوں نہ ہو وابستہ ہیں۔ خدا کرے کہ جنگ میں ہمیں فتح حاصل ہو تاکہ تو ملک کی اصلاح کر سکے اور ہمیں خوش و خرم زندگی بسر کرنے کا موقع ملے تو ملک کا مشکل کشا ہے"۔

سچ یہ ہے کہ کامل پاشا برسرِ اقتدار ہو جانے کے بعد ردِ عمل کا حامی ہو گیا تھا۔ قسطنطنیہ کے متعلق نہایت مہیب افواہیں پھیلی ہوئی تھیں۔ لوگ غیور (ghiaours) اور غیر ملکیوں کے فوری قتلِ عام کے تذکرے کر رہے تھے۔ نیز اس کی فوج کے تمام منتشر شدہ سپاہی دار السلطنت میں جمع ہو گئے تھے۔ دو قسطنطنیہ اور اس کے اطراف و اکناف ان لوگوں کے نظارے سے لرزہ براندام تھے، جن کی تعداد روز بروز بڑھ رہی تھی۔ دول عظمیٰ نے اپنے اپنے

اپنے اپنے ہمقوموں کی حفاظت کے لئے جنگی جہاز بھیجدئے تھے۔ اس تحریک کو روکنے سے زیادہ اور کوئی چیز آسان نہیں ہو سکتی تھی"[1]

لیکن حکومت نے کوئی تدبیر اختیار نہیں کی۔ اس کو یہ توقع تھی کہ یورپین سیاسیات پر ترکی کے مفیدِ مطلب اثر ڈال کر موجودہ صورت حال سے بہت کچھ کام لیا جا سکتا ہے۔ نارودنگیان (Noradounghian) آفندی، وزیر خارجہ نے لولی بورگاز کی شکست کے بعد حکومت کی طرف سے سفیروں کو یہ اطلاع دے دی تھی کہ اگر دول نے بلغاریوں کی پیشقدمیوں کو، جن کی بنا پر کہ منتشر شدہ سپاہی دارالسلطنت میں گروہ در گروہ جمع ہو رہے ہیں، روکنے کے لئے مداخلت نہیں کی تو پھر باب عالی ذمہ دار نہیں ہوگی۔ اس پردہ پوش دھمکی نے ڈپلومیٹک کور کو خطرے کی اطلاع اور ان لوگوں کو قابو میں رکھنے کے لئے ایک بین الاقوامی اسکواڈرن کی حفاظت کا مطالبہ کرنے پر آمادہ کر دیا"۔

بہرحال بلغاریوں نے ان اصول کی خلاف ورزی کر کے، جو پہلے انھوں نے اختیار کئے تھے، ہزیمت خوردہ ترکوں کا تعاقب آہستہ آہستہ جاری رکھا۔ انھوں نے ۸ر نومبر ہی کو کورلان پر قبضہ کر لیا اور ۱۲ر کو ان کی فوج شتلجہ کے سامنے تھی۔ یہاں پہنچ کر ان لوگوں کو رک جانا پڑا۔

اس سلسلے میں یہ سوال اٹھایا گیا ہے کہ بلغاری آگے کیوں نہیں بڑھے اور ۱۷ر اور ۱۸ر نومبر کی لڑائیوں کے بعد، جو دراصل ترکی مورچوں کے صرف ایک دریافت حال یا جاسوسی کی حیثیت رکھتی تھیں، مستعدی کے ساتھ حملہ کرنے کے بجائے بلغاری کمانڈر نے سیاسی نقل و حرکت کس لئے شروع کر دی؟ بلغاریہ کی طرف کے جنگی نامہ نگاروں کا یہ بیان تھا کہ بلغاری درماندہ اور خستہ ہو گئے تھے؛ بعض رجمنٹوں میں پچاس فی صد سپاہی پیچش میں مبتلا تھے؛ ان کو یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ ترکی مورچے نہایت زبردست تھے اور ان کے لئے ایک باقاعدہ محاصرے کی ضرورت تھی؛ فوجوں کا جوش و خروش ٹھنڈا ہو گیا تھا اور ان میں ترکوں کو ان کے

---

[1] جنرل عزت فواد پاشا: "ایک شکست خوردہ سپہ سالار کے الفاظ"۔

آخری مامن وملجا سے ہٹا دینے کی ہمت نہیں تھی؛ یہ کہ ۱۷ اور ۱۸ ارکی تاریخوں میں بلغاریوں پر اس قدر خونیں دباؤ پڑا تھا کہ وہ ایک دوسری شکست کا خطرہ نہیں اٹھا سکتے تھے۔ وغیرہ وغیرہ۔

اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بلغاریہ کی فوج نے شدید نقصانات اٹھائے تھے اور اس میں بہت سے لوگ بیمار تھے۔ لیکن شتلجہ کے خطوط کے متعلق ایک دوسرا ہی قصہ بیان کیا جاتا ہے۔ اس مسئلے کے متعلق "رومانی بیاض اخضر" میں، جو ان سرکاری دستاویزات کا واحد مجموعہ ہے، جو اس جنگ کے متعلق شائع کی گئی تھیں، ایک نہایت ہی پر معنی مراسلت شامل ہے:-

بروز سہ شنبہ بتاریخ ۲۳ر نومبر بکرش کے مقام پر پیلکھ کے محل میں ہز مجسٹی دی کنگ کے ملاحظے میں پیش کیا گیا:-

کل شیبٹو آف پیلکھ کو میرے اشارات پر مشتمل تار کے بھیجنے کے بعد، ترکی وزیر، سفیر بے بہت بے وقت مجھ سے ملاقات کے لئے آئے اور اپنی حکومت کا ایک مراسلہ مجھے پڑھ کر سنایا، جس کا مضمون حسب ذیل ہے:-

"ہماری فوج کی نہایت ابتر صورت حال یہ امید قائم نہیں ہونے دیتی کہ ہم شتلجہ کی کارگر مدافعت کر سکیں گے۔ لہٰذا بلغاریوں کو قسطنطنیہ میں داخل ہو جانے سے باز رکھنے کے لئے ہمارے پاس یہی چارہ کار ہے کہ سیاسی تدابیر سے کام لیا جائے۔ ہم بلغاری فوج کی پیش قدمیوں کو روک کر دول عظمی سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ لڑائی کو روک دیں اور صلح کی گفت وشنید کا آغاز کریں۔ التوائے جنگ کی راست گفت وشنید سے سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہو گا کہ ہمارا قیمتی وقت ضائع ہو جائے اور قسطنطنیہ پر دشمن کا قبضہ ہو جانے سے، جو خطرناک نتائج پیدا ہوں گے ہم ان کے متعلق کوئی اندازہ قائم نہیں کر سکتے۔ رومانیہ کی حکومت سے یہ درخواست کی گئی ہے کہ وہ قسطنطنیہ میں بلغاریوں کے داخلے کو روکنے کے لئے ہر ممکن تدبیر سے کام لے۔

دستخط میجوریسکو"

ایسی صورت میں اگر ۵ نومبر کو حکومت شتلجہ کی چوکیوں کو اس قدر نامستحکم سمجھتی تھی تو پھر بارہ دن کے بعد بلغاری فوج کے حملوں کا کس طرح مقابلہ کیا جا سکتا تھا؟ ضرورت اس امر کی ہے کہ بلغاریہ کے لیے حس و حرکت قیام کی وجہ کسی دوسری جگہ تلاش کی جائے۔ قسطنطنیہ کے سیاسی حلقوں میں یہ باور کیا جاتا ہے کہ بلغاریہ کی یہ بے بسی روس کے امتناعی احکام پر مبنی تھی، جس نے صوفیہ کو یہ نوٹس دے دیا تھا کہ وہ قسطنطنیہ میں بلغاری فوجوں کے داخلے کو کبھی جائز نہیں رکھے گا اور یہ کہ ان کو شتلجہ سے آگے نہیں بڑھنا چاہیئے اس لئے کہ اس محاذ پر قابض ہو کر وہ دارالسلطنت پر قابض ہو جائیں گے۔ شاہ فردیناند اور جنرل سیفاف میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اس حکم سے انحراف کریں۔

اس واقعے سے بڑھ کر کہ ۱۲ نومبر سے التوائے جنگ کے متعلق نیم سرکاری طور پر گفت و شنید کا آغاز ہو گیا تھا[1]، اس امر کا اور کوئی ثبوت نہیں ہے کہ شتلجہ کے حملے کے وقت بلغاریوں کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی گئی تھیں اور یہ کہ ترکوں کو

---

[1] اگرچہ اس کے متعلق پوری طور پر واقفیت نہیں ہے تاہم ایسا قیاس کر لیا گیا ہے کہ دراصل جو بات تھی وہ یہی تھی۔ مارکوئس ڈی سیگینزیاک (Segouzæ) کے ایکو ڈی پاریس کے موسومہ ایک خط مورخہ ۲۲ نومبر میں بلغاریوں کی ناکامیابیت کے متعلق یہ بیان کیا گیا تھا کہ :۔ "دوسرا سبب، جس نے بلغاریہ کے حملے کو متزلزل کر دیا، کمانڈر ان چیف کے ان الفاظ سے بخوبی ظاہر ہو جاتا ہے :۔ "اگر وہ ہم کو قسطنطنیہ میں داخلے کی اجازت دے دیں گے تو ہم شتلجہ کو، چاہے کیسی ہی قربانیاں کیوں نہ ادا کرنی پڑیں، فتح کر لیں گے۔ اگر اس کی اجازت نہیں دی گئی تو یہ کوشش بہت گراں قیمت ہے۔"

"اور اس کے علاوہ مدبرین کی آوازیں جنرلوں کی صداؤں پر غالب آ جاتی ہیں۔ وہ مداخلت کرتے ہیں اور جنگ شتلجہ یہ معلوم ہونے لگتی ہے کہ گویا یہ ایک محض مظاہرہ تھا، جس کی بنا پر بلغاریوں کو آخری دلیل ہاتھ آ گئی۔ میری یہ رائے ہے کہ صرف دھمکی ہی ایک غیر مکمل حملے کی بہ نسبت اس موقع پر زیادہ موثر ثابت ہوتی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک آسان فتح کی توقع کی گئی تھی۔ یہ ایک سیاسی اور تدابیر حرب کی متعلقہ غلطی تھی جس نے ایک فتحمند جنگ کو ایک بے نتیجہ حملے کے ذریعے سے اس طرح روک دیا۔"

جنرل عزت فواد پاشا کی بھی، جو شتلجہ کے مقام پر تیسرا آرمی کی تھرڈ ڈویژن کا کمانڈر تھا، یہی رائے ہے کہ بلغاریہ کی ناکامیابیت کا سبب روس کی مداخلت میں تلاش کرنا چاہیئے۔" (ایک شکست خوردہ سپہ سالار کے الفاظ)۔"

سخت شرائط تسلیم کرنے پر مجبور کرنے کی غرض سے وہ صرف ان پر اثر ڈالنا چاہتے تھے۔
۳ دسمبر کو سہ شنبے کے روز گفت و شنید کا آغاز ہوگیا۔ آدھی رات سے کچھ پہلے وزیر اعظم کو ناظم کا ایک مراسلہ ملا، جس میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ التوائے جنگ کے معاہدے پر ایک جانب سے ترکی کے اور دوسری جانب سے بلغاریہ، سربیہ اور مانٹی نیگرو کے دستخط ہوگئے ہیں۔ یونان نے بہرحال اپنی جنگی مصروفیتوں کو جاری رکھا۔ پھر تاریخ کو ایک سرکاری مراسلت میں التوائے جنگ اور اس امر کا اعلان کردیا گیا کہ تاریخِ التوائے جنگ سے دس روز کے اندر صلح کی گفت و شنید کا آغاز ہوجائے گا۔
اتحادیوں نے التوائے جنگ کے متعلق گفت و شنید کے آغاز پر حسب ذیل شرطیں پیش کی تھیں:۔ اورنہ، سقودرہ، مناستیر (اس شہر پر سربیہ کا اندرون میں قبضہ ہوگیا تھا) اور جنینہ کی حوالگی؛ خطوطِ چتلجہ کا ناظم پاشا کی فوجوں سے تخلیہ؛ ترکی یورپ کو کمک نہ بھیجنے کا عہد کرے۔ ترکوں کی طرف سے یہ شرطیں پیش کی گئی تھیں:۔ جنگجو فوجوں کا ان موچوں پر قیام، جس پر وہ معاہدۂ التوائے جنگ پر دستخط ثبت ہونے سے قبل قابض تھیں؛ اس تمام عرصۂ مدت میں جب کہ جنگی مصروفیتیں معطل رہیں، محصور مقامات پر رسد کا انتظام؛ ترکی شہروں پر سے یونان کی ناکہ بندی کا اٹھا لیا جانا۔
بے انتہا بحث و تمحیص اور معاہدۂ التوا کو فسوخ کردینے کی بے شمار دھمکیوں کے بعد ساراناف اور ناظم پاشا نے ان امور پر اتفاق کرلیا۔ چتلجہ میں ترکی اور بلغاری دونوں فوجیں اپنے اپنے موچوں کو قائم رکھیں اور دونوں لشکروں کے بیچ میں ایک غیر جنبہ دار منطقہ کی حدیں مشخص کردی جائیں۔ التوائے جنگ پر دستخط ہوتے ہی ہر جگہ تمام جنگی مصروفیتیں روک دی جائیں۔ محصور مقامات پر رسد رسانی کا مطالبہ، چاہے وہ صرف افواجِ مستحفظ ہی کے لئے کیوں نہ ہو، منظور نہیں کیا گیا۔ ان موچوں کے باہر، جو ان کے قبضے میں تھے، فریقینِ معاہدہ کی فوجوں کی نقل و حرکت کو ممنوع قرار نہیں دیا گیا تھا۔ بہ الفاظِ دیگر ہر فریق کو یہ حق حاصل تھا کہ جہاں چاہے کمک بھیج دے۔
یونان نے ان شرائط پر، جو اس کے حلفاء نے منظور کرلی تھیں، التوائے جنگ کو تسلیم کرنے سے صاف طور پر انکار کردیا تھا۔ ابتداءً اس خبر سے کہ یونانی اپنے

خلفاء سے علیحدہ ہو گئے ہیں اور ترکی کے خلاف تنہا جنگ جاری رکھیں گے، بہت کچھ حیرت و استعجاب پیدا ہو گیا تھا۔ اس خبر کے موصول ہوتے ہی فوراً تمام ترکی جرائد نے، سوائے ایک جریدے کے جس نے یہ دریافت کر لیا تھا کہ اس تمام کاروبار میں عثمانی تدبر کو دھوکا دینے کے لئے داؤ پیچ سے کام لیا گیا ہے، بڑے جوش و خروش کے ساتھ اس امر کا اعلان کرنا شروع کر دیا کہ اتحاد بلقان ٹوٹ گیا ہے اور یہ کہ اب یونان کو پامال کر دینے میں ترکی کو کوئی دقت پیش نہیں آئے گی۔ ینی غزاۃ (The Yani Gazetta) نے، جو وزیر اعظم کا چہیتا اخبار تھا، نہایت سنجیدگی کے ساتھ تحریر کیا کہ: "اگر (۴۸) گھنٹے کے اندر یونان نے خود التوائے جنگ پر دستخط کرنے کی التجا پیش نہیں کی تو حکومت عثمانیہ یہ معلوم کر لے گی کہ ضروری جوش و خروش کے ساتھ کس طرح عمل پیرا ہونا چاہئے"۔ ایک دوسرے ترکی جریدے نے نہایت اطمینان کے ساتھ اس جہلیت کو شائع کیا کہ: "قسطنطنیہ کی عثمانی فوجوں کو تھسلی میں یونانیوں پر حملہ کرنے کی غرض سے بلغاری خطوط میں سے نہایت آزادی کے ساتھ گزرنے دیا جائے گا"۔

یونان نے صلح کو "جو کچھ تمھارے پاس ہے اپنے ہی پاس رکھو" کے مقولے کی روشنی میں دیکھنا چاہا، اور اس امر کا ارادہ کیا کہ جنینہ کا واحد مالک بن جائے تاکہ اس طرح ایپرس پر دعویٰ کرنے کا اس کو حق حاصل ہو جائے۔ یونانی فوجیں علی طبیلینی کی دیواروں کے سامنے تھیں؛ یہ یقینی تھا کہ وہ ترکوں کو پامال کر دیں جو توپ خانے کی پناہ میں تھے۔ وہ اس بات کے لئے تیار نہیں تھے کہ ایک یقینی فتح میں روڑے اٹکا دئے جائیں۔ اسی لمحے سے جب سے کہ التوائے جنگ اس شہر کو مسخر کرنے سے قاصر رہا۔ یونانیوں نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر وہ اپنے اور اپنے متحدین کے مفادات کے مدنظر ناکہ بندی کو اٹھا لینے پر بھی راضی نہیں ہو سکتے تھے۔ اگر ناکہ بندی اٹھا لی جاتی تو ترک سمندر کے راستے سے شام سے فوجیں طلب کر لیتے اور ان کو سواحل البانیہ پر اتار دیتے۔

طے یہ ہوا تھا کہ مبادیات صلح کا آغاز لندن میں ہو لیکن اس سے پہلے کہ متحدین اور ترکی کے وزراء مختار ایک جگہ جمع ہوں، قسطنطنیہ میں تکمیل صلح کے متعلق شکوک

پیدا ہو گئے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ متحدین کے ملکی مطالبات اور باب عالی کی حقیر قربانیوں میں اس قدر بین فاصلہ تھا کہ کسی قسم کی مفاہمت کا ظہور پذیر ہونا ناممکن معلوم ہوتا تھا۔ باب عالی نے ان اعلانات کو پیش کر کے، جو آغاز جنگ پر اس کے دشمنوں کی طرف سے کئے گئے تھے یعنی یہ کہ وہ صرف اپنے ہموطنوں کی حالت کی اصلاح کرنی چاہتے ہیں، اس امر پر آمادگی کا اظہار کر دیا کہ نہ صرف مقدونیہ ہی کو اختیارات خود انتظامی عطا کر دئے جائیں گے بلکہ البانیہ کو بھی ایک باجگذار ریاست بنا دیا جائے گا اور خاندان عثمان کا کوئی شہزادہ البانیہ کا بادشاہ بنا دیا جائے گا۔ ساتھ ہی اس نے متحدین کے مفاد کو پیش نظر رکھ کر سرحدوں کی بھی معمولی سی ترمیم و تنسیخ کو قبول کر لیا۔ متحدین کی طرف سے یہ جواب دیا گیا کہ ان کے ہموطنوں کی حالت کی، جو جنگ کا باعث تھی، اس صورت سے زیادہ اصلاح ہو جائے گی کہ وہ عثمانی رعایا بنے رہنے کے بجائے اپنے ہی ملکوں کے باشندے بن جائیں۔ دول کی زیر نگرانی اختیارات خود انتظامی کے عطا کئے جانے کا متحدین نے جو مطالبہ کیا تھا۔ اس کی غرض یہ تھی کہ لڑائی نہ ہونے پائے لیکن چونکہ اب نفاذ اصلاحات سے حکومت عثمانیہ کے انکار کی بنا پر لڑائی واقع ہو چکی ہے، اس لئے حالات بالکل بدل گئے ہیں اور فاتحین کو ان قربانیوں کا معاوضہ ملنا چاہئے۔ مختصر یہ ہے کہ متحدین کی طرف سے علاقہ جات کی حوالگی اور تاوان جنگ کا مطالبہ کیا گیا۔

بلغاریہ چاہتے تھے کہ سرحد اس طرح متعین کی جائے کہ بحر اسود پر میڈیہ سے شروع ہو کر ارغنی اور مریزہ کے برابر سمندر تک چلی جائے جس سرحد کا مطالبہ کیا جا رہا تھا وہ کفالا (Kavalla) کے مغرب میں ہوتی ہوئی بالائی استرومہ کی وادی کو اپنے اندر لیتی ہوئی شمال مشرق کی طرف چلی جاتی تھی۔ سربیہ والے سنجک، ولایت کسافو اور ولایت منستیر نیز ایڈریاٹک پر ایک بندرگاہ کا مطالبہ کر رہے تھے۔ مانٹی نیگرو کی طرف سے سنجاک کے اس تمام حصے کا جس پر وہ قابض ہو چکے تھے، نیز سقودرہ کا جس میں انھوں نے ناکہ بندی کر کے قحط پھیلا دیا تھا ساتھ ہی درین سید ھے کنارے اور بیڈوہ کے سینٹ جان کا مطالبہ کیا جا رہا تھا۔ یونانی تمام

جزائر ایجین (بہ استثناء ان جزیروں کے، جن پر اطالیوں کا قبضہ تھا)؛ اپریس مع ینینہ؛ اور تیسی منفدونیہ کا مع سالونیکا سیرس اور ارفانو کے مطالبے کر رہے تھے۔ ترک، جو بلغاری حملے کے رک جانے کے بعد ابتدائی ہیم ورجا کی حالت سے نکل چکے تھے، اور جن کے پاس ایشیا سے روزانہ امدادی فوجیں آ رہی تھیں، نویں، دسویں اور گیارھویں کو رکو مکمل کر لینے کے لئے ذرا سی مہلت چاہتے تھے۔ خود کامل پاشا کو جنگ کے نتیجے سے بہت کچھ پریشانی تھی۔ ترکی وزراء مختار نے قسطنطنیہ سے لندن روانہ ہونے سے قبل، ان تمام لوگوں کے سامنے، جو سننا چاہتے تھے، صاف طور پر کہہ دیا تھا کہ ترکی اپنے علاقے کی ایک انچ زمین بھی نہیں دے گی۔ جزیرہ نمائے گالی پولی پر محاذ بولیر کے عقب میں اس توقع کے ساتھ فوج قائم کی جا رہی تھی کہ بلغاریہ کی فوج پر پیچھے کی طرف سے حملہ کر دیا جائے اور ادرنہ کی ناکہ بندی کو اٹھا دیا جائے۔

بالآخر بہت کچھ بحث وتمحیص کے بعد ترکوں نے ولایت ادرنہ کی مغربی زمین کی حوالگی کو قبول کر لیا۔ بہ الفاظ دیگر انھوں نے ادرنہ کو اپنے ہی قبضہ میں رکھا اور البانیہ کے اختیارات خود انتظامی کو تسلیم کر لیا۔ جس کے متعلق یہ طے پایا کہ دول اس کی سرحدوں کو مشخص کرے۔ ترکوں نے قندیہ اور دوسرے جزائر کی حوالگی یا ان کے متعلق اپنے حقوق کی دست برداری سے انکار کر دیا لیکن وہ اس امر پر رضامند ہو گئے کہ مسئلہ قندیہ کی ترتیب دول کے ذریعے سے عمل میں آئے۔ یوروپین ڈپلومیسی نے اب یہ خیال کیا کہ مداخلت کا وقت آ گیا ہے۔ ۱۰ جنوری ۱۹۱۳ء کو قسطنطنیہ کے خارجی وفود کے سرداروں نے اس غرض سے ایک جلسہ کیا کہ باب عالی کو یہ مشورہ دینے کے لئے کہ وہ مسئلہ ادرنہ اور جزائر پر اصرار نہ کرے، کس نمونے پر مشترکہ یادداشت مرتب کی جائے۔ اس تصفیئے کے لئے تقریباً آٹھ دن صرف ہوئے اور ۱۷ کو یادداشت بھیج دی گئی۔

اس یادداشت میں یہ تحریر کیا گیا تھا کہ دول باب عالی کی سنجیدہ توجہ ان اہم ذمہ داریوں کی طرف مبذول کرانے کی عزت حاصل کرتے ہیں، جو تسلسلِ جنگ کی مصروفیتوں کی تجدید سے عائد ہوئی ہیں۔ دول نے یہ محسوس کیا ہے

کہ ان زرخیز علاقوں میں، جو باب عالی کے پاس باقی رہ گئے ہیں، صنعتی کاروبار کے آغاز کے لئے یورپ کی مالی امداد ناگزیر ہے۔

لہٰذا ایسی صورت میں اگر باب عالی نے دول کی خواہشات پر لحاظ کرنے سے انکار کر دیا، تو پھر یہ مالی امداد نہیں دی جائے گی۔ حکومت عثمانیہ کو یہ مشورہ دیا گیا کہ وہ اور نہ کو حوالے کر دے اور دول نے یہ وعدہ کیا کہ مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت اور مساجد، مقابر اور مقامات مقدسہ کے احترام کو برقرار رکھنے کے لئے تمام ممکن کوششیں عمل میں لائی جائیں گی۔ آخر میں باب عالی کو تنبیہ کی گئی تھی کہ جنگی مصروفیتوں کی تجدید سے قسطنطنیہ کے لئے خطرہ پیدا ہو جائے گا اور بہت ممکن ہے کہ لڑائی ایشیائے کوچک میں بھی پھیل جائے۔ اس یادداشت کے اختتام پر یہ تحریر کیا گیا تھا اگر ترکی نے ان باتوں کو مان لیا تو اسے صرف روپیہ مل جائے گا۔ غرض یہ ہے کہ دول قحط کے ذریعے سے ترکوں پر قابو حاصل کرنا چاہتے تھے۔

اس واقعے پر کہ کمال پاشا صلح کا طالب تھا کسی کو کچھ شبہہ نہیں تھا۔ اتحاد و ترقی نے اس کو برا بھلا کہنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی تھی۔ ان لوگوں نے رعایا اور فوج میں ایک شدید پروپاگنڈا شروع کر دیا تھا جس کا مقصد یہ تھا کہ آئین اساسی کی رو سے مقبوضات کی تمام حوالگیوں کے متعلق پارلیمنٹ کا ووٹ حاصل کیا جانا چاہئے اور یہ کہ ۱۱ اگست ۱۹۱۳ء کی درخواست کے بعد سے چیمبر کا کوئی اجلاس منعقد نہیں ہوا ہے، اس لئے حکومت آئین اساسی کی مخالفت بغیر اور نہ کی حوالگی پر رضامندی کا اظہار نہیں کر سکتی۔ اس بہانے کی آڑ لیکر کمیٹی کے ارکان نے نہایت بلند آہنگ اعلانات سے کام لے کر خوب خوب حاشیے چڑھائے اور مشہور کر دیا کہ مطلق العنانی اب دوسرا بھیس بدل کر ظاہر ہو رہی ہے۔ کمیٹی نے اس امر کو فراموش کر دیا کہ ترکی کی طرف سے لیبیہ کی حوالگی کا بہانہ کر کے خود ہی نے جنگ کو ختم کر دینے کی غرض سے ایطالیہ کے ساتھ گفت و شنید کی تھی اور یہ کہ اس موقع پر اس نے پارلیمنٹ کو بالکل نظر انداز کر دیا تھا۔ لیکن کامل پاشا نے، جو سیاسیات میں ایک گرگ باراں دیدہ کی حیثیت رکھتا تھا، کچھ ایسی ترکیب سے کام لیا کہ جس سے ایک طرف تو اس کے مخالفوں میں سخت بے چینی پھیل گئی اور دوسری طرف رعایا کو حیرانی اٹھانی پڑی۔ ایک

غیر معمولی دیوان اعظم کے تقرر سے اس کا صرف یہ مطلب تھا کہ شہنشاہیت عثمان کے قدیم طریقے کی تجدید کر دے۔

ابتداءً جب کبھی ایسا موقع پیش آتا تھا کہ سلطنت کے لئے کوئی خطرہ پیدا ہو جائے یا اگر صاف الفاظ میں کوئی کہنا چاہے تو یوں کہہ سکتا ہے کہ کسی لڑائی کے لئے، جس کو سلطان شروع کرنا چاہتا تھا اور جس کے متعلق اس کو بعض خفیہ النفسوں کا گمان ہوتا تھا، جواز کی صورت پیدا ہو جائے تو سیرل میں ایک غیر معمولی دیوان اعظم کا تقرر کر دیا جاتا تھا۔ اس دیوانی عظمیٰ میں یہ تمام لوگ شریک ہوتے تھے:۔ موجودہ اور سابقہ وزراء، ایک خاص درجے کے (جو آج بریگیڈ جنرل تک محدود ہے) تمام موجودہ اور وظیفہ یاب فوجی افسر، تمام موجودہ اور وظیفہ یاب سول عہدہ دار، جن کا ایک خاص کم سے کم درجہ مقرر تھا؛ تمام علما، ملا، حجاج، سردار، ارکان کونسل، نمایندگان شخصیہ؛ مختلف خاندانوں میں بیعت رکھنے والے درویش؛ سوداگر؛ زمیندار؛ مرکاندار؛ نائبین کاشتکاران وغیرہ وغیرہ۔ الغرض اس قدر وسیع دیوانی کے اجزائے ترکیبی یہ لوگ تھے، جن کا اوپر تذکرہ کیا گیا۔ اسی سلسلے میں یہ بیان کر دینا بھی مناسب ہے کسی غیر معمولی دیوان نے حکومت کے فیصلے کے خلاف کبھی کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا۔ آخری دیوان اعظم کا تقرر ۱۸۷۶ء میں عبدالحمید نے کیا تھا، جس نے اس کے سامنے بوسنہ و ہرسک، مقدونیہ، اور بلغاریہ کے، بہ نگرانی یورپ، اختیارات خود انتظامی کے متعلق قسطنطنیہ کانفرنس کے فیصلے پیش کئے تھے۔ دیوان نے اس موقع پر شرائط پیش کردہ کو ناقابل قبول قرار دیا تھا اور یہ ظاہر کیا تھا کہ جنگ زیادہ مناسب ہوگی۔

کائل کا یہ خیال تھا کہ دیوان بھی اسی رائے کا اظہار کرے گا، جو خود اس کی رائے تھی اور یہی عام طور پر بھی خیال کیا جاتا تھا۔ لیکن عین اس وقت جب کہ ہر شخص کو صلح کا یقین تھا اور مدبرین مسئلہ اور نہ اور جزائر آبجین کے متعلق حکومت عثمانیہ کا سر تسلیم خم کرا دینے پر ایک دوسرے کو مبارکباد دے رہے تھے، ایک بغاوت نے، جو انجمن اتحاد و ترقی کی ترتیب دی ہوئی تھی اور جس میں

وزیر حربیہ، ناظم پاشا کو بھینٹ چڑھا دیا گیا تھا، کامل پاشا کو مستعفی ہو جانے پر مجبور کر دیا اور عنانِ حکومت محمود شوکت پاشا کے ہاتھوں میں دیدی ساتھ ہی ساتھ حکومت کی صلح پسند پالیسی کو 'مرتے دم تک لڑائی' کی پالیسی سے بدل دیا۔

وزارت کی یہ صورت حال جس پر واقعات کا بغور مطالعہ کرنے والوں کو کچھ بھی تعجب نہیں ہوا، اور جو رعایا کی نفرت و حقارت کے بار سے دب کر ٹوٹ گئی۔ پے در پے علیلیوں اور رذیلیوں کا نتیجہ تھی، جن سے اس کا کوئی فعل خالی نہیں تھا اور جو اس کو صلح اور جنگ کی حامی جماعتوں کے بیچ میں نچا رہی تھیں۔ وزارت میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ صداقت سے کام لے۔ جس طرح وہ تمام دنیا سے جھوٹ بول رہی تھی بالکل اسی طرح خود اپنے مقابلے میں بھی کذب و افترا سے کام لے رہی تھی۔

۱۹ جنوری کو اتوار کے دن حکومت نے یہ اعلان کیا کہ دول کی یادداشت کا جواب دینے سے پہلے وہ ایک غیر معمولی دیوانِ اعظم کو مدعو کرے گی۔ سر جی لوتھر اور ام ڈی گرز (Lowther & Giers) کے تخویف آمیز احتجاجات کے باوجود جنھوں نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ دول کا تصفیہ ناقابلِ انفساخ ہے، سہ شنبے کے دن، ۲۱ تاریخ کو قصر دولمہ باغچہ میں دیوانِ اعظم کا اجلاس ہوا۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ محض ایک بے حس و حرکت دیوان تھا۔ یہ مجلس، جس کو 'قومی مجلس' کہنے سے لوگوں کو خوشی ہوتی تھی، نہایت سادہ صورت میں تبدیل ہو گئی تھی اور صرف ان عہدہ داروں پر مشتمل تھی جو حکومت کے بہی خواہ تھے۔ ان میں سے ہر شخص کا کام پہلے ہی سے مشخص کر دیا گیا تھا اور ان کو ان تمام باتوں سے قبل از قبل اتفاق تھا، جن کو وزیر اعظم آخر ہی تصفیے کے لئے ان کی فراست و کیاست کے سامنے پیش کر کے اپنے انکسار و خلق کا ثبوت دینے والا تھا۔ حکومت نے صرف ان لوگوں کو طلب کیا تھا۔

سینیٹرس؛ شیخ الاسلام کے پانچ عہدہ دار؛ دو عالم؛ مارشل ابراہیم پاشا، عزت پاشا؛ ڈویژنل جنرل؛ سردار جنرل اسٹاف؛ جنرل عبد اللہ پاشا، تراس کی فوج کا سابق سپہ سالار؛ وزارت حربیہ کے سات ڈویژنل چیفس؛ عدالت العالیہ (Court of cassation) کے تین اراکین؛ کونسل آف اسٹیٹ کے تین رکن؛ تین امارت بحر کے عہدہ دار: حاکم شہر (سٹی پری فکٹ)؛ ناظم مجلس پیمائش،

صدر ناظم محاصل بالواسطہ، سابق وزیر اعظم حقی پاشا؛ اور شہاب الدین بے
ان لوگوں میں حسب ذیل تین شہزادوں کا نام نہیں لیا گیا ہے: یوسف عزالدین
ولیعہد سلطنت؛ ان کے بھائی مجید؛ اور وحیدالدین آفندی، سلطان کے چھوٹے
بھائی، جن کا بہ لحاظ سلسلہ جانشینی یوسف عزالدین کے بعد نمبر تھا،
اس لحاظ سے اس دیوان سے حسب ذیل تمام ایسے لوگ خارج تھے جن کو
اس میں حصہ لینے کے روایتی حقوق حاصل تھے:۔ علاوہ ان لوگوں کے جن کا سینیٹ
سے تعلق تھا، تمام سابق وزراء؛ تمام موجودہ یا وظیفہ یاب ایسے عہدہ دار،
جو وزیر یا مشیر کا مرتبہ رکھتے تھے؛ علماء؛ حجاج؛ مجسٹریٹ؛ عام عہدہ داروں
کی ایک کثیر تعداد؛ کارپوریشنوں کے تمام نمایندے اور نائب؛ زمیندار؛ مکاندار،
نمایندگان کاشتکاران؛ غرض یہ ہے کہ وہ تمام لوگ، جن کی شرکت سے اس
مجلس کو ایک قومی حیثیت حاصل ہو سکتی تھی۔ اکثر اراکین سینیٹ نے دیوان کی شرکت
سے انکار کر دیا۔ ان لوگوں میں سابق وزیر حربیہ، محمود شفقت؛ سابق شیخ الاسلام
موسیٰ کاظم؛ سابق وزیر مالیہ، نائل بے بھی شامل تھے۔ سابق وزیر اعظم،
حقی پاشا بھی علی ہذا اس میں شریک نہیں ہوا؛

دیوان کا ہر ایک کام بحسن و خوبی انجام پایا۔ ہر شخص نے اپنا کام قابل تحسین
طریقے پر انجام دیا۔ وزیر حربیہ، ناظم پاشا نے جنگ کے مختلف پہلوؤں پر بالتفصیل
بحث کی۔ یا یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے ایسا کیا ——— چونکہ یہ ایک خفیہ جلسہ
تھا اس لئے صحیح واقعات معلوم کرنا آسان نہیں تھا اور چونکہ اس کا اختتام اچھا
نہیں ہوا اس لئے کسی نے اس کے متعلق گفتگو کرنے کا بھی خیال نہیں کیا۔ ناظم
نے اپنے سامعین کو یہ یقین دلایا کہ فوجی تنظیم بہمہ وجوہ مکمل اور فوجوں کی اخلاقی حالت
نہایت عمدہ تھی۔ وزیر مالیہ، عبدالرحمٰن نے سلطنت کی مالی حالت کی تعریف کی۔
وزیر خارجہ، ناروگیان نے ترکی کے مقابلے میں دول کے رویے پر تقریر کی کل آٹھ
مقررین نے اس موقع پر تقریریں کیں اور صرف ایک شخص، اسماعیل حقی بے
عدالت عالیہ کے پروکیوریور جنرل نے جنگ کی تجدید پر زور دیا۔ دوسرے مقررین،
خواجہ مصطفےٰ آصف آفندی، سابق نائب قسطنطنیہ؛ مارشل فواد پاشا، ناظم پایش

محمد اسعد آفندی؛ رشاد اشفاق پاشا؛ (Logothchi Bey) داماد فرید پاشا؛ اور سابق وزیر اعظم، سعید پاشا، نے، جو سب کے سب سینیٹ کے رکن تھے، دول کی یاد داشت کو تسلیم کر لینے اور صلح کی حمایت میں تقریریں کیں۔ اس پر دیوان تین مخالفتوں کے ساتھ بالاتفاق فیصلہ کر دیا۔

حکومت اپنی اس خیالی کامیابی پر اپنے کو مبارکباد دے رہی تھی۔ اس کو اس امر کا احساس نہیں تھا کہ اس نے اپنے اس بے حس و حرکت دیوان غیر معمولی کے ذریعے سے (جس کو اور بھی مضحکہ خیز بنانے کے لئے، اس کے عہدہ دار اس کو نہایت شان کے ساتھ "مجلس قومی" کے نام سے پکارتے تھے) اپنے مخالفوں کے لئے خود ہی اسلحہ فراہم کر دئے ہیں۔ سفراء اس امر پر خوشیاں منا رہے تھے کہ نبرد آزما طاقتوں کے مابین تجدید جنگ کے خاردار مسئلے کا تصفیہ ہو گیا ہے۔ ایک طرف تو یہ سب کچھ ہو رہا تھا اور دوسری طرف جنگ کی حامی جماعتیں حکومت کو زیر و زبر کر دینے کے لئے نہایت چستی کے ساتھ مصروف عمل تھیں۔ حکومت نے اپنی مدافعت یا کم سے کم حفظ ماتقدم کے لئے بھی کوئی تدبیر اختیار نہیں کی حالانکہ اس کو اتحادیین کی ریشہ دوانیوں کا یقینی طور پر علم ہوگا بالخصوص اس لئے کہ چھ جریدے کھلے بندوں اس پر لعنت ملامت کر رہے تھے۔ طلعت بے، اتحادیین کے اس تنہا سردار نے، جو حاجی عادل بے اور خلیل بے کے ساتھ اس وقت جب کہ دوسرے تمام اشخاص یورپ کو فرار ہو گئے تھے، اس پروپاگنڈا کو نہایت ہی دلیری اور مردانگی کے ساتھ جاری رکھا۔ استنبول میں اس قسم کے اشتہاروں کی ایک ریل پیل مچی ہوئی تھی جن میں تمام نیک مسلمانوں کو غیر ملکیوں کے خلاف ہتھیار سنبھال لینے کی دعوت اور اس حکومت کو، جس نے اپنے فرض کو بھلا دیا تھا، تہہ و بالا کر دینے کی قسم دی گئی تھی۔

عین اس وقت جب کہ دیوان، قصر دولمہ باغچہ میں مصروف مکالمت تھا، انجمن اتحاد و ترقی کا سان استفانو میں ایک خفیہ جلسہ ہو رہا تھا، جس میں اس نے یہ فیصلہ کیا کہ باب عالی کے خلاف ایک کامیاب ضرب لگانے کی کوشش کی جائے۔

جمعرات کے دن ۲۳ جنوری کو اس وقت جب کہ سفراء نہایت اطمینان کے ساتھ اپنی یاد داشت کے جواب کا انتظار کر رہے تھے، اس جواب کا جس پر

مجلسِ وزراء میں آخری مرتبہ نظرِ ثانی کی جا رہی تھی، کہ استنبول میں ایک انبوہ کثیر جمع ہو گیا۔ مقررین دیوان پر لعنت ملامت کرنے لگے، جس نے صلح کے حق میں فیصلہ کیا تھا۔ یہ مظاہرے ہونے لگے کہ ایک ایسی مجلس کو، جو اس قسم کے لوگوں پر مشتمل تھی، کسی قسم کا کوئی اقتدار حاصل نہیں تھا اور یہ کہ اس کے ارکین صرف ایسے باغی ہی ہو سکتے تھے، جنھوں نے اپنے ملک کو فروخت کر دیا ہے۔ ساڑھے تین بجے کے قریب، ان مجمعوں نے، جن سے پولیس نے کوئی پرخاش نہیں کی تھی۔ ایک فوجی دستے کی صورت اختیار کر لی، جس میں مشکل سے سَو آدمی ہوں گے۔ ان میں زیادہ تر سب آسٹرن افسر اور کچھ انجمن اتحاد و ترقی کے (softas) نوجے اور سویلین ممبر تھے۔ طلعت بے کے زیرِ قیادت یہ لوگ سبلائم پورٹی کے کُنجوں میں باب عالی کی طرف بڑھنے کے لئے داخل ہو گئے۔ یہ لوگ پولیس کی طرف سے معمولی سی بھی مزاحمت کے پیش آئے بغیر اپنی منزل مقصود تک تقریباً آ ہی پہنچے تھے کہ لفٹننٹ کرنل انور بے گھوڑے پر بیٹھے ہوئے سرکاری بیان کے مطابق اتفاقاً ادھر آنکلے۔ انور بے ۱۹۰۸ء کے انقلاب کے ایک بانی تھے، وہ علمبردارِ حریت تھے، جیسا کہ ان کے دوست ان کو کہتے تھے۔ وہ ابھی ابھی طرابلس سے واپس آئے تھے، جہاں وہ سائی رینیشیا میں ایطالیوں کے خلاف فوج کی کمان کر رہے تھے۔ مظاہرہ کنندگان نے "خدا جنگ کو عرصے تک قائم رکھے" "خدا اتحاد اور ترقی کو ہمیشہ باقی رکھے" ، "ہم ادرنہ سے دست بردار نہیں ہوں گے" اور "مارو باغیوں کو" کے نعرے لگا کر انور بے کو گھیر لیا، ان کے کارہائے نمایاں کی تعریف اور توصیف اور ان سے التجا کی کہ وہ ان کی سرداری کریں انور بے نے ان کی درخواست کو فوراً منظور کر لیا۔ مجمع نے باب عالی میں داخل ہو جانا چاہا لیکن کپتان نفیس بے کامل پاشا کے ایڈی کانگ ان کے راستے میں حائل ہو گئے اور گارڈ کو ان پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ سپاہیوں نے اپنے آتش بار ہتھیاروں سے کام لینے سے انکار کر دیا۔ نفیس بے نے خود ریوالور لے لیا اور ابھی چند ہی فیر کئے تھے کہ ریکس منتشر ہو گئیں اور ان کا افسر مہلک زخم کھا کر زمین پر گر پڑا۔ مظاہرہ کنندگان نے باب عالی پر حملہ کر دیا اور ایک ناقابل بیان خوف و ہراس ہر طرف پھیل گیا۔ تمام ملازمین اور افسر ٹوپیاں اور کوٹ چھوڑ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ انور بے اور طلعت بے سیدھے اس کمرے کی طرف

بڑھے ۔ جہاں مجلسِ وزراء کا اجلاس ہو رہا تھا ۔ عین اسی وقت وزیر حربیہ، ناظم پاشا اور ایک افسر توپخانہ، توفیق بے قبرسلی (Kibrisli) نے کونسل کے کمرے کا دروازہ یہ معلوم کرنے کے لئے کہ یہ فیر کیسے ہو رہے ہیں اور گارڈ کو طلب کرنے کے لئے کھولا ۔ فوراً ہی حملہ آوروں کے مجمع سے فیر کی آوازیں آئیں اور ناظم پاشا اور توفیق بے شدید زخم کھا کر گر پڑے ۔

اس واقعے کے متعلق بہت سی باتیں بیان کی گئی تھیں ۔ سب سے پہلی تعبیر میں، جو اتحادیین کے جرائد میں شائع ہوئی، یہ بیان کیا گیا تھا کہ ناظم پاشا کی موت محض ایک حادثہ تھا اس لئے کہ وہ اپنے افسر توپخانہ کے پیچھے ہونے کی وجہ سے نظر نہیں آئے ۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ لوگ ایک وزیر سے زیادہ اس کے خون کے کس لئے خواہاں تھے ؟ ایک دوسری تعبیر میں، جو پہلی کی طرح اتحادی تھی، یہ بیان کیا گیا تھا کہ توفیق بے نے انور بے پر فیر کر کے ایک ہنگامہ برپا کر دیا اور اس ہنگامے کے دوران میں ایک گولی ناظم پاشا کے بھی لگ گئی اگرچہ ان کو نشانہ نہیں بنایا گیا تھا ۔ دوسرے لوگوں کا بیان ہے کہ ناظم پاشا کو جس سے اتحادیین کو خوف تھا اور جس کے فوج میں اثر پیدا کر لینے کا خطرہ تھا، خود انور بے نے قتل کیا ۔ انور بے، جو اب انور پاشا ہیں ناظم پاشا پر فیر کرنے سے انکار کرتے ہیں ۔

کونسل کے کمرے میں داخل ہو کر طلعت بے اور انور بے نے، جن کے ہاتھوں میں ریوالور تھے، بوڑھے کامل سے استعفا پیش کر دینے کا مطالبہ کیا ۔ وزیر اعظم نے وہ خط لکھا، جو اس سے لکھوایا گیا تھا، اور پھر اس پر دل کا دورہ پڑا، جو ایک گھنٹے تک رہا ۔ انور بے استعفا لے کر فوراً ایک موٹر کار میں بیٹھکر قصر شاہی اس لئے روانہ ہو گئے کہ سلطان سے ایک اتحادی کابینہ کی تشکیل کو منظور کرالیں ۔ ان کے غیاب میں مجمع میں دس گنا اضافہ ہو گیا اور ہر طرف سے اہم اتحادیین نے "کامل پاشا کی بغاوت عظمیٰ" کے متعلق وعظ کہنے شروع کر دئے اور جنگ کے جاری رکھنے پر اصرار کیا ۔ آخر میں انور بے واپس آئے اور یہ اعلان کیا کہ سلطان نے کامل پاشا کا استعفا منظور کر لیا ہے اور یہ کہ محمود شوکت پاشا کو، جو اس موقع پر مارشل بنا دئے گئے تھے، یہ حکم دیا گیا ہے

کہ وہ ایک جدید کابینہ کی تشکیل عمل میں لائیں۔ انور بے کو سلطان پر یہ ظاہر کر کے کہ اگر اس نے کامل کی تائید پر اصرار کیا اور صلح کر لی تو اس کے تخت و تاج کے لئے خطرہ ہے، اس سے ان چیزوں کا منظور کرانے میں ایک حد تک جبر سے کام لینا پڑا تھا۔ ساڑھے آٹھ بجے محمود شوکت سلطان کے معتمد اوّل کے ساتھ باب عالی کو آئے اور معتمد نے فرمان شاہی کو پڑھ کر سنایا، جس میں مارشل کو وزیر اعظم نامزد کیا گیا تھا۔

محمود شوکت پاشا کی وزارت عظمیٰ۔ جنگی مصروفیتوں کا اعادہ۔ صلح کی گفت و شنید۔ ۳۱ مارچ کی دول کی یادداشت۔ مبادیات صلح بمقام لندن، ۲۰ مئی۔ جماعت مخالف اور کمیٹی۔

محمود شوکت پاشا کا قتل

۳۰ جنوری کو حکومت عثمانیہ نے دول کی یادداشت کی حجت پیش کر کے جواب دیا۔ لیکن ۲۸ ہی کو متحدین کے نمایندگان نے، جو لندن میں مقیم تھے، باب عالی کے جواب کے انتظار سے عاجز آ کر گفت و شنید کے منقطع ہو جانے کا اعلان کر دیا تھا اور ۲۹ کو بلغاریوں النوائے جنگ کو منسوخ کر دینے کا تصفیہ کر لیا تھا۔ ترکی یادداشت نہایت ہی عجیب و غریب تھی، نہ صرف اس تجویز کی بناء پر جو اس نے اور نہ کو دو حصوں میں منقسم کر دینے کے متعلق کی تھی اور جس میں دول کو وہ تمام رقبہ عطا کر دینے کی، جو مریزہ کے سیدھے کنارے پر ہے یعنی قرہ غاچ کا صرف یورپین نواح اور ترکی کے پاس اس تمام رقبے کے باقی رہنے کی تحریک کی تھی، جو الٹے کنارے پر ہے اور جو خاص شہر ہے؛ اور نہ صرف اس لئے کہ ترکی نے جزائر ایجین کا اس حیثیت سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ دارد انال اور قسطنطنیہ کی حفاظت کے لئے ناگزیر ہیں؛ بلکہ اس وجہ سے یہ یادداشت عجیب و غریب تھی کہ اس میں یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ ان وعدوں کی ایفا کے بدلے میں، جو ۱۷ جنوری کے مشترکہ نوٹ میں کئے گئے تھے یورپ کو چاہئے کہ وہ ترکی حکومت کو معاوضہ ادا کرے۔ اس نوٹ میں حکومت عثمانیہ کو ان تمام خطرات

سے آگاہ کر کے جو یورپ کے مشوروں پر کاربند نہ ہونے کی صورت پیدا ہونے والے تھے، یہ بیان کیا گیا تھا کہ :- "بہر صورت امپیریل آٹومان گورنمنٹ کو جنگ کے ختم ہو جانے کے بعد اس غرض سے یورپ کی دول عظمیٰ کی اخلاقی اور مادی امداد کی ضرورت ہوگی کہ وہ جنگ کے مصائب کی تلافی کرے ؛ قسطنطنیہ میں اپنی صورت حال کو مجتمع اور مستحکم کرے ؛ اور ان وسیع ایشیائی علاقوں میں صنعتی کاروبار شروع کرے، جن کی زرخیزی سلطنت کی نہایت ہی موثر طاقت کا کام دے گی۔ اس ضروری کام کو شروع اور بوجوہ احسن انجام تک پہنچانے کے لئے ہز امپیریل میجسٹی سلطان کی حکومت اس وقت دول کی فیاضانہ امداد پر اعتماد نہیں کر سکے گی، جب تک کہ وہ ان کے مشورے پر کاربند نہ ہو، جو یورپ اور ترکی کے عام مفادات پر مبنی ہے"۔

یہی وہ بنا تھی، جس پر ترکوں نے، جنھوں نے اس قدر سستی کے ساتھ دول کی یاد داشت کا جواب دیا تھا، یورپ کے مقابلے میں اپنی شرائط کو مبنی کیا تھا۔ انھوں نے یہ مطالبہ کیا تھا کہ ترکی میں یورپین حقوق کو مٹا دیا جائے گا اور وہ باب عالی کی صوابدید پر منحصر ہوں گے :-

یادداشت میں تحریر کیا گیا تھا کہ :- "یہ بالکل ضروری ہے کہ دول اب اور آئندہ ترکی کے اس حق کو تسلیم کر لیں کہ وہ آزادی کے ساتھ محاصل سائرات کی ایک خود مختار شرح مقرر کر سکتے ہیں ؛ یہ کہ ترکی کو اس امر کے متعلق پوری آزادی حاصل ہے کہ وہ جدید قانون کی بنا پر تجارتی معاہدات مرتب اور مالی قوانین کو، جن کی عثمانی رعایا پابندی کرتی ہے اور کرے گی، اپنی رعایا پر جس طرح چاہے نافذ کرے اور یہ کہ محاصل سائرات میں چار فی صدی اضافے کو ترکی حکومت منظور کر لے گی، دولت علیہ یقین کرتی ہے کہ ترکی میں، جو خارجی ڈاک خانے ہیں ان کا ان شرائط پر جو بہ لحاظ کفالت ہائے عجلت اور ضمانت، جو ڈاک خانوں کے نقطۂ نظر سے ضروری ہے، جو آسانی کے ساتھ طے کئے جا سکیں گے، برخاست کیا جانا ناگزیر ہے۔ دولت علیہ یاد دلاتی ہے کہ دول کی طرف سے سلطنت عثمانیہ میں سیاسی مراعات کے سلسلے کو منقطع کر دینے اور صلح کے طے ہو جانے کے بعد اس قسم کی گفت و شنید کے آغاز کا اعلان کر دینے سے کہ جس کی بنا پر وہ اس مقصد کو حاصل کرانے کے لئے مشترکہ طور پر

غور و خوض کر سکیں، محولۂ بالا معاشی امور کے ساتھ مل کر ایسی تدابیر صورت پذیر ہو جائیں گی، جن سے ان وعدوں کے ایفا میں، جو دول نے مذکورۂ بالا یادداشت میں کئے ہیں بہت کچھ مدد ملے گی۔"

معینہ تاریخ اور وقت پر بلغاریوں نے ادرنہ پر گولہ باری اور بولیر پر حملہ کر کے جنگی مصروفیتوں کو دوبارہ شروع کر دیا۔ بلغاری اس حملے کے ساتھ ہی ساتھ چتلجہ کے باہر اپنی مدافعت بھی کرتے رہے۔ عثمانی فتوحات کے متعلق سرکاری اخبارات خاموش نہیں رہے۔ چنانچہ "آٹومان ایجنسی" نے حسب ذیل مراسلت شائع کی:۔

"۴ فروری کو دشمن نے، جس کی فوج کا ایک حصہ گالی پولی کے نواح میں مجتمع تھا، اپنی ایک رجمنٹ کو قاضی خانی سے کفاک کی طرف روانہ کیا، جہاں ہمارا ایک ڈیٹا چمنٹ موجود تھا۔ ایک لڑائی واقع ہوئی، جو رات تک جاری رہی۔ اس لڑائی میں ہم فائدے میں رہے۔ رات ہو جانے پر پہلے ہی سے انتظامات کے مطابق ہماری فوج بولیر کی طرف پسپا ہو گئی اور دشمن اس کا تعاقب نہ کر سکا"۔

جب کبھی عثمانی فوجوں کو کسی قسم کی ممنوعات پیش آتی تھیں تو ترکی مراسلوں میں بالعموم اسی قسم کا طرز کلام اختیار کیا جاتا تھا۔ دوسرے دن ۵ تاریخ کو یہ مزاحمت شکست سے بدل گئی۔ یہی وہ واقعہ تھا، جس نے لڑائی کو روک دینے کے متعلق شوکت پاشا اور جنرل سیفاف میں جو گفت و شنید شروع ہو چکی، اس کو تکمیل تک نہیں پہنچنے دیا۔ چار خانی پر جو بار کو خشکی پر اترنے کی کوشش کی گئی تھی، وہ بھی ناکام رہی اور ترکوں نے بولیر پر کامل شکست اٹھائی۔

محمود شوکت اس واقعے سے باخبر تھا کہ لڑائی کا طول سلطنت کی صورت حال کو روز بروز نازک تر بنا رہا ہے۔ ایک جریدہ الوظیف نے (Vazife) جو اس کا طرفدار تھا ایک افتتاحیہ حوالہ قلم کیا، جس میں وزیر اعظم، "۲۳ جولائی ۱۹۰۸ء کا زبردست عنصر؛ ۱۳ اپریل ۱۹۰۹ء کا ہیرو؛ فوج کا منظم اعظم؛" کی، "جو اپنے ملک کی نجات صرف تکمیل صلح پر منحصر سمجھتا ہے" مدح سرائی کر کے، تحریر کیا تھا کہ:۔

"حکومت حقیقی، سابقہ حکومت کی طرح صلح کے لئے کام کرتی ہے۔ اپنے کو جنگ کا طرفدار ظاہر کرتا اور گلی کوچوں میں "مارو فلاں شخص کو" اس سے

کوئی سمجھتا نہیں کہ وہ کون ہے)" کے نعرے لگانا دراصل خود قوم کے وجود کے ساتھ بازی کرنا ہے۔ اس وقت، جب کہ قوم کے قلب سے اس قدر کثرت کے ساتھ خون بہہ رہا ہے مناسب یہ ہے کہ تباہی کی طرف بڑھنے کے بجائے نقصانات کی تلافی کی تدبیریں سوچی جائیں۔ اگر ایسا نہیں کیا گیا تو اس امر کا امکان ہے کہ تباہی پر تباہی آئے گی اور یہ کہ اگر قوم نے غصے سے کام لیا تو صلح قطعی ناممکن ہو جائے گی اور یہ ملک اور حکومت کے لئے ایک نہایت اہم خطرہ ہوگا۔"

حکومت شرائط پر بحث کرنا چاہتی تھی، چنانچہ اس نے حقی پاشا کو اس غرض سے لندن بھیجا کہ ۵، جنوری کی مشترکہ یادداشت کو پیش نظر رکھ کر گفت و شنید کا آغاز کرے۔

لیکن اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ وقت نکل گیا تھا۔ بلقان کے لئے تاوان جنگ کے نظریئے کو مجلس سفراء نے منظور کر لیا تھا۔ باب عالی نے جاوید بے کو لندن اور پیرس گفت و شنید کرنے کے لئے روانہ کیا عثمانی قرضے کا کس قدر حصہ ہر اتحادی اپنے ذمے لے گا۔ ۲۶ مارچ کو ایک ایسی مدافعت کے بعد، جس نے مدافعت کرنے والے، جنرل[1] شکری پاشا کے نام کو ہمیشہ کے لئے زندہ کر دیا، ادرنہ کی فتح نے (جنینہ نے ۵ کو یونانیوں کی طاعت قبول کر لی تھی) قسطنطنیہ کے حامیان صلح کی تائید کے لئے ایک اور دلیل پیدا کر دی۔ تاہم کمیٹی پہلے سے بھی زیادہ تا دم مرگ لڑائی کے اصول پر جمی رہی اور اس کے جرائد پبلک کو بھی اس امر کا اطمینان دلانے سے باز نہیں آئے کہ عثمانی فوج بلغاریہ والوں کو پیس ڈالنے والی ہے۔ سقوطرہ کے متعلق، جس کو وہ مانٹی نیگرو کے قبضے میں نہیں جانے دینا چاہتی تھی، آسٹریا کی مداخلت سے کمیٹی کے دل میں یہ غلط امید بھی پیدا ہو گئی کہ آسٹریا سربیہ اور مانٹی نیگرو کے خلاف عمل پیرا ہوگا۔

بہر حال ۳۱ مارچ کو قسطنطنیہ کے متعینہ سفیروں نے باب عالی کو ایک مشترکہ یادداشت روانہ کی، جس میں ترکی اور بلغاریہ کی سرحد میڈیہ سے بخط مستقیم اینوز تک

---

[1] ۔ محمود مختار؛ جاوید پاشا اور عزت فواد کی طرح شکری پاشا بھی وہ شخص ہے جس نے عثمانی اسلحہ کی لاج رکھ لی۔ یہ اسی کا طفیل ہے کہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس المناک لڑائی میں ترکی فوج کو ایک عظیم الشان فتح حاصل ہوئی تھی۔ اس عظیم الشان فتح کے صلے میں ۲ جنوری ۱۹۱۴ء کو اسے وظیفہ (پنشن) دے دیا گیا۔"

معین کی گئی تھی اور تاوانِ جنگ کے متعلق متحدین کے مطالبات کو مسترد کیا گیا تھا مگر اسی کے ساتھ یہ امر بھی واضح کر دیا گیا تھا کہ وہ عثمانی قرضہ عامہ میں سے جو ان پر واجب الادا تھے، حصہ لے سکیں گے۔ یکم اپریل کو بابِ عالی نے جواب دیا کہ اس کو دول کے فیصلے سے کامل اتفاق ہے۔ متحدین نے، جن کے پاس بھی دول نے یہ یادداشت روانہ کی تھی، فوراً ہی جواب نہیں دیا۔ وہ شقودرہ کی فتح کا انتظار کرتے رہے۔ جنگی مصروفیتیں جاری رہیں لیکن دونوں طرف سے کسی قسم کے جوش و خروش سے کام نہیں لیا جاتا تھا۔ چتلجہ پر روز گولہ باری کی جاتی تھی لیکن جنگ معمولی معمولی حملوں تک محدود تھی۔ انتہا پسند جرائد کی ترغیب و تحریص کے باوجود واقعہ یہ ہے کہ کوئی فریق لڑنا نہیں چاہتا تھا۔ ۱۲ اور ۱۳ اپریل کو چتلجہ پر شدید گولہ باریاں واقع ہوئیں، جن کو بعض لوگوں نے ”خونخوار لڑائیوں“ سے تعبیر کیا۔ ۱۴ اور ۱۶ کو مقتولین اور مجروحین کو منتقل کرنے کے لئے لڑائی ملتوی ہو گئی۔ فرانسیسی سفیر سے التجا کی گئی کہ وہ صوفیہ میں جنگ کے اس انقطاع کو التوائے جنگ سے تبدیل کرا دینے میں واسطے کا کام دے تاکہ شرائطِ صلح پر غور کرنے کی مہلت مل جائے۔ ۱۷ اپریل کو ذیل کی شرائط پر التوائے جنگ کی تکمیل ہو گئی:-

(۱) چتلجہ اور بولایر کی جنگی مصروفیتیں ۲۳ اپریل تک روکی جاتی ہیں۔

(۲) اگر اس مدت میں صلح کی گفت و شنید ختم نہیں ہوئی تو بتراضی طرفین التوائے جنگ میں توسیع کی جا سکتی ہے۔

(۳) فریقین کا مقرر کردہ ایک کمیشن دونوں فوجوں کے بیچ میں ایک غیر جانبدار منطقے کی حد بندی کرے گا۔

(۴) اعادۂ جنگ کی صورت میں فریقین اڑتالیس گھنٹے کا نوٹس دیں گے۔ یہ تاخیر اسی دن شام کے آٹھ بجے شروع ہو گی جس دن کہ نوٹس دیا جائے گا۔

(۵) التوائے جنگ کے اثنا میں عثمانی بیڑہ خلیج سارس اور بحر اسود کے بیچ میں بلغاری فوج کی بصورتِ خوراک و بصورتِ سامانِ جنگ رسد رسانی میں مزاحمت نہیں کرے گا۔“

التوائے جنگ میں توسیع ہو گئی اور آخری تصفیے کا اعلان لندن کانفرنس پر

چھوڑ دیا گیا۔ ۲۰ مئی کو اس کانفرنس نے صلح کے جو مبادیات قائم کئے وہ یہ تھے:-

خط اینباز و میڈیہ کے تمام مغربی ترکی علاقوں کی حوالگی؛ البانیہ کی حدود اور مسئلہ کا تصفیہ؛ جزائر ایجین کی حکومت کے تعلقات اور اس کا ایک خاص طرز۔

خط اینباز و میڈیہ کو مستقیم ہونا چاہئے تھا لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ یہ خط ویسا ہی مستقیم ہونا چاہئے تھا جیسا کہ اقلیدس کا خط ہوتا ہے۔ نقشہ پر جو نیلی اور سرخ لکیر ہوتی ہے، جس میں پہاڑوں، وادیوں اور دریاؤں کا کچھ لحاظ نہیں کیا جاتا اس میں اور ایک علمی تشخص سرحدات میں ہیئت طباعت پر لحاظ کرتے ہوئے بڑا فرق ہوتا ہے۔ یہ دونوں دو قطعی مختلف چیزیں ہیں۔ وزراء مختار کے مرتب کئے ہوئے نقشے کو ایک مشترکہ کمیشن کی بر سر موقع نظر ثانی کے لئے پیش کیا جانا لازمی تھا۔ یہ نظر ثانی شروع بھی ہو چکی تھی اس لئے کہ ۹ مئی کو اسٹاف افسروں کا ایک کمیشن بلغاری کیمپ کو روانہ ہو چکا تھا اور اس سے مقصد یہ تھا کہ بلغاریہ کے جنرل اسٹاف کے اتحادِ عمل سے ایک مشروط سرحدی خط معین کیا جائے۔ جس طرح کہ معاشی اور مالی مسائل پیرس کانفرنس کے لئے محفوظ کر دئے گئے تھے بالکل اسی طرح البانیہ اور جزائر ایجین کا مسئلہ کانفرنس سفراء کا اختیاری ہو گیا تھا۔ البانیہ کے ساتھ ترکی کو چند باقی نقطۂ نظر سے علاوہ اور کوئی دلچسپی باقی نہیں رہی تھی[1]۔ ترکی کو اس سے کوئی بحث نہیں تھی کہ البانیہ کا تاج کس کے سر پر رکھا جاتا ہے۔ ترکی کو اس سے کوئی تعلق باقی نہیں رہا تھا کہ آیا البانیہ جدید میں سقودرہ، آرگی رو کاسٹرو اور دوسرے وہ مقامات بھی جن سے کا

---

[1] بہرحال نوجوان ترکوں کی حکومت نے جنوری ۱۹۱۴ء میں یہ کوشش کی تھی کہ البانیہ میں ترکی تسلط کی موافقت میں بغاوت برپا ہو جائے۔ یہ کوشش جس کا نہایت ناقص طریقے پر آغاز کیا گیا تھا، بالکل ناکام رہی اور البانیوں نے جن کی خود مختاری کا یورپ نے نہایت سنجیدگی کے ساتھ اعلان کر دیا تھا، ترکوں کی موافقت نہیں کی۔ جن ترکی افسروں کو اس مہم میں شریک کر لیا گیا تھا، ان کو والونہ (Vallona) کے مقام پر کورٹ مارشل میں ایک سے پندرہ سال تک کی سزا دی گئی یا ان کو ملازمت سے علٰحدہ کر دیا گیا۔ سردار بکیر آغا کو موت کی سزا دی گئی تھی لیکن اس کی سزا کو نافذ نہیں کیا گیا۔

متحدین نے مطالبہ کیا تھا، شامل ہیں۔ ان مسائل پر مبادیات صلح کے دوران میں وہ بحث نہیں کرنے والی تھی۔ یہ متحدین کا کام تھا کہ وہ دول کے ساتھ ان مسائل کا تصفیہ کرلیں۔ اب رہا جزائر کا مسئلہ تو قندیہ یونان کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ دوسرے جزیروں کے متعلق دول تصفیہ کرنے والے تھے، جس پر ترکی کو اتفاق تھا۔ وہ اب بے بس تھی۔

خارجی پیچیدگیاں اس قدر زبردست نہیں تھیں کہ وہ جماعتوں کو غیر مسلح کر دیتیں۔ مخالف اتحادیین، جو کچھ دیر کے لئے ۲۳ جنوری کی اچانک مگر شدید ضرب سے بے حس و حرکت ہو گئے تھے، اب پھر سنبھل گئے تھے اور انھوں نے لڑائی کو دوبارہ شروع کر دیا تھا۔ فضا سازشوں سے بھری ہوئی تھی۔ اپریل میں پولیس نے یہ اعلان کیا کہ انھوں نے ایک زبردست سازش کا سراغ لگایا ہے، جو صباح الدین بے اور فوجی لیگ کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ پولیس نے بہت سی گرفتاریاں بھی کیں مگر ہر چیز کچھ اس قدر پوشیدہ رکھی گئی کہ حقیقت کا دریافت کرنا ناممکن ہے۔ بہرحال سازش قطعی واقع ہوئی تھی، اور اس کا ثبوت ۲۰ جون کی صبح کو محمود شوکت پاشا کے قتل سے مل جاتا ہے۔

"انقلاب بجائے خود ایک زحل ہے، جو اپنے بچوں کو خود ہی کھا جاتا ہے۔"

یہ فقرہ اگرچہ انقلاب فرانس کے متعلق کہا گیا تھا لیکن ترکی انقلاب پر بھی یہ اسی طرح حاوی ہوتا ہے۔ ۲۲ جولائی ۱۹۰۸ء کے بعد سے یہ تیسرا وزیر تھا، جو ایک شدید موت سے مرا تھا۔ یہ تینوں وزیر مارشل رجب پاشا، جس کو یلدیز نے زہر دیا تھا؛ جنرل ناظم پاشا، جس کو اتحادیین نے ۲۳ جنوری ۱۹۱۳ء کو ورالو رسے ہلاک کیا؛ اور مارشل محمود شوکت پاشا؛ جو سٹرک کے ایک موڑ پر اپنی موٹر کار میں ہلاک کر دیا گیا تھا تھے۔ اس آخری جرم کا ارتکاب جماعت "حریت و اتفاق" نے کیا تھا۔ یہ جماعت ایک قسم کا سرنامہ تھی، جس کے تحت جماعت ہائے مخالف، احرار اور ارتجاعی کی، جو عبدالحمید کے پرانے طرفداروں میں تھیں، گروپ بندی کی گئی تھی۔

مارشل، جو اپنا صبح کا وقت روزانہ وزارت حربیہ میں گزارتا تھا، سرِ عسکرات سے صبح کے پونے گیارہ بجے باب عالی کو جانے کے لئے نکلا۔ وہ ایک موٹر میں سوار تھا۔

اس کے ساتھ اس کی اردلی کے دو افسر تھے۔ مگر کوئی بدرقہ نہیں تھا۔ یہ دونوں افسر کپتان اشرف بے اور بحری لفٹنٹ ابراہیم بے تھے۔

قسطنطنیہ میں موٹر کاروں کے رائج ہونے سے پہلے یہ طریقہ تھا کہ وزیر اعظم وزیر حربیہ وزیر بحریہ اور توپ خانے کے افسر اعلےٰ کی گاڑیوں کے ساتھ ساتھ آگے اور پیچھے، رسالے کا ایک دستہ چلا کرتا تھا، جو قرابینوں سے مسلح ہوتا تھا اور اردلی کے افسر دروازوں پر کھڑے ہوتے تھے۔ موٹر کاروں کے رائج ہونے سے بدرقے کا یہ طریقہ اس لئے مسدود ہو گیا کہ موٹروں کو تیز چلاتے وقت ان کے ساتھ ساتھ جانا سخت دشوار تھا بدرقے کے نہ ہونے کی وجہ یہی تھی، جس سے کہ یہ جرم واقع ہوا۔ موٹر سلطان بایزید اسکوئر کے موٹر کو ابین لے روڈ کی طرف جانے کے لئے مڑ چکی تھی کہ راستے میں ایک جنازہ آتا ہوا دکھائی دیا۔ موٹر فوراً رک گئی اور یکایک ہر طرف سے ریوالور کے فیر کئے جانے لگے۔ وزیر اعظم موٹر کے پہیوں پر گر پڑا۔ ایڈیکانگ ابراہیم بے اپنے سردار کو آڑ میں لے لینے کے لئے اٹھا مگر فوراً ہی قتل کر دیا گیا۔ کپتان اشرف بے ریوالور لے کر موٹر کار سے کود پڑا مگر کارتوس نہیں چلا۔ صرف موٹر ڈرائیور قاتلوں کی گولیوں کا جواب دیتا رہا۔ اشرف بے استمداد کے لئے سر عسکرات کی طرف چھپٹا اور قائل، محمود شوکت پاشا کا کام تمام کر کے، ایک سرخ و سیاہ موٹر کار میں، جو سلطان بایزید اسکوئر میں قریب ہی ان کا انتظار کر رہی تھی، بیٹھ کر ایک خطرناک رفتار کے ساتھ فرار ہو گئے۔ محمود شوکت پاشا کو سر عسکرات میں منتقل کر دیا گیا جہاں وہ ایک لفظ بھی زبان سے نکالے بغیر بیس منٹ میں ہلاک ہو گیا۔ اس کے پانچ گولیاں لگی تھیں۔ ایک گولی الٹی کنپٹی میں لگ کر سیدھے کنپٹی سے پار ہو گئی تھی۔ دوسری شانے کی ہڈی سے پار ہو گئی تھی اور بایاں ہاتھ ٹوٹ گیا تھا۔ تیسری گولی نے گردن کے قریب ریڑھ کی ہڈی کو توڑ دیا تھا۔ اور دو گولیاں پشت میں لگی تھیں۔

پولیس کی تحقیقات سے واضح ہوتا ہے کہ حکومت کی بیخ کنی اور اس کے خاص خاص مویدین کے قتل کے لئے ایک سازش کی گئی تھی، جو صباح الدین اور سیفت لطفی بے کی رد کردہ سازش کا نتیجہ بننے والی تھی اور جس میں حسب ذیل لوگوں کو نشانہ بنایا جانے والا تھا:۔ محمود شوکت پاشا، جمال بے، قسطنطنیہ کا فوجی گورنر اور فرسٹ آرمی کور کا کمانڈر، انور بے، دسویں کور کے سردار اسٹاف، جو سان استیفانو

اور بکری خانی پر مقیم تھی اور دارالسلطنت کی ہر اس نقل و حرکت کے مقابلے میں حفاظت کر رہی تھی، جن سے ہدیم خانی کی فوجوں کے، جن کے متعلق یہ یقین نہیں تھا کہ آیا ملٹری لیگ نے ان کو بھی بھڑکانے کی کوشش کی ہے یا نہیں، بغاوت کرنے کا امکان تھا؛ طلعت بے، انجمن اتحاد و ترقی کے جنرل سکریٹری، جو اس تمام منظر کے پسِ پشت تھا اور جو حکومت اور اتحادیت کا اصلی سردار تھا؛ قراسو آفندی (corasso) سابق نائب قسطنطنیہ؛ اور مزلیہ افندی سابق نایب سمرنا۔ یہ تمام لوگ انجمن کے ممبر تھے اور ان پر یہودی ہونے کا الزام لگایا جاتا تھا۔ حکومت کو اس سے آگاہ کیا جا چکا تھا لیکن اس نے کسی حفظ ماتقدم سے کام نہیں لیا اور صرف اسی پر اکتفا کیا کہ وزارتوں اور بابِ عالی کے محافظ دستوں میں اضافہ کر دیا تاکہ ۲۳ جنوری کی طرح پھر کوئی دوسرا واقعہ پیش نہ آنے پائے۔ یہ نہایت ہی عجیب بھولاپن تھا کہ حکومت کو برسرِ راہ اس قسم کے حادثے کے پیش آنے کا خیال نہیں آیا۔ خود محمود شوکت نے یہ سننے کے بعد کہ اس کی جان خطرے میں ہے صرف اپنے شانے ہلا دئے تھے۔

قاتلوں کی تعداد چھ تھی اور یہ حسبِ ذیل تھے:۔ توپل (یعنی لنگڑا) توفیق، جو ایک نہایت ہی خطرناک شخص تھا اور ہر جرم کے لئے ہمیشہ تیار رہتا تھا۔ اس کو قتل کی سزا دی گئی تھی لیکن تمام قانونی مجرموں کی طرح ۱۹۰۸ء میں اس کو یلدیز نے معافی دے دی تھی۔ قانون اساسی کے قیام جدید کے بعد اس کو ۱۳ اپریل ۱۹۰۹ء کو باغی کی حیثیت سے گرفتار کر لیا گیا تھا اور یہ انجمن اتفاق (Entente club) کا ایک نہایت ہی اہم ممبر بن گیا تھا۔ کورامین (Kior-Emin) جو کامل پاشا کا ایک نہایت ہی قابلِ اعتماد جاسوس تھا۔ چرکسی ضیا اور فواد ناظم؛ یہ تینوں پرانے جرائم پیشہ لوگ تھے۔ کاظم بے، سابق کپتان، جو فوج کو تنہا چھوڑ دینے کے جرم میں تنزل کی سزا بھگت چکا تھا۔ عبدالرحمٰن پاشا پسر جنرل حاجی عظیم پاشا وظیفہ یاب۔ موٹر کار اسی شخص کی تھی۔ یہ عبدالحمید کا ایک نہایت ہی بدنام جاسوس رہا تھا۔ اس کو عبدالحمید نے بریگیڈ جنرل بنا دیا تھا لیکن ادارۂ اساسی نے اس کو فوج سے علیحدہ کر دیا تھا۔ ان لوگوں کے علاوہ اور بھی بہت سے شرکا و معاونین جرم تھے۔ اس قتل کے سلسلے میں جن لوگوں پر جرم عائد ہوتا تھا، ان میں حسبِ ذیل اشخاص بھی شامل تھے:۔ بریگیڈ جنرل داماد

صالح پاشا، جو سابق وزیر اعظم خیر الدین پاشا کا فرزند اکبر اور سلطان کے بھائی مرحوم شہزادہ کمال الدین کی بیٹی نبیہ سلطان کا خاوند تھا۔ اس شخص نے کور ابین کو ایک ہزار ترکی پاؤنڈ کا ایک تمسک لکھکر دیا تھا۔ رشاد بے، سابق وزیر داخلہ۔ صباح الدین بے سلطان کا بھتیجہ۔ جنرل شریف بے، سابق سفیر متعینہ اسٹاکہلم (Stockholm) (بظاہر اس شخص کا نام غلطی سے لیا گیا ہے) پاریس کے ہر سہ پناہ گزیں۔ موحد بے جو کامل پاشا کی وزارت میں صدر ناظم پولیس تھا؛

وزیر اعظم کے قتل کے ساتھ ساتھ قسطنطنیہ میں ایک فوجی اعلان بھی کیا جانے والا تھا لیکن ملٹری لیگ کو اپنے اثرات کے متعلق کچھ غلط فہمی پیدا ہوگئی تھی۔ چنانچہ قسطنطنیہ کے سپاہی ذرا بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلے۔ جس چیز نے اس جرم کو خاص طور پر سنگین بنا دیا تھا وہ یہ تھی کہ حامیان مفاہمت یا سرداران مطلقیت (دونوں نام ہم معنی ہیں) میں سے بعض اشخاص جنہوں نے قتل کی سازش کی تھی اور اس کے متعلق حکم دیا تھا، ایسے تھے، جن کی جان بخشی محمود شوکت پاشا کی مرحمت و مکرمت کی بنا پر ہوئی تھی۔ محمود شوکت پاشا نے ان لوگوں کو ۲۴ اپریل کے بعد سلطان کی التجا پر، جو اپنے خاندان کے اراکین کو سزایاب نہیں ہونے دینا چاہتا تھا، پھانسی سے بچا لیا تھا۔ محمود شوکت پاشا ہی وہ شخص تھا، جس نے ابھی ابھی کمیٹی کی مخالفت کے باوجود تمام سزایافتہ سیاسی مجرموں کو امان دے دی تھی۔ ان لوگوں نے محمود شوکت پاشا کو اس کا معاوضہ یہ دیا کہ اس کو قتل کر ڈالا؛

سعید پاشا حلیم کی وزارت۔ جنگ بلقان و ترکی کا حملہ اور ادرنہ پر دوبارہ قبضہ

محمود شوکت پاشا جس دن قتل ہوا اسی دن شہزادہ سعید حلیم کو عارضی طور پر صدر اعظم نامزد کر دیا گیا تھا۔ اس واقعے کے دوسرے دن محمود شوکت پاشا کی تجہیز و تکفین کے بعد شہزادہ سعید حلیم وزیر اعظم ہوگیا اور سات دن کے عرصے میں اس نے اپنی وزارت قائم کرلی۔ تشکیل وزارت کچھ آسان کام نہیں تھا تاہم اس کے اکثر قدیم رفیقان کابینہ جن کا صدر

محمود شوکت پاشا تھا، منٹی میں بھی برسر اقتدار رہے۔ ترمیمات صرف وزارت حربیہ جس کا صدر شوکت پاشا تھا، وزارت داخلہ، تعمیرات اور تجارت میں واقع ہوئیں؛

وزارت داخلہ پر حاجی عادل بے کی بجائے، انجمن اتحاد و ترقی کے جنرل سکریٹری، طلعت کا تقرر عمل میں آیا۔ طلعت نے ۱۹۰۹ء سے لے کر اس وقت تک جماعت اتحادیین میں نہایت ہی عظیم الشان کام انجام دئے تھے۔ وہ وقتاً فوقتاً وزیر داخلہ، وزیر تعمیرات، اور اکثریت پارلیمنٹ کا قائد رہ چکا تھا۔ طلعت ہی ۲۳ جنوری کے شدید انقلاب حکمت عملی کی قوت محرکہ تھا، جس نے کامل حکومت کا استیصال کر دیا تھا۔ وہ ایک نہایت ہی غیر معمولی ذہانت و قابلیت کا آدمی تھا، جو یہ جانتا تھا کہ اس کو کس چیز کی ضرورت ہے اور جو ذمہ داری سے کبھی نہیں جھجکتا تھا۔ سب سے زیادہ جو نمایاں فوقیت اس کو حاصل تھی وہ یہ تھی کہ ترکی نظم و نسق کی انتہائی خرابیوں کے دوران بھی وہ دیانت دار رہا تھا۔ حاجی عادل بے، جو طلعت بے کا "جسد ثانی" تھا انجمن اتحاد و ترقی کا طلعت بے کی جگہ جنرل معتمد مقرر کر دیا گیا۔ اس عہدے کی ذمہ داریاں نہایت اہم اور نازک تھیں، اور طلعت ہی ان پر قابو حاصل کر سکتا تھا۔ وزارت حربیہ پر عزت پاشا کا تقرر کیا گیا، جو ڈویژنل جنرل؛ سابق سردار اسٹاف؛ عساکر یمن کا میجر جنرل اور سپہ سالار اعظم تھا اور جو ۲۳ جنوری کے بعد سے نائب سپہ سالار اعظم اس لئے ہو گیا تھا کہ اساسی قانون کے مطابق سلطان بحری اور بری دونوں فوجوں کا سپہ سالار اعظم تھا۔ وزارت تعمیرات عثمان نظامی پاشا کو دی گئی، جو برلن کا سابق سفیر اور لندن کا پہلا وزیر مختار تھا۔ ایک ایسے وقت میں دی گئی جب کہ جرمنی سواس؛ ہرپوت؛ دیاربکر ریلوے (Sioas-Harpout-Diabekir Rly.) کے متعلق فرانس سے جھگڑ رہی تھی، اس عہدے پر ایک ایسے شخص کا تقرر، جو جرمنی کا نہایت جوشیلا طرفدار اور جرمنی کے اثرات کا نہایت سرگرم موید تھا، فرانس کے مقابلے میں کوئی دوستانہ فعل نہیں تھا۔ وزیر تجارت، سلیمان البستانی کو مقرر کیا گیا، جو مرونی کیتھولک سینیٹر تھا۔ جس زمانے میں وہ بیروت کی نیابت کر رہا تھا، اسی زمانے میں وہ پارلیمنٹ کا نائب صدر بھی رہ چکا تھا۔ یہ عہدہ اس کو اتحادیت کے ساتھ وفاداری کے صلے میں عطا کیا گیا تھا۔ سابق وزیر اعظم، سعید پاشا اس قدر بیمار تھے کہ وہ کوئی کام نہیں کر سکتے تھے

لہٰذا ان کی جگہ خلیل بے کو کونسل آف اسٹیٹ کا صدر بنا دیا گیا جو وقتاً فوقتاً اتحاد و ترقی کے صدر، وزیر داخلہ، اور بیت النابین کے صدر رہ چکے تھے۔ خلیل بے بہت دولتمند آدمی تھا۔ جماعت اتحادیین کی قیادت اور حکومت خلیل بے؛ طلعت بے اور عادل بے کی ذات پر منحصر تھی۔ ابتداءً کونسل آف اسٹیٹ کا صدر مجلس وزراء میں نہیں بیٹھا کرتا تھا۔ یہ ایک نئی بدعت تھی، جس کا آغاز سعید پاشا کی گزشتہ وزارت سے ہوا تھا اور جو اسی وجہ سے شروع کی گئی تھی کہ کمیٹی شہزادہ سعید پاشا حلیم کو کابینہ کے کاروبار میں حصہ لیتے دیکھنا چاہتی تھی، چاہے وہ بحیثیت ایک ایسے وزیر ہی کے کیوں نہ ہو، جس کے تحت کوئی سر رشتہ نہ ہو۔ سعید پاشا حلیم نے جو محمود شوکت پاشا کے عہد وزارت میں وزیر خارجہ تھے، اب بھی اس عہدے کو اپنے ہی پاس رکھا۔ پہلے رفعت پاشا، ترکی سفیر متعینہ پاریس کو اس عہدے کے لئے منتخب کیا گیا تھا مگر انھوں نے انکار کر دیا۔ لہٰذا وزیر اعظم نے وزارت خارجیہ کا کام خود سنبھال لیا؛ چونکہ بعض ایسے اہم مفادات جو خود سلطنت کی بقا پر موثر تھے خطرے میں پڑے ہوئے تھے، لہٰذا یہی مناسب تھا کہ یہی صورت اختیار کی جائے۔ ترکی کی خارجی حکمت عملی صرف ایک خاص طریقے اور تسلسل کے ساتھ ہی برقرار رہ سکتی تھی۔ وزارت کا سب سے پہلا کام محمود پاشا کے قاتلوں کے مقدمے کا فیصلہ کرنا تھا، جس میں کمیٹی کے تمام دشمنوں کو، جن میں ایسے لوگ بھی تھے جو بالکل بے گناہ تھے، شریک کر لیا گیا تھا۔ ۲۴ جون کو کورٹ مارشل نے (۲۴) آدمیوں کو سزا دی جن میں (۱۲) عدم پیروی میں سزایاب ہوئے تھے۔ سزا یافتہ مفرورین میں حسب ذیل اشخاص شامل تھے:—
شریف پاشا؛ صباح الدین بے، سلطان کی بہن سلطانہ سنیکا (Senika) کا بیٹا؛ رشید بے، سابق وزیر داخلہ؛ کمال مدحت بے؛ پرتو (Pertew) توفیق بے؛ لفٹننٹ کرنل ذکی بے؛ اسماعیل بے؛ سابق نائب گومولجینا (Gumuldjina) سابق جنرل عبدالرحمن پاشا؛ حکمت، برادر کپتان کاظم بے؛ محمود بے جندارمی کا وظیفہ یاب کمانڈر؛ کواکی (Civaki) مصطفےٰ آفندی[1]؛ اور ناظم بے۔ ۲۴ کو دن کے

---

[1] اس کو دسمبر ۱۹۱۳ء میں ترکی پولیس نے ایک روسی جہاز میں گرفتار کیا تھا۔ وہ سیوں نے اس

ساڑھے تین بجے سلطان بایزید اسکیر میں بقیہ حسب ذیل ملزمین کو پھانسی پر چڑھا دیا گیا:- بریگیڈیر جنرل داماد صالح پاشا؛ سابق کپتان کاظم بے؛ توپل توفیق؛ لفٹننٹ محمد علی؛ ضیاء بے؛ بحری لفٹننٹ، عسکری بے؛ کرنل فواد بے؛ سابق ناظم پولیس، موحد بے؛ پروفیسر عبداللہ صفا؛ جواد شوفر؛ جندارمی کمال؛ اور حقی تو

لیکن قسمت ترکوں کے لئے ایک انتقام کی تیاری کر رہی تھی۔ بلغاریہ نے مفتوحہ علاقہ جات کی تقسیم کے متعلق سربیہ اور یونان اور رومانیہ کے ساتھ جھگڑا پیدا کر کے، جس نے دبروجہ کی سرحدوں میں ترمیم کا مطالبہ کیا تھا، ۳۰ جولائی کو اپنے دو حلیفوں پر حملہ کرنے کی حماقت کا ارتکاب کیا، جس کی بناء پر رومانیہ نے بھی میدان میں آجانے کا فیصلہ کر لیا۔ استنبول کے ترکی جرائد نے اس جنگ بلقان میں ترکی کی مداخلت کے متعلق نہایت شد و مد کے ساتھ تلقین کرنی شروع کر دی۔ انھوں نے یہ اعلان کیا کہ عثمانی مصائب کا اصلی سبب ملعون و کمبخت بلغاریہ ہی ہوا ہے اور یہ کہ اسی کو تباہ ہو جانا چاہئے۔ انجمن اتحاد و ترقی کے آرگن، طنین نے اس موقع پر حسب ذیل تحریر شائع کی:-

"موجودہ صورت حال میں ترکی کو بھی کچھ توقعات ہیں متحدین نے گزشتہ سال نہایت ہی نامعقول غیظ و غضب کے ساتھ ہم پر حملہ کیا تھا۔ ہم نے اسی موقع پر صرف اپنی مدافعت کی اور نتیجہ یہ ہوا کہ ہمیں شکست ہوئی۔ متحدین ہی کی جانب سے اس امر کی طرف پیشقدمی کی گئی تھی کہ انھوں نے ہمارے جواب کا انتظار کئے بغیر التوائے جنگ کو منسوخ کر کے لڑائی کو از سر نو شروع کر دیا۔ آج بھی انھیں کی طرف سے ایسا ہو رہا ہے کہ معاہدات کو وہ پامال کر رہے ہیں اور ایک دوسرے پر حملہ آور ہیں۔ مبادیات صلح کی اب تک توثیق بھی نہیں ہوئی ہے۔ اور بعض نے معاہدۂ صلح پر ابتک دستخط بھی نہیں کئے ہیں۔ جو مسائل معاہدۂ صلح سے خارج ہیں، ان کا ابتک تصفیہ بھی نہیں ہوا ہے۔ پیرس کی معاشی کانفرنس کو اپنا اجلاس ملتوی کر دینا پڑا ہے۔ کیا ہمیں بہار کے موسم تک جب کہ ہمارے دشمن آپس میں صلح کر لیں انتظار

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:- گرفتاری کے خلاف بہت کچھ احتجاج کیا اور قیدی کو واپس مانگا لیکن کوئی اثر نہیں ہوا۔ عثمانی حکومت نے اپنے عذرات پیش کئے اور پولیس کے پری فکٹ کو موقوف کر دیا لیکن یہ اعلان کیا گیا کہ کوا کی نے اپنے آپ کو قید میں ہلاک کر دیا۔

کرنا چاہیئے؟ یہ کیا ہمیں موجودہ صورت حال کے، جس کو نہ جنگ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ نہ صلح سے، اخراجات برداشت کرنے چاہئیں اور فوجوں کو سرحدوں پر مقیم رکھنا چاہیئے؟۔ تمام دنیا جانتی ہے کہ ہماری فوجوں کے اجتماع کے اسباب فیننشل کانفرنس کے اشتعالات ہیں۔ کیا سلطنت عثمانیہ اپنے دشمنوں کے ہاتھوں میں کھلونا بنی رہے گی؟۔ پالیسی گفت وشنید کا انقطاع، بلقان میں جنگ، ناممکل صلح یہ تمام ایسی باتیں ہیں، جن کی بناء پر ہمیں ایک معقول نتیجہ حاصل کرنے کی فوراً کوشش کرنی چاہیئے۔ ہم اپنے دشمنوں کو صلح نامہ پر دستخط کرنے پر مجبور کریں گے۔ بلغاریہ ہمارے بالکل مقابل ہے۔ اور اسی کے خلاف ہم وار کریں گے۔ شتلجہ میں بلغاریوں نے تمام متحدین کے نام سے بعض مطالبات مرتب کئے تھے۔ لہٰذا اس سے زیادہ طبیعی اور کوئی امر نہیں ہو سکتا کہ ہم اپنے ان تمام مطالبات کا جو ہمیں متحدین سے کرنا چاہئیں، صرف بلغاریہ کو مخاطب بنائیں۔ اگر بلغاریہ بلقان کی دوسری ریاستوں کے ساتھ مفاہمت نہیں کر سکتا تو اس سے ہمیں کوئی بحث نہیں۔ بلغاریہ، جس نے اس قدر علاقے حاصل کر لئے ہیں، ہمارے واجبی مطالبات کو پورا کر سکتا ہے۔ لہٰذا ہمیں کو سب سے پہلے بلغاریہ کو ان تمام امور سے آگاہ کر دینا چاہیئے، جو معاہدات میں طے ہوئے ہیں۔ بلغاریوں کو ماہورہ کے مخرج سے نکال دینا چاہیئے اور اس امر کے متعلق قابل اعتماد ضمانتوں کا مطالبہ کرنا چاہیئے کہ وہ تاوان جنگ کے متعلق تمام قسم کی روباہ بازیوں سے دست کش ہو جائیں گے اور ساتھ ہی ساتھ عثمانی قرضۂ عامہ کا وہ حصہ ادا کریں گے، جو ان پر واجب الادا ہے۔ علاوہ بریں سلطنت عثمانیہ نے تاوان جنگ کے نظریئے کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے۔"

۶ جولائی کو سلطنت عثمانیہ نے صلح کانفرنس کے پہلے عثمانی نمایندے، جنرل عثمان نظامی پاشا کے ہاتھ ام ڈانف کے پاس ایک نوٹ ارسال کیا، جس میں یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ بلغاری فوجیں سلطنت عثمانیہ کے ملکو، علاقہ تھراس کا خط ایناز و میڈیہ تک فوراً تخلیہ کر دیں۔ بہر حال چونکہ اس نوٹ میں جواب کے لئے کوئی قطعی تاریخ مقرر نہیں کی گئی تھی اس لئے اس کی حیثیت اعلان جنگ کی سی نہیں تھی۔ بلغاریوں نے اس کا کوئی براہ راست جواب نہیں دیا بلکہ انھوں نے ام نے چی وچ کو قسطنطنیہ بھیج دیا۔ یہ شخص بلغاریہ کا سابق سیاسی ایجنٹ متعینہ ترکی تھا اور ہمیشہ سے دونوں ملکوں میں قیام اتحاد

کا طرفدار رہا تھا۔ ام نے چی وچ کی رسالت کا کچھ اچھا خیر مقدم نہیں کیا گیا۔ ۹ کو حکومت نے حسب ذیل سرکاری مراسلت شائع کی:-

"بعض جرائد میں آج صبح یہ خبر جو شائع ہوئی ہے کہ صوفیہ اور قسطنطنیہ کے مابین مبادلۂ خیالات سے ام نے چی وچ کا یہاں آنا بیکار ہو جائے گا، قطعی بے بنیاد ہے۔ اطلاعات موصولہ سے واضح ہوتا ہے کہ سرکاری حلقوں میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ام نے چی وچ کی سفارت قسطنطنیہ کا تعلق صرف سواحل مارمورہ اور سرحد اینوز و میڈیہ تک عثمانی علاقوں کے فوری تخلیئے سے ہے۔ ان علاقوں پر بلغاری قبضے سے سول اور ملٹری حلقوں میں جو جذبات پیدا ہو رہے ہیں ان کے مدنظر نیز اس معتدبہ نقصان کے لحاظ سے جو بلغاریوں کے قبضے سے ملک کو پہنچ رہا ہے۔ یہ یقینی معلوم ہوتا ہے کہ اگر بلغاریہ نے ہمارے مطالبات کو فوراً پورا نہیں کیا تو ان علاقوں پر دوبارہ قبضہ حاصل کرنے کے لئے ضروری تدابیر اختیار کی جائیں گی۔"

طنین نے روزمرہ اپنے لب ولہجہ میں زیادہ نخوت سے کام لینا شروع کر دیا۔ اس نے تحریر کیا کہ:۔ "ترکی کا نہ صرف اتحاد بلکہ اس کی غیر جانبداری بھی اس وقت ایک نعمت غیر مترقبہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ ترکی بلغاریہ یا یونان کو خوش کرنے کے لئے کوئی کام نہیں کرے گی۔ روپے فوراً رکھوا لئے جائیں"۔ ام نے چی وچ نے اعلان کیا کہ بلغاریہ کی ترکوں کے ساتھ بہتر تعلقات قائم کرنے کی غرض سے اس کے علاوہ اور کوئی خواہش نہیں ہے کہ ان مقامات کا تخلیہ کر دیا جائے، جو خط اینوز و میڈیہ کے دوسری طرف واقع ہیں، لیکن اسی کے ساتھ ساتھ فوری تخلیئے کی طرح ترکوں کا یہ مطالبہ بھی تھا کہ بلغاریہ تاوان جنگ سے دست بردار ہو جائے، عثمانی قرضہ عامہ میں اپنے حصے کو تسلیم کرے۔ اور بلغاری علاقوں میں جو مسلمان آباد ہیں ان کے حقوق کی ضمانت و کفالت ادا کرے۔ بلغاری نمایندوں نے ان مطالبات کے جواب میں تجاہل اور چناں چنیں سے کام لیا۔ ۲۰ کو شتلجہ کی فوجوں کو یہ حکم ملا کہ روڈاسٹو اور چارلو کی طرف کوچ کرنے کے لئے تیار رہیں۔ یہ لفٹننٹ کرنل انور بے ہی کا کام تھا کہ انھوں نے بالآخر، کمیٹی کی مدد سے، بلغاریہ کے خلاف جارحانہ کارروائی اختیار کرنے کے متعلق حکومت سے منظوری لے ہی لی۔ مشرقی نیز اس پر کسی مقابلے کے

بغیر دوبارہ قبضہ ہو گیا اور بلغاری فوجیں ہمیشہ پسپا ہوتی رہیں۔ ۲۲ کو اس خبر نے کہ انور بے کے رضا کاروں اور ابراہیم بے کی بے قاعدہ سوار فوج نے ادرنہ پر دوبارہ قبضہ کر لیا ہے، استنبول کو خوشی سے دیوانہ کر دیا۔

اس واقعے کے تین روز قبل ۱۹ رجولائی کو باب عالی نے ہوشیاری سے کام لے کر دول عظمیٰ کو یہ اطلاع دے دی تھی کہ ترکی ادرنہ پر قبضہ کر لے گی۔ عثمانی یادداشت اس طرح شروع کی گئی تھی کہ اس میں بلغاریہ پر مارمورہ کے مخرج کا تخلیہ کرنے سے انکار اور جب امپیریل گورنمنٹ نے اپنی فوجوں کو آگے بڑھنے کا حکم دیا تو اس وقت بلغاری فوجوں کو پیچھے نہ ہٹانے کا الزام لگایا گیا تھا۔ اسی سلسلے میں یہ تحریر کیا گیا تھا کہ:۔

"اس کے برخلاف امپیریل گورنمنٹ نے، جو دار السلطنت اور دردانیال کی مدافعت کرنا چاہتی ہے، ہمیشہ اس امر پر اصرار او راس کا مظاہرہ کیا ہے کہ پوری سرحد اینانز سے شروع ہو کر ایک ایسے خط سے شناخت کی جائے، جو شمال کی طرف جھکا ہوا ہو اور مریزہ کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتا ہو۔ اس واقعے کی کہ معاہدۂ صلح میں جیسا کہ چاہئے اس خط کو کھینچا نہیں گیا ہے توجیہ دول عظمیٰ کی اس خواہش سے ہو جاتی ہے کہ بلغاریہ کی پیدا کی ہوئی مشکلات کا ازالہ ہو جائے اور لندن میں نمایندوں کا اجلاس فوراً منعقد کر دیا جائے۔ ...... ان صورتوں میں امپیریل گورنمنٹ مجبور ہے کہ سرحد زیر بحث پر قبضہ کر لے اور دول کے اشتراک عمل کے ساتھ پھر اس کے مستقبل کا فیصلہ کر دے۔ باب عالی کی طرف سے اس امر کو بھی واضح کر دیا جاتا ہے کہ حکومت کی ایک طرف تو اس خواہش کی تکمیل کے لئے کہ دول عظمیٰ کے فیصلوں کا احترام کیا جائے اور دوسری طرف اس غرض سے کہ بلغاریہ کے ساتھ معمولی تعلقات قائم ہو جائیں، باب عالی مذکورہ خط کو ایک مشخصہ سرحد تصور کرتی ہے اور اس امر کا اقرار کرتی ہے کہ کسی عذر پر بھی اس خط کو عبور نہیں کیا جائے گا"۔

یورپ نے لندن کانفرنس کے تصفیوں کے متعلق ترکی کی بے پروائی پر بہت کچھ ناک بھوں چڑھائی۔ انگلستان نے اپنے وزیر مختار متعینہ قسطنطنیہ کے ذریعے سے یہ اطلاع دی کہ عثمانی حکومت کے طرز عمل اور ادرنہ کے قبضے کو پیش نظر رکھتے ہوئے برطانوی حکومت اپنے ان ایقانات کو واپس لیتی ہے کہ ترکی کو اپنے ایشیائی مقبوضات

میں صنعت وحرفت کے آغاز کے لئے وہ اخلاقی اور مادی مدد دے گی۔ برطانیہ ترکی کو اپنی موجودہ پالیسی کے تباہی خیز اثرات کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنے حال پر چھوڑ دے گا۔ یہ دھمکی اس لحاظ سے اہم تھی کہ اس کی بناء پر ترکوں نے ابھی سے اپنے ایشیائی مقبوضات کی انقطاعیت کا اندازہ لگالیا۔ لیکن عثمانی حکومت ان گیدڑ بھبکیوں سے اچھی طرح واقف تھی اور یہ جانتی تھی کہ یہ صرف زبانی جمع خرچ ہی ہے۔ حکومت عثمانیہ کو معلوم تھا کہ بیمۂ اتحاد یورپ محض ایک افسانہ ہے اور یہ کہ دول ترکی کے خلاف مشترکہ طور پر عمل پیرا ہونے پر کبھی متفق نہیں ہوں گی۔ ترکی کو اس امر کا یقین تھا کہ وہ جرمنی کی سیاسی تائید پر اچھی طرح بھروسہ کرتی ہے اور یہ کہ جرمنی کے اختلاف سے نہ صرف جبر سے کام لینے کے متعلق تمام مفاہمتیں ہی کالعدم ہو جائیں گی بلکہ اس کی بناء پر انگلستان اور روس فوجی مصروفیتوں سے بھی احتراز کریں گے۔ اس کے علاوہ دفاتر خارجہ کو جو ترکی کو لندن کے فیصلہ جات کا احترام کرنے پر بڑی خوشی سے مجبور کرتے، اس وقت اس امر کا خطرہ درپیش تھا۔ کہ کہیں اس قسم کی پیچیدگیاں واقع نہ ہو جائیں، جو ایک عام لڑائی کا پیش خیمہ ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ ترکوں نے اس موقع پر اس قدر اطمینان کے ساتھ صاف طور پر کہدیا کہ وہ ادرنہ سے کبھی دست بردار نہیں ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ انور بے نے سب کو صاف طور پر یہ سنا دیا کہ:۔ "لو ہم یہاں آ پہنچے اور اب ہم یہیں رہیں گے"۔ یہی وجہ ہے کہ جنرل عزت پاشا نے استنبول کے جرائد کے نام حسب ذیل تار روانہ کیا:۔ "میں اپنی اور اپنے رفیقان جنگ کی طرف سے اعلان کرتا ہوں کہ ہم کو ادرنہ کے چھوڑنے کا خیال نہیں ہے اور نہ کبھی ہم ایسا خیال کر سکتے ہیں کہ ادرنہ کبھی دشمنوں کے حوالے نہیں کیا جائے گا"۔

۷ اگست کو دول کے نمایندگان متعینہ قسطنطنیہ نے وزیر اعظم کے حسب ذیل اعلان کو حوالے کر دیا، جس کی انھوں نے ایک نقل چھوڑ دی تھی:۔

"میں اپنی حکومت کے حسب الحکم امپیریل گورنمنٹ کو نہایت صاف صاف الفاظ میں اس احترام کی یاد دہانی کرتا ہوں جو معاہدۂ لندن کے قائم کردہ نظریوں کے لئے واجب ہے اور خصوصاً اس فقرے کے متعلق جو خط اینوس و میڈیہ سے متعلق ہے اسی کے ساتھ مجھے یہ اقتدار بھی حاصل ہے کہ میں یور ہائی نس پر اس امر کا اظہار کر دوں

تشخیص جدید کے دوران میں دول ان حالات پر غور کریں گی، جن کو کہ حکومت اس سرحد کی حفاظت کے لئے ناگزیر تصور کرے"۔

اگر حکومت یہ بھی چاہتی کہ یورپ کی ہدایتوں پر عمل کرے تو ایسا کرنے میں اس کے لئے ایک شدید انقلاب کا خطرہ تھا، جس میں فوج ہر چیز کا صفایا کر دیتی۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ وہ یورپ کی مخالفت کرنے پر مجبور تھی۔ اس افواہ کے پھیل جانے پر کہ حکومت کی ایک جماعت کا یہ خیال ہے کہ یورپ کی طاقتوں کی متفقہ رائے کی مخالفت کرنا بیکار اور خطرناک ہے اور یہ کہ معاوضات کی بنا پر مسئلہ ادرنہ پر غور کیا جانا مناسب ہے، طلعت بے وزیرِ داخلہ نے طنین میں حسبِ ذیل نوٹ شائع کیا:۔

"ممکن ہے کہ بعض لوگ تخلیۂ ادرنہ کے موئید ہوں، لیکن جس شخص کے دل میں اس قسم کے خیالات ہیں وہ کابینہ کا رکن نہیں رہ سکتا۔ تمام وزراء کی بالاتفاق یہی رائے ہے کہ ادرنہ پر قبضہ بحال رکھا جائے۔ جو شخص اس کے تخلیئے کی موافقت میں زبان کھولے گا اس کو حکومت سے علیحدہ کر دیا جائے گا"۔

۱۱ر کو وزیرِ اعظم نے دول کے نمایندوں کو ان کی یادداشت کا جواب حوالے کر دیا۔ اس نوٹ میں حکومت عثمانیہ نے اپنے کو معاہدۂ لندن کا نہایت ہی راسخ پیرو ظاہر کیا۔ لیکن خطِ اینازو میڈیہ کی دوسری طرف کی آبادیوں کے باقاعدہ استیصال کو روکنے کی فوری مجبوری نے اس کو اس امر پر مجبور کر دیا تھا کہ وہ مذکورہ خط کے متعلقہ حصے کو نظرانداز کر دے۔ دول کے متفقہ نوٹ کے پہلے اور دوسرے فقرے میں جو تضاد واقع ہو گیا تھا، اس سے نہایت ہوشیاری کے ساتھ فائدہ اٹھا کر باب عالی نے یہ عذر پیش کیا کہ ایک ایسی سرحد کی قطعی ضرورت ہے، جو دارالسلطنت اور آبناؤں کی حفاظت کر سکے۔ اپنے جواب میں باب عالی نے "بے انتہا شکرگزاری کے ساتھ" اسی نوٹ سے یہ بھی ثابت کیا تھا کہ دول نے اس ضرورت کو تسلیم کر لیا تھا اور یہ کہ اس کی بناء پر امپیریل گورنمنٹ کا طرزِ عمل بالکل جائز اور درست تھا۔ آخر میں وزیرِ اعظم نے اس توقع کا اظہار کیا تھا کہ دول بھی اس سرحدی خط کو منظور کر لیں گی، جس کا ۱۹ جولائی کی مراسلت میں مطالبہ کیا گیا تھا۔

اس واقعے کے دوسرے روز دارالعوام میں ایڈورڈ گرے نے جو تخویف آمیز

بحث کی اور جس طریقے پر ترکی نوٹ کا جواب دیا کہ اس سے استنبول کی آبادی کے جذبات اور بھی برانگیختہ ہو گئے ۔ لوگ صرف بلغاریہ کے ساتھ لڑائی کی بات چیت کرنے لگے ۔ یورپین ڈپلومیسی نے اپنی خواہشات کو ترکی سے منوانے کے لئے بہت کچھ کوشش کی مگر کوئی نتیجہ نہیں نکلا ۔ روس نے ترکی کے مالی مقاطعے کی تجویز پیش کی مگر باب عالی پر ذرا بھی اثر نہیں ہوا ۔ باب عالی نے روس کی اس تجویز کا یہ جواب دیا ' اور واقعات نے اس کے اس جواب کو ثابت بھی کر دیا ' کہ اسے ہمیشہ روپیہ مل سکتا ہے ۔ ترکی بندرگاہوں کی ناکہ بندی کا بھی کچھ تذکرہ کیا گیا ۔ صوفیہ میں اس امر کو یورپ ہی پر چھوڑ دیا گیا کہ وہ اپنے فیصلوں کا ترکوں سے احترام کرائے ۔ ترکوں کی طاقت میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا ۔ انھوں نے نہ صرف ادرنہ ہی کو اپنے قبضے میں رکھا بلکہ اس امر کا بھی مطالبہ کیا کہ جدید سرحد اینا ز ' مریزہ ' اور ادرنہ کے متعلق خود اپنی شرطیں پیش کریں گے ۔ ساتھ ہی انھوں نے مغربی تھریس پر بھی دوبارہ قبضہ کر لینے کا کچھ تذکرہ چھیڑا ۔ بلغاریہ والوں نے اس خوف سے کہ مبادا ان کی سابقہ فتوحات کا یہ آخری ٹکڑا بھی ان کے ہاتھ سے نکل جائے ' ترکی سے راست معاملت کرنے کا تصفیہ کر لیا ۔

بلغاریہ کے ساتھ صلح ۔ معاہدۂ قسطنطنیہ ۔ یونان کے ساتھ صلح ۔ معاہدۂ اتھینا ۔ مسئلۂ جزائر ۔ ترکی کی انتقام کے لئے تیاری

سرکاری کانفرنسیں ستمبر میں شروع ہو گئیں ۔ ان کانفرنسوں کے اجرائے کار میں پہلے ہی سے بہت کچھ دقتیں حائل ہو رہی تھیں اور اب اس وجہ سے اور بھی زیادہ مشکلیں پیدا ہو گئیں کہ مغربی تھریس میں مسلمانوں نے بغاوت برپا کر دی ۔ باغیوں نے اپنے لئے ایک علحدہ صوبہ داری حکومت قائم کر لی تھی ' جس کا صدر مرکز گومول جینا میں تھا ۔ یہی وہ صورت حال تھی جس نے باب عالی کو مریزہ کے بیدھے کنارے کی زمینوں کے متعلق مطالبات

پیش کرنے پر اکسایا تھا۔ بہرحال ۱۰ ستمبر کو بیشتر مسائل کا تصفیہ ہو گیا جس معاہدۂ صلح میں جدید سرحدوں کا تشخص کیا گیا تھا اس پر دستخط ثبت ہو چکے تھے اور اس معاہدۂ صلح کے اس ضمیمے کا مسودہ بھی دونوں فریقوں کے فوجی نمایندوں نے مرتب کر لیا تھا۔ بلغاریوں نے تمام شرائط کو منظور کر لیا تھا۔ انھوں نے ادرنہ قرق کلیسی، ڈموتیکا سے دست برداری دے دی اور اس طرح مرزہ کا تمام دایاں کنارہ ترکوں کے حوالے کر دیا۔ یہ علاقہ مندرہ سے شروع ہو کر ڈموتیکا کے جنوب و مغرب میں (۲۵) کلومیٹر تک پھیلتا ہوا مصطفےٰ پاشا کے جنوب میں دو کلومیٹر تک وسیع تھا۔ ترک شرمان پر قابض رہے۔ سرحد قدیم ترکی اور بلغاری سرحد سنجک تا جیبلر کی پیروی کرتی ہوئی ٹھیک مشرق کی طرف مڑ کر اسینا کے ساتھ ساتھ موضع سیا آن استیفانو تک گئی تھی، جو بحر اسود پر تری نو واجمک کے مغرب میں واقع ہے۔ ایک قسم کی تالیف قلب کے طور پر بلغاریوں کو بحر اسود کے ساحل پر بعض ایسے اضلاع دے دئے گئے، جہاں ان کو اکثریت حاصل تھی لیکن اسی کے ساتھ ان کو ادرنہ اور ویدغاچ ریلوے لائن کا یا کم سے کم اس کے بالائی حصے اور ویدغاچ کا نقصان برداشت کرنا پڑا۔ اس کو دراصل بحر ایجین پر وسطی بلغاریہ کا ایک حصہ شمار کیا جانا چاہئے تھا۔ اس قطعے کے بلغاریہ کے ہاتھ سے نکل جانے کی وجہ سے اس کی معاشی ترقی اپنے آغاز ہی میں خاک میں مل گئی اس لئے کہ پہاڑوں میں ریلوے لائن کے تعمیر کرنے سے بے شمار اخراجات لاحق ہوتے۔

ان امور میں بھی، جن کا تعلق تیراس اور مقدونیہ کے ان اضلاع کے باشندوں کی قومیت سے تھا جو بلغاریہ کو دے دئے گئے تھے، ترکی مطمحِ نظر کو غلبہ حاصل رہا۔ ان باشندگان زیر بحث کو چار سال کی مہلت اس لئے دی گئی کہ وہ اس اثناء میں اپنے لئے کسی قومیت کا انتخاب کر لیں۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی طے ہو گیا کہ اس چار سال کی مدت میں ان کو عثمانی رعایا سمجھا جائے گا۔ اور یہ کہ اگر اس مدت کے منقضی ہو جانے پر کسی نے اپنے لئے کسی قومیت کا انتخاب نہیں کیا تو ترکی اس کو بلغاری رعایا تصور کرے گی۔ ان علاقوں کے اصلی باشندے، جو سلطنت کے ایک صوبے میں سکونت رکھتے تھے، حسب سابق عثمانی رعایا تسلیم کر لئے گئے۔ اسی طرح یہ بھی تصفیہ ہو گیا کہ دوسرے لوگ بھی جو سلطنت کے کسی صوبے کے باشندے ہوں، اپنی عثمانی قومیت کو اس صورت میں بھی برقرار رکھیں گے کہ ان کے مسکونہ صوبوں کو بلغاریہ کے حوالے کر دیا جائے۔ یہ حقِ انتخاب شخصی تھا اور باپ کو یہ اختیار حاصل

نہیں تھا کہ وہ اپنے خاندان کے لئے انتخاب کر سکے۔ نابالغ بالغ ہو جانے پر اپنے لئے انتخاب کرتے تھے۔

ترکی کے جنگی قیدیوں کے متعلق بلغاریہ نے یہ مطالبہ کیا کہ ان پر جو اخراجات ہوئے تھے وہ ترکی ادا کرے۔ ترک صرف افسروں کے اخراجات برداشت کرنے پر راضی ہو گئے اور سپاہیوں کے اخراجات کے مطالبے کو انھوں نے مسترد کر دیا۔ ترکوں کی طرف سے اس امر کا اظہار کیا گیا کہ بلغاریہ کو اس معاملے میں اپنے کو خوش قسمت سمجھنا چاہیے کہ ان قیدیوں کے متعلق کسی قسم کے تاوان کا مطالبہ نہیں کیا جا رہا ہے، جو اس کی قید میں ہلاک ہو گئے تھے۔ سفارت کے متعلق عدالتِ ہیگ سے استفتا کیا گیا۔

اب صرف اوقاف، مفتیوں اور مسلم فرقوں کے متعلقہ مسئلے کا تصفیہ باقی رہ گیا تھا۔ ایک سرکاری مراسلت میں، جو ۲۵ کو شائع ہوئی یہ بیان کیا گیا کہ "یکشنبہ کے اجلاس کے لئے صرف اوقاف کا مسئلہ باقی رہ گیا ہے، جس کو یقیناً توضیح کے ساتھ طے کر لینا چاہیے۔ اس مسئلے کے تصفیے کے بعد آئندہ ہفتے کے شروع میں معاہدۂ صلح پر دستخط کئے جا سکتے ہیں"۔

یہ نہایت ہی پیچیدہ مسئلہ تھا اور اگر بلغاری ترکوں کے تمام مطالبات کو جنھیں وہ قلیل ترین مطالبات سے تعبیر کرتے تھے، تسلیم کر لینے پر تیار نہ ہوتے، تو اس کی بنا پر صلح کی گفت و شنید میں بہت کچھ رخنے پڑ جاتے۔ بلغاریہ والوں نے اصولی حیثیت سے مسئلۂ وقف کے متعلق اپنی رضامندی کا پہلے ہی سے اظہار کر دیا تھا۔ اوقاف کی آمدنی بلغاریہ کے جدید علاقے کے ادارات متقدسہ کے قیام میں صرف کی جاتی تھی اور تصفیہ یہ ہوا تھا کہ ۱۹۰۹ء کے ترکی اور بلغاری معاہدے کی پابندی کرتے ہوئے مسلم جماعت ان کا انتظام کرے گی۔ جس امر کے متعلق اختلاف تھا، وہ یہ تھا کہ "معاہدۂ زیرِ بحث میں بلغاری حکومت کے حقِ نگرانی کو تسلیم کیا گیا تھا اور ترک یہ چاہتے تھے کہ بلغاریہ جدید میں اوقاف کی نگرانی کا حق قسطنطنیہ کے شیخ الاسلام کو حاصل ہونا چاہیے۔ اوقاف کی ابھی دو شقیں اور بھی باقی تھیں۔ (۱) مضبطہ، جو اناطولی کے خیراتی کاموں کے لئے مخصوص کر دیا گیا تھا اور (۲) مستثنیٰ، جو خیراتِ عامہ کے اخراجات کی کفالت کے لئے مخصوص تھا۔ ۱۹۰۹ء کے معاہدے میں بلغاریہ قدیم کے مستثنیٰ کا اس طرح لحاظ کیا گیا تھا کہ اس معاملے کی تحقیقات کے لئے ایک کمیشن کا قیام عمل میں آیا تھا، جو تین سال کے اندر اپنی رپورٹ پیش کر دینے والا تھا۔

اس کمیشن نے، جس کا کام ترکی اور بلقانی جنگ سے پہلے ہی ختم ہو جانا چاہیئے تھا، اب تک آخری نتائج اخذ نہیں کئے تھے۔

۲۹ ستمبر کو صلحنامے پر دستخط ثبت ہو گئے۔ معاہدۂ قسطنطنیہ نے بلغاریہ کے مسلم فرقوں کو ایک ایسی حیثیت عطا کر دی، جس نے ایک حیثیت سے انھیں ریاست میں ایک اور ریاست کا مرتبہ حاصل ہو گیا۔ اس معاہدے سے انھیں نہ صرف عیسائیوں کے ساتھ کامل مساوات ہی حاصل ہو گئی بلکہ شخصی مراتب کا جس حد تک تعلق ہے وہ بجائے بلغاری قانون دیوانی کے قانون شریعت کے بھی ماتحت ہو گئے۔ مسلم فرقوں کے صدر مفتیوں کا انتخاب خود مسلمان کرتے تھے، اور یہ مفتی اپنی باری پر صدر مفتی کو نامزد کرتے تھے، جس کی توثیق قسطنطنیہ کے شیخ الاسلام کی طرف سے ہوتی تھی اور جس کو مدارس اور خیراتی اور مذہبی ادارات پر اقتدار حاصل ہوتا تھا۔ بلغاریہ کے مسلم مدارس کے اخراجات جن کو اب تک خانگی تصور کیا جاتا تھا، اب ریاست پر عائد کر دیئے گئے۔ اوقافی جائیدادوں کے انتظام کے متعلق یہ تصفیہ ہوا کہ وہ شریعت کے قانون اور منشاء کے مطابق نافذ کیا جائے گا۔ کسی اوقافی جائداد کو اس وقت تک منتقل نہیں کیا جا سکتا تھا جب تک کہ یہ لحاظ جائے وقوع اتنی ہی مالیت کی زمین اس کے معاوضے میں نہ دی جائے اور مکان کی تعمیر کے مصارف نہ ادا کئے جائیں۔

اس موقع پر فقرہ ۱۹ کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہیں ہے، جس کے آخر میں یہ تحریر کیا گیا ہے کہ:۔ معاہدۂ لندن کے فیصلہ جات ان امور کے متعلق جن کا امپیریل آٹومان گورنمنٹ اور رائل بلگیرین گورنمنٹ سے تعلق ہے، اسی حد تک برقرار رہیں گے کہ آئندہ بحث و تمحیص سے ان میں کسی قسم کی ترمیم و تنسیخ نہ کی جائے۔

عثمانی حکومت کی طرف سے اس امر کا اعلان ہو جانے پر کہ وہ معاہدۂ لندن کو تسلیم نہیں کرتی، یہ ضابطہ صرف کاغذ کا ایک پھٹا ہوا ٹکڑا باقی رہ جاتا ہے۔ لیکن اب بلغاریہ کے ساتھ معاہدہ کر کے باب عالی نے معاہدۂ لندن کے اثبات کی تصدیق کے ذریعے سے اپنے کو خود ہی جھوٹا ثابت کر دیا۔ ترکوں کے مقابلے میں بلغاریوں کے صلح جویانہ اور عاجزانہ طرز عمل سے ہر شخص کو حیرت تھی۔ اس حالتِ درماندگی کو شاہ فرڈیننڈ کے جنگ سے پہلے کے اس عظیم الشان اعلان سے کس طرح مناسبت دی جا سکتی ہے،

جس میں اس نے اپنی رعایا کو صلیبی جنگ کی دعوت دی تھی اور اپنے لئے اربن ثانی کے اس قدیم نعرۂ جنگ کو اختیار کیا تھا کہ "خدا کا یہی منشا ہے"۔ بہر حال التوائے جنگ کے بعد سے جس کو انھوں نے نہایت حماقت سے کام لے کر ترکوں کے مقابلے میں منظور کر لیا تھا، بلغاریوں نے جو پالیسی اختیار کی تھی، وہ بالکل بعید القیاس معلوم ہوتی تھی۔ اس راز کا انکشاف روسی مداخلت سے ہو جاتا ہے، جس نے فتحمند بلغاری فوج کو اپنی فتوحات کے سلسلے کو جاری رکھنے سے روک دیا تھا اور خطوط شتلجہ پر قابض ہو جانے کو قطعی ممنوع قرار دیدیا تھا۔ فوجی جماعت، جو غالباً آسٹریا کی امداد پر پھولی ہوئی تھی، سربیہ اور یونان کو نقصان پہنچا کر مقدونیہ میں اپنا معاوضہ حاصل کرنا چاہتی تھی، جہاں دو سابق حلیفوں میں ایک مجرمانہ اور برادرکش لڑائی جاری تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ نستیر، جو سربیہ کے حوالے کر دیا گیا تھا ایک بلغاری اور کوزوویلائش قصبہ ہے، جہاں آدھی درجن سرقی النسل لوگ بھی سکونت نہیں رکھتے لیکن سربیہ کو اس قصبے کے لئے اپنے تمام عظیم الشان نتائج محصلہ کو جوکھم میں ڈالنے سے پہلے دوبارہ اس مسئلے پر غور کر لینا چاہئے تھا۔ یونان اور سربیہ کے خلاف لڑائی نہایت ہی برے طریقے پر شروع کی گئی تھی کیونکہ سیاسی احتیاجات نے جنگی ضروریات پر اولیت حاصل کر لی تھی۔ اس لڑائی کا بلغاریہ پر بہت برا اثر مترتب ہوا تھا اور یہی وجہ تھی کہ اس نے یونان کے خلاف ترکوں سے اتحاد کر لینا چاہا۔ امم نے چی وچ کی سفارت کا مقصد یہ تھا کہ ترکی اور بلغاریہ کے مابین ایک معاہدہ طے کر لیا جائے، جس کی قیمت یہ تھی کہ بلغاریہ خط مستقیم کی صورت میں اینانز اور میڈیہ کی سرحد کا تخلیہ کر دے اور اس سرحد کو تسلیم کر لے، جو مریزہ اور ارغنی کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتی ہے۔ ترکوں نے اپنی تمام فوجوں کو ادرنہ کی طرف بڑھا کر بلغاریوں کو دھوکا دیا۔ ترکوں کو معلوم تھا کہ ادرنہ کی مدافعت نہیں کی جائے گی اس لئے کہ ترکی کے خلاف جنگ کی تجدید کر کے بلغاری یونان سے انتقام لینے کی امید کو منقطع کرنا نہیں چاہتے تھے۔

شتلجہ کے قبضے کے متعلق روس کے امتناع سے، جس کا سینٹ پیٹرس برگ میں اقرار نہیں کیا جا سکا، بلغاریہ کی اس گردش منقلب کی تشریح ہو جاتی ہے، جو روسی محور پر آسٹریا کی جانب گردش کرنے سے رک گئی۔ اس نے صرف اس امداد کی

قوت کے متعلق دھوکا کھایا جو اس کے خیال میں یہاں سے اس کو حاصل ہونے والی تھی۔ اس واقعے سے یہ بات بھی سمجھ میں آسکتی ہے کہ روسی جرائد اور بعض پان سلیوسٹ اخبارات نے بلغاریوں پر کس لئے حملہ کیا تھا اور کیوں ان کے مظالم کے تمام قصوں کو شائع کیا تھا، جو قسطنطنیہ سے ان کے پاس بھیجے جاتے تھے۔ روس کو یقیناً اس امر پر اصرار تھا کہ کوالا (Kavalla) بلغاریوں کے حوالے کر دیا جائے لیکن اس رسمی مداخلت سے ان کے نزدیک اس اخلاقی امداد کا، جو سربیہ کو دی گئی تھی اور روس کی اس بے پروائی کا، جو مسئلۂ ادرنہ کے متعلق اس نے برتی تھی، کوئی معاوضہ نہیں ہوتا تھا۔ مقدونیہ کے بلغاریوں میں آرتھوڈاکس مذہب کو ترک کر دینے اور رومہ یا انگلستان کے کلیسا میں شریک ہو جانے کی جو تحریک پیدا ہوئی تھی، وہ روس کے خلاف اسی قدر غصے پر مبنی تھی، جتنی کہ فناریوں (Fanariote) اور یونانیوں کے خلاف نفرت پر۔

بلغاریہ کی طرف سے تمام قسم کی پریشانی سے آزاد ہو کر باب عالی نے اپنی توجہ یونان کی طرف مبذول کی۔ جولائی کے اختتام ہی سے ترکی اور یونان کے معاہدۂ صلح کے ضمیمے پر دستخط ثبت کئے جانے کے متعلق ایتھنا میں گفت و شنید کا آغاز ہو گیا تھا لیکن چونکہ دونوں فریقوں کو اتفاق نہیں تھا اس لئے ابھی تک گفت و شنید اپنے آغاز ہی میں تھی۔ مسائل مابہ النزاع حسب ذیل تھے:۔ سیاسی مراعات؛ اے کیومے نی کل (Ecumenical) پیٹریارک کے حقوق؛ جائداد وقف، حقوق شہریت؛ فوجی خدمت؛ یونانی جہازوں کا تاوان، جن کو جنگ سے پہلے ترکی نے ناجائز طریقے پر روک لیا تھا۔

حکومت ایتھنا کا یہ مطالبہ تھا کہ یونانی رعایا کو حوالگیوں سے اسی طرح استفادہ کرنا چاہئے جیسا کہ ۱۸۹۷ء کی جنگ ترکی و یونان سے قبل تسلیم کیا گیا تھا۔ باب عالی نے یہ ظاہر کر کے کہ معاہدۂ کنلجہ میں، جس پر یونان کے مطالبات مبنی ہیں، اس امر کے متعلق وضاحت سے کام نہیں لیا گیا ہے، یہ اعلان کر دیا کہ ایسا کرنا ناممکن ہے۔ اسی سلسلے میں یہ بھی بیان کیا گیا تھا کہ حکومت عثمانیہ نے ہمیشہ حوالگیوں کے متعلق ان کے حقوق کی مخالفت کی ہے اور اگر کبھی انھوں نے اس سے استفادہ کیا ہے تو یہ ایک غلط عمل تھا، جسے ہرگز قانون نہیں بنانا چاہئے۔ علاوہ بریں حوالگیوں کو دول عظمیٰ نے پہلے ہی سے

ناجائز قرار دے دیا ہے اور یہ طریقہ مسدود ہو جانے والا ہے۔

یونانی حکومت کی طرف سے مسلمانوں کی مذہبی آزادی، اوقاف کے انتظامات اور ان مقامات پر، جو یونان سے ملحق ہو گئے تھے، مسلمانوں کے شخصی مراتب کے قیام کے متعلق جو ضمانت دی گئی تھی، اس کے مسودے میں اس کا صرف یہ مطالبہ تھا کہ معاہدے کے ایک فقرے میں ایکومینیکل پیٹریارک کے ان تمام حقوق کو ناقابل تنسیخ تسلیم کر لیا جائے جو محمد الفاتح نے عطا کئے تھے۔ باب عالی نے اس بنا پر اس کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کہ وہ کسی ایسے فقرے کے اضافے سے اتفاق نہیں کر سکتی کہ جس کی بنا پر ایک بیرونی ریاست کو ترکی کے داخلی امور میں مداخلت کا حق حاصل ہو جائے۔

یونان کو جو علاقے حوالے کئے گئے تھے، ان میں مسئلہ اوقاف سے جن چیزوں کا تعلق تھا، ان کے متعلق باب عالی کا یہ مطالبہ تھا کہ یونانی حکومت نے ۱۸۸۱ء میں تھسلی کے اوقاف کے انتظامات کے متعلق جن شرائط کو تسلیم کیا تھا، انھیں یونان کے نئے صوبوں میں بھی نافذ کر دیا جائے۔ گویا تمام تہدیہ شدہ جائداد کو کہ جو وقف کے نام سے موسوم ہو، مساجد اور دوسرے ادارات مقدسہ کی ملک تسلیم کر لیا جائے۔ ایتھنز کی کابینہ یہ چاہتی تھی کہ مساجد کے لئے صرف ان اوقاف کو چھوڑ دیا جائے، جو ان کے نام سے موسوم ہیں۔ بقیہ تمام اوقاف کی وہ خود دعویدار تھی۔ وہ باور کرتی تھی کہ بین القومی قانون کے لحاظ سے یہ تمام مقامات یونانی ریاست کے قبضے میں آجاتے ہیں، جو عثمانی ریاست کی جانشین ہے۔ اگر یونان تھسلی میں اس امتیاز سے کام لیتا تو یہ صوبہ جنگ کے ذریعے سے فتح نہیں ہوتا بلکہ دوستانہ طریقے پر حوالے کر دیا جاتا۔

علاقہ جات مفوضہ کے اصلی باشندوں کے متعلق باب عالی نے حق انتخاب کے لئے تین سال کی مہلت کا مطالبہ کیا، جس میں ان کو عثمانی رعایا تصور کیا جائے گا۔ یونانی حکومت نے صرف ایک سال کی مہلت منظور کی اور یہ خواہش کی کہ حق انتخاب مفتوحہ علاقے کے ہر باشندے کو بلا لحاظ اس امر کے عطا کیا جائے کہ وہ کہاں مقیم ہے۔

یونان نے حکومت عثمانیہ کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ وہ اس کی مسلمان رعایا کو فوجی خدمت سے اس شرط کے ساتھ مستثنیٰ کر دے گی کہ ترکی کی یونانی رعایا کو بھی اسی قسم کا استثناء عطا کر دیا جائے۔ باب عالی نے اس مسئلے پر بحث کرنے سے بھی

انکار کر دیا۔ اثینا کی کابینہ نے اب یہ تجویز پیش کی کہ ترکی اپنی یونانی رعایا کی ایک خاص بٹالین قائم کرے اور یونان بھی اپنی مسلمان رعایا کے ساتھ یہی طریقے اختیار کرے جو ترکی ٹوپیاں پہنیں گے اور اپنی قومی روایات کو برقرار رکھیں گے۔ باب عالی نے پھر انکار کر دیا اس لئے کہ اگر یونانیوں کے لئے ایسا کیا گیا تو ارمنوں کے لئے بھی کرنا پڑے گا۔ حکومت یونان نے ترکی سے اس تمام یونانی رعایا کے لئے ایک عام معافی کا مطالبہ کیا، جو عثمانی فوج سے فرار ہو کر ادھر اُدھر چلی گئی تھی اور جس نے اپنے کو یونانی فوج میں بھرتی کرا لیا تھا۔ باب عالی نے اپنی غیر فوجی رعایا کو، جس نے یونانی فوج میں کام کیا تھا، معافی دیدینے پر رضامندی کا اظہار کیا مگر ان افسروں اور سپاہیوں کو معافی دینے سے انکار کر دیا، جو فرار ہو گئے تھے، اس لئے کہ اس عمل سے فوج کے انتظام پر برا اثر پڑتا تھا۔

سب کے آخر میں یونان نے اپنے ان تئو تجارتی جہازوں کی گرفتاری کے معاوضے میں تین ملین ترکی پاؤنڈ کا مطالبہ کیا، جن کو ایسے زمانے میں جب کہ ترکی اور یونان میں صلح تھی اور کابل پاشا ایک معاہدے کے انعقاد کی تجویز پیش کر رہا تھا، ترکی نے بین القومی قانون کی خلاف ورزی کر کے ضبط کر لیا تھا۔ ترک کسی قسم کا تاوان دینے کے لئے تیار نہیں تھے۔ انھوں نے بلند لب ولہجہ اختیار کر لیا۔ کمیٹی کے ایک آرگن، "ترجمان حقیقت"، نے متکبرانہ طریقے پر یونان کو یہ نوٹس دے دیا کہ اگر اس نے باب عالی کے مرتبہ صلحنامہ پر فوراً دستخط نہیں کئے تو ترکی بلغاریہ کے ساتھ اتحاد کر لے گی اور پھر یونانی خراب وخستہ ہو کر کوالا، سالونیکا اور جزائر ایجین کے استرداد پر مجبور ہو جائیں گے۔

اتحاد ثین کے آرگن نے تحریر کیا کہ:۔ "روس سلافیقیوں کا لحاظ کرتے ہوئے یونان کے خلاف ایک مشترکہ ترکی اور بلغاری فوجی نقل وحرکت کی مخالفت نہیں کرے گا بلکہ ممکن ہے کہ وہ اس میں خود بھی امداد کرے۔ اس قسم کے اشتراک عمل سے ہمارے لئے بہت کچھ فائدوں کے حاصل کرنے کا یقین پیدا ہو جائے گا۔ ہم صاف طور پر یہ کہے دیتے ہیں کہ ہم ایک ایسے اتحاد کے شریک ہیں، جو جزائر کے دوبارہ قبضے کو یقینی کر دے گا اور یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کا تعلق اناطولی کے حیات وممات سے ہے۔ یونان کو، جو اپنی شدید غلطیوں سے نہ صرف اپنے ہمسایوں ہی بلکہ نہایت ہی دوست رکھنے والی طاقتوں کو بھی اپنا مخالف بنا رہا ہے، سنجیدگی کے ساتھ اس مسئلے پر غور کرنا چاہئے۔

اس کو اس امر کا یقین پیدا کر لینا چاہیئے کہ اس کی قسمت کا دارومدار باب عالی کی ایک جنبش زبان پر ہے۔ اگر وہ ترکی اور بلغاری اتحاد کو روکنا چاہتا ہے تو اس کو فوراً ہمارے واجبی مطالبات کو منظور کر لینا چاہیئے"۔

باب عالی کا یہ منشاء تھا کہ اس گفت و شنید میں جزائر ایجین کو بھی شامل کر دیا جائے۔ وسط ستمبر کے قریب بہر حال گفت و شنید منقطع ہو گئی۔ تعلقات میں کچھ اس قدر کشیدگی پیدا ہو گئی تھی کہ یونان نے اپنی فوجوں کے انتشار کو روک دیا اور ترکی نے سرگرمی کے ساتھ اسلحہ بندی شروع کر دی۔ ۲ اکتوبر کو طینن نے یہ اعلان کیا کہ باب عالی کے پاس چار لاکھ آدمی تیار اس میں جمع ہو چکے ہیں، جو ایک مہینے کے عرصے میں تمام مختصیوں کو سلجھا دیں گے۔ بہر حال ایک نیا عثمانی نمائندہ ہرانت بے آبرو (Hrant-Bey-Abro) باب عالی کا مشیر قانونی ۳ ستمبر کو دوبارہ گفت و شنید کا آغاز کرنے کے لئے ایتھنا کو روانہ ہوا۔ چھ ہفتے کی شدید محنت کے بعد، جس میں استنبولی جرائد یونان کے خلاف متواتر اہانت آمیز مضامین شائع اور تجدید جنگ کا مطالبہ کرتے رہے، ۱۴ نومبر کو آدھی رات کے کچھ بعد صلحنامہ پر دستخط ثبت ہو گئے۔ معاہدہ ایتھنا ترکوں کے حق میں مفید تھا۔ یہ ایک نہایت ہی تعجب کی بات ہے کہ یونان نے بعض ایسے امور کو منظور کر لیا، جن کو اس کے جرائد اور مدبرین نے ہمیشہ ناقابل قبول بتایا تھا۔ چنانچہ فقرہ ۲ کی رو سے، جس میں سیاسی تعلقات کے منقطع ہوتے ہی موجودہ معاہدات کے نفاذ سے بحث کی گئی تھی، یونان کو حوالگیوں کے متعلق ویسے ہی محدود اختیارات حاصل ہوئے، جیسے کہ ۱۸۹۷ء کے قونصلی معاہدے سے ہوئے تھے۔ شہریت کے متعلق بھی عثمانی مطمح نظر کو فوقیت حاصل رہی (فقرہ ۵) سلطان اور شاہی خاندان کی ذاتی املاک نیز علاقۂ مفوضہ کے باشندوں کے حقوق املاک و تفویضات کے متعلق بھی باب عالی کو کامیابی ہوئی۔ (فقرہ ۶ و ۷)۔ سب سے زیادہ جس مسئلے پر بحث ہوئی وہ اس جائیداد سے متعلق تھا، جو عبدالحمید کی سول لسٹ کے ذریعے سے حاصل کی گئی تھی اور جس پر سلطنت عثمانیہ نے اس لحاظ سے قبضہ کر لیا کہ سابق سلطان نے اس کو غصب کر لیا تھا۔ یونانی ریاست ان کی اس لحاظ سے دعویدار تھی کہ اس کے نزدیک وہ عام جائدادوں کی حیثیت رکھتی تھیں۔ اس مسئلے کے متعلق عدالت ہیگ کی رائے

طلب کی گئی۔ (پروٹوکول ۱) ان کے علاوہ حسب ذیل مسائل کا بھی تصفیہ ہو گیا۔ جون کے عثمانی جنگی قیدیوں کی کفالت (فقرہ ۸) اعلان جنگ سے یونانی جہازوں کی گرفتاری (فقرہ ۹) تسخیر سالونیکا کے سلسلے میں مال غنیمہ کے متعلق بعض فقروں کی تعبیر (فقرہ ۱۰) یونان میں اسلامی فرقوں کے ساتھ ویسا ہی سلوک روا رکھا گیا جیسا کہ معاہدہ قسطنطنیہ کی رو سے بلغاریہ میں کیا گیا تھا۔ اوقاف کے مسئلے میں بہرحال یونان کو فتح ہوئی۔ باب عالی نے یہ مطالبہ کیا تھا کہ ان املاک کا انتظام قسطنطنیہ کی وزارت اوقاف کا ایک نمایندہ انجام دے مگر یونان نے اس امر پر زور دیا کہ خود اسلامی فرقے ہی ان کا انتظام کریں۔ چنانچہ اسی نظریئے کو فتح حاصل ہوئی اور یہی حال اوقافی عشر کی تنسیخ کا ہوا (فقرہ ۱۲)۔

اب صرف سربیہ اور مانٹی نیگرو کے ساتھ صلح ہونی باقی تھی لیکن ام پیفلوفش اور حکومت عثمانیہ کے مابین گفت و شنید کا سلسلہ ابھی تک برابر جاری تھا۔ سربیہ ایک ایسے علاقے کے ذریعے سے ترکی سے ملحق تھا کہ جس میں ایک بھی سربی باشندہ آباد نہیں تھا۔ لہٰذا اس نے مسلمانوں کے ساتھ وہی سلوک روا رکھنے سے انکار کر دیا، جو بلغاریوں اور یونانیوں نے روا رکھا تھا۔ اب رہی ترکی اور مانٹی نیگرو کی صلح تو بعینہ اسی قسم کی تھی جیسی کہ ترکی اور سربیہ میں طے پائی تھی۔

لیکن نہ تو معاہدہ لندن ہی میں جس کو ترکوں نے تسلیم نہیں کیا تھا، اور نہ معاہدہ قسطنطنیہ یا معاہدہ ایتھنز میں منقدونیہ اور مشرقی تھریس سے عثمانی تسلط کے اٹھا دینے کے متعلق کوئی تصفیہ کیا گیا تھا۔ ترکوں کے لئے تینوں معاہدوں کی کوئی قدر قیمت نہیں تھی۔ عثمانی حکومت انتقام کی تیاری کر رہی ہے اور وہ شخص بڑا ہی احمق ہو گا، جو ثبوت کو تسلیم نہ کرے۔ معاہدہ ایتھنز پر دستخط ثبت ہونے سے پہلے ترکی جرائد نے اپنے طرز عمل کو ترک کر کے یہ اعلان کر دیا کہ اگر جزائر ایجین ترکی کو نہیں دئے گئے تو یہ کوئی ایسی اہم بات نہیں ہو گی۔ ۱۴ نومبر کے بعد یونان کے خلاف جنگی جذبات میں از سر نو دگنی شدت پیدا ہو گئی۔ یورپ کے اس تصفیے نے کرٹینی ڈاٹز: امبراز؟ اور کیسٹی لوریزو کے علاوہ بقیہ تمام

۱؎ اس مسئلے پر بالآخر دونوں فریق متفق ہو گئے۔ اور صلحنامہ پر ۱۴ مارچ کو دونوں نے دستخط کر دئے۔

جزیرے یونان کو دیدئے جائیں، ترکی کو انتہائی درجے تک گرما دیا۔ استنبولی جرائد نے یونان کے خلاف جنگ کی لگاتار تلقین شروع کردی اور ان کے شائع شدہ مضامین پر اس وجہ سے اور بھی زیادہ غور کرنا چاہئے کہ ان کو لڑائی کے متعلق القا ہوا تھا۔ اسی دن سے جس دن سے کہ ترکی اور بلغاریہ میں صلح ہوئی استنبول نے یونان کے خلاف بلغاریہ کے ساتھ اتحاد کا سوال اٹھا دیا تھا۔ بہرحال بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے اس کے متعلق سب سے پہلے بلغاریہ کی طرف سے بعض تجاویز پیش کی گئی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ معاہدۂ صلح پر دستخط ہو جانے کے بعد بھی جنرل سیفاف کچھ مدت تک قسطنطنیہ میں ٹھہرا رہا۔ صوفیہ کے حالات اس موقع پر اتحاد کے موافق نہیں تھے۔ آج بہرحال دونوں حکومتیں باور کرتی ہیں کہ ان میں اتحاد قائم ہو سکتا ہے کیونکہ اس معاملے کے متعلق خفیہ طور پر گفت و شنید کی جارہی ہے۔ فتحی بے، ترکی سفیر متعینہ صوفیہ ۲۰ جنوری ۱۹۱۴ء کو قسطنطنیہ آیا تھا۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے ساتھ بلغاری حکومت کی طرف سے بعض جامد تجاویز لے کر آیا تھا۔

تمام واقعات کو پیش نظر رکھ کر اس امر کے متعلق جس حد تک قیاس قائم کیا جا سکتا ہے، اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ترکی یونان سے لڑائی کی تیاری کر رہی ہے۔ اس کو صرف اپنے ڈریڈ ناٹ، ریوڈی جینیرو کا انتظار ہے، جو اس نے انگلستان سے خریدا ہے اور جس سے اس کی بحری قوت متیقن ہو جائے گی۔ اس ڈریڈ ناٹ کے آتے ہی وہ اپنے بیڑے کو مجتمع کرلے گی۔ کون جانتا ہے کہ واقعات کے حدوث میں عجلت واقع نہیں ہو گی؟ یورپ نے اپنی بے بسی کو ثابت کر دیا ہے۔ ترکی تنہا یونان کے ساتھ اپنے معاملات کا تصفیہ کر لینا چاہتی ہے۔ اس کو جزائر کی ضرورت ہے اور ان کو حاصل کرنے کے لئے وہ بلغاریہ کی امداد سے لڑائی چھیڑ دے گی۔ حکومت عثمانیہ کے سرکاری آرگن صاف طور پر یہی کہہ رہے ہیں۔ ۱۹ جنوری ۱۹۱۴ء کا ترجمان رقمطراز ہے کہ: "یونان کا یہ مطالبہ کہ جزائر پر اس کے قبضے کی دول ضمانت کریں ایک شرمناک واقعہ اور ایک آئندہ شکست کا علی الاعلان اظہار ہے۔ یونان اب ایک نئی لڑائی اور شکست کے احتمال کا اقرار کرتا ہے، جس کے آگے اسے یقیناً سر تسلیم خم کر دینا چاہئے۔" ۲۰ جنوری کے طنین میں ترکی اور بلغاریہ کے اشتراک عمل

کو تسلیم کیا گیا ہے :۔ "جس حد تک ان طاقتوں کا تعلق ہے، جن کو ایک عام لڑائی کے واقع ہو جانے کا خطرہ ہے وہ باہمی مراعات کے ذریعے سے اپنے اختلافات کو مرتب اور اپنے مناقشات کو ہمارے سمندروں میں غرق کر کے اس کو ٹال دینا چاہتی ہیں۔ یہی وہ طریقہ ہے، جس سے کہ اتفاق ثلاثہ جنوبی البانیہ کی سرحد کے متعلق اتحاد ثلاثہ کو اور اتحاد ثلاثہ، جو اپنی ہر دلعزیزی میں پیچھے نہیں رہے گا، جزائر کے متعلق اتحاد ثلاثہ کو اطمینان دلا رہے ہیں۔ لہٰذا ہم یہ پوچھتے ہیں کہ کیا کسی ایسے رشتۂ ہدایت کا تلاش کر لینا ممکن نہیں ہے کہ جو صوفیہ کو اسٹنبول سے ملا دے؟ بلغاریہ کی آنکھیں ہمیشہ مقدونیہ کی طرف لگی رہی ہیں، جس کو وہ بھول نہیں سکتا۔ ترکی کے لئے صرف جزائر کو ترکی مقدونیہ تصور کر لینا باقی ہے اور یہی وہ رشتۂ ہدایت ہے، جو دونوں ریاستوں کو ایک دوسرے سے وابستہ کر دے گا اور ان کو انتقام کی گھاٹیوں میں ڈھکیل دے گا۔ یہ الفاظ دیگر ترکی کے قلب پر جو زخم لگایا گیا ہے، وہ ہماری کوششوں کے باوجود ہمیں ایک ایسے راستے پر ڈال دے گا، جو امن عامہ کے منافی ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ یہ کس کا قصور ہے؟ .... ترکی کو وہ تلخ تجربے اچھی طرح یاد ہیں، جو اس کی مشکلات کے بعد اس نے حاصل کئے ہیں۔ ان مساعی میں، جن سے ہم کل کام لینے والے ہیں ہم دول کے ۱۹۱۲ء کے تحائف کو کبھی فراموش نہیں کریں گے۔ عثمانیت اور اسلامیت نے اس واقعے کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیا ہے کہ دنیا کی آنکھوں میں اپنا ایک حق قائم کرنے کے لئے، صرف ایک ہی ایسا طریقہ ہے، جس کی پیروی کی جا سکتی ہے۔ بدقسمتی سے یہ طریقہ دردناک ہے لیکن ہم اس کی پیروی کر رہے ہیں"۔

۲۲ کو حسین جاہد نے طنین میں یہ تحریر شائع کی :۔ "اگرچہ دول نے باب عالی پر یادداشتوں، زبانی اور دوسری قسموں کے نوٹس کے گولے برسا دئے ہیں، لیکن ان میٹی لین اور شیو کے یونان کو دیدینے کے متعلق ترکی کی رضامندی کبھی حاصل نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا ترکی اور یونان کے تعلقات ایک لڑائی سے شروع ہوتے ہیں، جو بظاہر ناممکن التصفیہ معلوم ہوتی ہے۔ یہ لڑائی کس طرف رہبری کرے گی؟ اس وقت اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے لیکن باب عالی اور عوام کی رائے کا استقلال

اور قابلیت کو پیش نظر رکھ کر اس کے متعلق پیش بینی کرنا اتنا مشکل نہیں ہے۔
یہ درست ہے کہ دول نے اس مسئلے کا اپنے مطمح نظر کے مطابق تصفیہ کیا ہے۔
لیکن یونان اور ترکی کے مابین ابھی اس کے متعلق کوئی تصفیہ نہیں ہوا ہے۔ ممکن ہے کہ باب عالی کو اور اسی طرح یونان کو اپنی باری پر متحدین کی تلاش ہو لیکن اس قسم کی پیچیدگیوں کا وقوع ہونے سے پہلے دیکھنا یہ ہے کہ مدبرین کی چالاکیاں اور نیک خواہشات کیا کرسکتی ہیں"؟ ؟

مصوّر اوفکار نے ظریفانہ پیرائے میں یہ سوال کیا ہے: "کیا دول ترکی حملے کے مقابلے میں صرف مٹی لین اور شیو کی حفاظت کریں گی یا تمام یونان کی؟ اس اثنا میں کہ مٹی لین اور شیو کی حفاظت کی جارہی ہو اگر یونان سے سالونیکا اور کوالا کو چھین لیا گیا تو پھر کیا ہوگا؟ اگر قندیہ اور ریوتیہ پر قبضہ کرلیا گیا دول کیا کریں گی؟ ...."

"ترجمان حقیقت" کا بیان ہے کہ: "اس کی کچھ پروا نہیں کہ کیا کچھ کہا جارہا ہے۔ نتیجہ یہی ہوگا کہ ہمارے اور یونان کے مابین حساب فہمی ہوجائے گی"۔

"اگر عثمانی افواج اورنہ کو نہ چلی گئی ہوتیں تو خط اینا زومیڈیہ اب تک ہماری سرحد بنا رہتا۔ آج اگر ہم میں استحکام ہے تو جزائر کے متعلق دول کے تصفیے کو ہم غیر اہم تصور کرسکتے ہیں۔ جس دن ہم ایک مسلمہ واقعے کو محسوس اور اپنے حقوق کو دوبارہ حاصل کرلیں گے تو یہ فیصلہ خود بخود کالعدم ہوجائے گا۔ باب عالی نے یہ اعلان کردیا ہے کہ وہ اس فیصلے کو کالعدم تصور کرتی ہے۔ لہٰذا اس کو اپنے حقوق کو منوانے کے لئے لازمی طور پر ضروری فوج کو تیار کرلینا چاہئے"۔

ایسے اقتباسات، جو پہلے سے زیادہ پرمعنی ہوں، کثرت کے ساتھ درج کئے جاسکتے ہیں بالخصوص اس حالت میں کہ کسی کو حکومت کا وہ امتناعی حکم یاد ہو، جس میں اس نے جرائد کو اس امر کی ہدایت کی تھی کہ وہ سیاسی مسائل سے کوئی تعلق نہ رکھیں۔ اور پھر اس کے باوجود اس نے کمیٹی کے اخبارات کو اجازت دے دی تھی کہ وہ یونان کے خلاف جنگ کی فوری ضرورت کا اعلان کریں اور ترکی کی یونانی رعایا کے خلاف عوام کے جذبات کو بھڑکا دیں۔ ترکی حکومت نے، جو فرانس سے قرضہ لینے پر مجبور تھی، حکمت عملی سے کام لے کر اپنے کو صلح پسند ظاہر کردیا۔ اس طریقے پر اس نے اپنی ۱۴ فروری ۱۹۱۴ء کی یادداشت میں دول کے اس فیصلے کے خلاف

محض ایک رسمی احتجاج کیا تھا کہ ٹینی ڈاز؛ امبراآز؛ اورکیسٹی لوریزو کے علاوہ تمام جزائرِ یونان کے حوالے کر دئیے جائیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان تمام باتوں کے باوجود ترکی حکومت جزائر کو دنیا نہیں چاہتی تھی اور اس نے یہ مطالبہ کیا تھا کہ وہ ایک مفید پیرائے میں نجوز یونان سے اس معاملے کا فیصلہ کرنے کی ؛

یہ سوال کہ جزیرہ نمائے بلقان کس کی ملک تھا تصفیہ طلب ہی رہا۔ ایک طرف ترکی اور غالباً بلغاریہ تھے اور دوسری طرف یونان اور یقیناً سربیہ تھے، جن کی امداد پر، بشرطیکہ قرائن صحیح ثابت ہوں، رومانیہ بھی تھا۔ اس مشرقی ڈرامہ کا اب صرف آخری ایکٹ باقی رہ گیا تھا ؛

اکیسواں باب

ترکی کی موجودہ حالت

نسلی اعتبار سے

معاہدۂ برلن کے بعد یورپین ترکی - ایجین سواحل - ترکی اِن ایشیا - ایشیائے کوچک - دریائے فرات اور دریائے دجلہ کی گھاٹیاں - شام اور عرب - آبادیاں اور مذاہب - ترکی گروہ ؛ عثمانی ؛ ترکمانی - لاطینی ؛ یونانی ، لاطینی - سلافیقی گروہ ؛ بلغاری ؛ قزاق (Cossaks) گرجستانی گروہ ، چرکس ، لز - ہندی گروہ ، چنغانی (Tchinghanies) فارسی گروہ ، ارمنی گروہ - سامی گروہ ؛ دروزی (Druses) عرب ، مرونی (Maromites) متولی ، اسمٰعیلی ، یزیدی ، کلدانی اور شامی ؛ یہودی -

معاہدۂ برلن کے بعد یورپ میں ترکی کی حیثیت

سلطنت عثمانیہ پر جس پہلو سے بھی نظر کی جائے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کی امتیازی

خصوصیت اتحاد کا کامل فقدان اور اجتماعی زندگی کے ظاہری معمولی اسباب بھی موجود ہیں۔ جغرافیائی نقطۂ نظر سے ترکی تین غیر مساوی حصوں پر منقسم ہے، جو دنیائے قدیم کے تین مختلف حصوں میں واقع ہیں اور جن کا سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ یورپ اور افریقہ میں ان کی کوئی قدرتی حد نہیں ہے۔ علم نسل انسانی کے لحاظ سے ترکی میں مختلف قوموں اور قومیتوں کا جو ایک دوسرے کی بالکل ضد ہیں، مختلف مذاہب اور عقائد کا، جو ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں اور مختلف رسم و رواج کا، جن میں التیام و یکسانی قطعی ناممکن ہے، ایک حیرت انگیز طوفانِ بے تمیزی مچا ہوا تھا اور اب تک مچا ہوا ہے۔ سیاسی نقطۂ نظر سے ترکی کی بنیاد چونکہ فتوحات پر قائم ہوئی تھی۔ اس لئے اس کو کبھی یہ ڈھنگ نہیں آیا کہ مغلوب و مفتوح قوموں کو کس طرح اپنی قوم کے ساتھ ملا جلا لیا جائے۔ اس نے ان لوگوں کے ساتھ ویسا ہی سلوک کیا جیسا کہ ہیلوٹس کے ساتھ کیا جاتا تھا۔ ترکی کی ایک سیاسی اصطلاح سے بڑھ کر کبھی کوئی حیثیت نہیں ہوئی اور یہی وجہ ہے کہ جس دن فتح و نصرت نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا اسی دن اس کے حصے بکھرے ہو جائیں گے اور اس ناگزیر لمحے کا انتظار شروع ہو جائے گا۔ جب کہ وہ قطعی طور پر فنا ہو جائے گی۔

بحیرۂ روم کے تقریباً تمام سواحل افریقہ پر قابض ہو جانے اور یورپین سرحدوں کو تھیس (Theiss) تک فتح کر لینے کے بعد، سلطنت عثمانیہ نے اپنی اپنی فتوحات کا بڑا حصہ رفتہ رفتہ ہاتھ سے کھو دیا ہے۔ افریقہ میں اس کے پاس کچھ باقی نہیں رہا ہے۔ یورپ میں سواحل بحر اسود پر اس کا نہایت ہی ضعیف سا قبضہ باقی ہے اور بحر ایجین پر اس کے قبضے میں صرف ایک دوسرے درجے کا بندرگاہ یعنی بندر اینا ز (Enos) ہے تو

سواحل بحر ایجین

تھراس، جس کو ترک روما ئلی کہتے ہیں، اگرچہ یہ روما ئلی کی پاشنک عظمی (Pashalik) کا ایک حصہ ہی ہے، صرف مریزہ (Maritza) کے نشیبی مجرار پر مشتمل ہے۔ اس کے شمال میں بلغاریہ ہے۔ مغرب میں بلقانی پہاڑوں کا ایک وسیع

سلسلہ، رودوپ (Rhodope) ہے، جو بحر ایجین تک پھیلا ہوا ہے۔ مشرق میں بحر اسود اور کوہ استرانجہ (Strandja) ہے اور جنوب میں مامورہ اور تکیر داغ (Tekir Dagh) ہے، جس کے شواخ سے جزیرہ نمائے گالیپولی کے قالب کی ترکیب وتعمیر عمل میں آئی ہے اور جس کے شمالی حصوں سے کوہ استرانجہ کی شاخوں کے ساتھ مل کر جزیرہ نمائے قسطنطنیہ بنا ہے۔ ان حدود کے باہر ترکوں کے قبضے میں صرف مشرقی تراس باقی ہے، جس کی حد مریزہ پر ختم ہوتی ہے۔ مریزہ (جس کو قدما ہیبرس کہتے تھے) رودوپ سے نکل کر مصطفےٰ پاشا کے آگے ترکی علاقے میں داخل ہوتی ہے۔ ادرنہ کے مقام پر اس میں طنجہ اور اردہ (Tundja and Arda) ملتی ہیں اور پھر کچھ آگے بڑھ کر ارغنی (Erghen) بھی اس میں مل جاتی ہے۔ رودوپ کو شگاف تمپریغہ (Temprega gap) کے ذریعے سے صاف کرتی ہوئی دو مخرجوں سے سمندر میں جاگرتی ہے، جن میں سے ایک راست بحر ایجین میں گرتا ہے اور دوسرا خلیج اینازمیں۔

مریزہ کا نشیبی مجرا یوروپین ترکی کا سب سے زیادہ دولتمند اور آباد علاقہ ہے اور اس کو سب سے زیادہ سیاسی اہمیت حاصل ہے۔ شمال کے علاوہ اس کے تینوں طرف یا تو اونچے اونچے پہاڑ ہیں، جن میں بہت تھوڑے اور دشوار گزار درے ہیں جو ایسی چٹانوں اور گھاٹیوں میں ہو کر گزرتے ہیں، جن پر وہ گھنے جنگل ہیں جہاں اب تک کسی کی رسائی نہیں ہوئی ہے یا سمندر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تھریس اس لحاظ سے کہ ایشیا سے قریب ہے اور اس میں بے شمار بندرگاہیں ہیں، تجارتی نقطۂ نظر سے نہایت ہی عمدہ مقام پر واقع ہے۔ بحر اسود کا زائد پانی ایک وسیع قدرتی نہر کے ذریعے سے، جو ایک (۱۳۵) میل طویل اور (۴۵) میل عریض مخرج کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور یہ مخرج بھی پھر ایک تنگ نہر میں بدل جاتا ہے، بحر ایجین میں منتقل ہوتا ہے۔

قسطنطنیہ کی آبنائے یا تھریس کے باسفورس کی لمبائی (۲۹) کلومیٹر ہے اور چوڑائی، جو کہیں زیادہ ہے اور کہیں کم (۶۰۰) میٹر سے لے کر (۳۷۰۰) میٹر تک ہے۔ اس کے پانی کی، جو بحر اسود سے آتا ہے، روانی کی رفتار تقریباً (۵۰۰۰) میٹر

فی گھنٹہ ہے اور باوجود بے شمار موڑوں کے یہ شمال مشرق سے جنوب مغربی کی طرف بہتا ہے۔ اب تک اس آبنائے کی حفاظت کا دار و مدار خاص طور پر کرباش (Karbash) اور پوئنہ (Poyna) کے قلعوں پر تھا، جو بیرن دے توت نے ۱۷۷۳ء میں وہ چٹانوں پر ایسی جگہ تعمیر کئے تھے، جہاں باسفورس کی چوڑائی صرف (۱۸۰۰) میٹر ہے لیکن اب مٹی کے ایسے اہم دمدمے تیار کئے گئے ہیں، جن میں نہایت طاقت دار کروپ (Krupp) توپیں رکھی گئی ہیں۔ یہ درست ہے کہ یہ تمام دمدمے ان اونچائیوں کی پوری زو میں ہیں، جو یہاں سے کچھ ہی فاصلہ پر واقع ہیں اور دشمن دموز دری (Domuz-Dere) پر اپنی فوجیں اتار کر، جو یورپین لائٹ ہاؤس کے مغرب میں آٹھ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے، ان اونچائیوں پر قبضہ کر کے مذکورۂ بالا تمام قلعوں کو مسمار کر سکتا ہے۔

باسفورس کے جنوبی سرے پر قسطنطنیہ دنیا کے ایک نہایت ہی خوبصورت مقام پر واقع ہے۔ اس کی بندرگاہیں، جو (۹۰۰۰) میٹر تک خشکی میں گھس آئی ہیں، ایک ہی وقت میں (۶۰) لائن کے اور (۱۲۰۰) تجارتی جہاز آ سکتے ہیں۔ یہی وہ مقام ہے، جہاں ایران اور ایشائے کوچک سے آنے والے تمام قافلے ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔

بحر مارمورہ (جس کو قدماء پروپانٹس کہتے تھے) یورپین سواحل کے ساتھ تقریباً ایک متوازی خط قائم کرتا ہے اور ایشیائی ساحل پر خلیج اسمد (نکومیڈیہ)، خلیج مودانیہ یا خلیج غمناک اور جزیرہ نمائے قزیلق اس کو قطع کرتے ہیں۔

دردانیال (ہے لس پانٹ)، جو (۶۷) کلومیٹر لمبا اور (۵۲۶۲) سے (۷۵۹۰) میٹر تک چوڑا ہے، ایک بڑے دریا سے مشابہ ہے۔ یہ قسطنطنیہ اور بحر اسود کی کنجی ہے۔ راس سیجی (Sigie) اور راس دیلیا نٹی بحر ایجین کی طرف سے آبنائے کے داخلے کو روکتے ہیں۔ یہاں یورپ کی سمت میں سد البحر قلعہ سی نامی قلعہ ہے اور ایشیا کی طرف قوم قلعہ سی کا قلعہ ہے۔ ان دونوں قلعوں کے گولے اس طرف سے اس طرف تک نہیں پہنچ سکتے حالانکہ ان میں بھاری بھاری بحری توپیں موجود ہیں۔ دردانیال، کلید بحر، بہ سمت یورپ اور کلید سلطانیہ بہ سمت ایشیا ایسے قلعے ہیں جن کے گولے اس مقام پر ایک دوسرے کو پار کرتے ہیں، جہاں راس رولاز ،

راس دار دانا زیار اس بار بیرس کے واقع ہونے کی وجہ سے بیچ میں صرف پندرہ سو میٹر کا فاصلہ رہ جاتا ہے لیکن مدافعت کا ضروری حصہ وہ مقام ہے، جہاں جزیرۂ نمائے نغارہ بہ سمت ایشیا واقع ہے اور جہاں پہلے ابیدآز تھا۔ یہاں قریب قریب زاویہ قائمہ کی صورت کا ایک موڑ ہے، جو پایاب اور ریت سے بھرا ہوا ہے۔ اس میں سے ایک نہایت ہی تیز رفتار چشمہ بھی گذرتا ہے۔ اور جہازوں کو مجبوراً یورپین ساحل سے ملے ہوئے چلنا پڑتا ہے اور پھر ایک وقت میں صرف ایک جہاز ہی گزر سکتا ہے۔ ۱۸۰۰ء میں بعض فرانسیسی افسروں نے، جن میں کرنل ژوشے رودلے سیمن وینی کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے، یہ تجویز پیش کی تھی کہ اس مقام پر ایک مربع قلعہ تعمیر کردیا جائے۔ جس کی اونچائی تین یا چار منزلوں کے برابر ہو اور اس میں پوشیدہ بیڑیاں رکھدی جائیں؛ ان قلعوں کے گولے سامنے والے قلعۂ میٹاز کے لوگوں کو کراس کر کے دشمن کے جہازوں پر نہایت ہی تباہی خیز اثر ڈالتے اور ان کو اس قابل نہیں رہنے دیتے کہ وہ ان مدافعت کن اسکواڈرنوں پر حملہ آور ہوتے، جو راس نغارہ کے پیچھے چھپی ہوتیں۔ اس تجویز کو منظور کر لیا گیا تھا مگر اس پر عمل کبھی نہیں کیا گیا۔ بہر حال اب بھی جرمن افسروں کے زیر نگرانی قلعہ سد البحر قلعہ سی اور قلعہ تومم قلعہ سی میں جو نئی تعمیرات کی گئی ہیں، ان کی اور ترکی بیٹریوں کے زبردست توپ خانہ کی موجودگی میں اس راستے کو ویسی آسانی کے ساتھ طے نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ ۱۸۰۷ء میں کیا گیا تھا۔ تاہم خشکی کی طرف سے آبنائے پر حملے کو روکنے کے لئے کوئی تدبیر اختیار نہیں کی گئی ہے۔ دشمن کی فوج خلیج ساروزمیں گردیہ کے قریب خشکی پر اتر کر پیچھے کی طرف سے درۂ دانیال پر قبضہ کر سکتی ہے یورپین سمت پر اگر قبضہ ہو تو اس سے ایشیائی ساحل کے قبضے کا بھی یقین ہو جاتا ہے اس لئے کہ موخر الذکر اول الذکر کی پوری زد میں ہے۔ آبنائے کی مدافعت حقیقی معنی میں تھریس کے شہر سونیز (chersonese) پر منحصر ہے یعنی گالی پولی اور میٹاز پر؛

ترکی ایشیا میں

ارمنیہ کا وسطی حصہ، جس کا بلند ترین مقام آغر طاغ (Ararat) ہے

ترکی ان ایشیا کے تمام پہاڑوں کے ذریعے سے الگ تھلگ ہوگیا ہے۔ پہاڑوں کے دو سلسلے سواحل بحر اسود اور بحیرۂ روم کے ساتھ خطوط متوازی قائم کرتے ہیں۔ جنوبی سلسلے کو، جو سب سے زیادہ بلند ہے، طور کہتے ہیں اور دوسرے کو متقابل طور (anti-Taurus)

ایشیائے کوچک کی، جس کو ترک اناطولی کہتے ہیں، قدیم زمانے میں حسب ذیل تقسیم کی گئی تھی: بحیرۂ روم پر سلیشیو، پمفلیہ اور لیشیہ ہیں، بحر ایجین پر بہ سمت مشرق و مغرب قاریہ، لیڈیہ اور میسیہ ہیں، بحر اسود پر شمال کی جانب بتھینیہ، پیف لیگونیہ اور پان ٹس ہیں، وسط میں فریجیہ، گلاصیہ اور کپاڈوشیہ ہیں، اور اس سطح مرتفع پر، جو بہ سمت جنوب طور کے پہاڑی سلسلے اور وسط کے بلند سطح مرتفع پر واقع ہے، پسیڈیہ لائی کونیہ اور اساروس ہیں۔

ساحل بحر اسود میں بے شمار آبی راستوں کی وجہ سے بندیں بن گئی ہیں۔ یہ آبی راستے حسب ذیل دریاؤں کے بنائے ہوئے ہیں: سگوش ہان، جس کا دہانہ طریپولی کے قریب ہے، سرمدون، یسل ارماق (آئرس) اور قزل ارماق (ہے لیس) جو اناطولی کی سب سے بڑا دریا ہے اور وسطی سطح مرتفع سے نکل کر خلیج سامسون میں گرتا ہے، پار تھنیہ جو بتھینیہ کی مشرقی حد قائم کرتی ہے اور عماصرہ کے جنوب میں سمندر سے مل جاتی ہے، سقاریہ (سینگے ریس) جو تین باجگذار دریاؤں سے مل کر بنی ہے جن میں سے ایک انقرہ کے میدان مرتفع سے نکلتی ہے، دوسری کوہ دین دی مینوز سے اور تیسری کوہ المپس سے۔

خلیج مدونیہ میں ریس کے نیس کا پانی گرتا ہے، جس کے کنارے نیگی کا شہر آباد تھا، جو ۱۲۱۱ء کی کونسل اور سلجوقی سلطان پر صلیبیوں کی فتح کے لئے مشہور ہے۔ اسی خلیج میں سوسنورلگو (میکوسٹوز) بھی مع اپنی باجگذار دریاؤں خندوکس اور نیلوفر کے گرتی ہے۔

غرانیق جو ایدہ سے نکلتی ہے، بحر مارمورہ میں گرتی ہے۔ بحر ایجین میں سموکس اور سکیمندری گرتی ہے، جو ٹرائے کے میدان میں سے گزرتی ہے اور جس کے دہانے کیکوس، اور ہرمز سے، جو میسیہ اور لیشیہ اور اولیدوکس اور آیونیا کے بیچ میں حد قائم کرتی ہے، نیز مندری (میانڈر) سے ملتے ہیں، جو زمانہ قدیم میں اپنی رفتار کی سنجیدگی کے لئے مشہور تھی، اور جو لیڈیہ کو قاریہ سے اور آیونیا کو ڈورس سے جدا کرتی ہے۔

بحیرۂ روم میں حسب ذیل ندیاں گرتی ہیں :- کیٹے راکٹس، یوری میدان، جو فارسیوں پر کمان کی فتح کے لئے مشہور ہے سیلف (cydnus) جہاں اسکندر تقریباً تباہ ہوگیا تھا اور جہاں فریڈرک بار بروصہ غرق ہوا تھا، لاماز، جو کوہستانی سلیشیہ کو میدانی سلیشیہ سے جدا کرتی ہے، جیحون (پیراموز) طورا اور اماموز کے نقطۂ اتصال پر سے گزرتی ہے اور جسکی وادی میں خانہ بدوش ترکمانی بستے ہیں؛

دریائے فرات اور دریائے دجلہ کے مخرج :- فرات کوہ البوز سے اتر کر ارض روم میں سے گزرتی ہے، جہاں وہ سڑکیں، جو قاف سے ایشیائے کوچک کو جاتی ہیں، ملتی ہیں اور یہاں اس میں مراد چاہ (فرات مشرقی) بھی مل جاتی ہے، جو کوہ اغرہ طاغ سے نکلتی ہے۔ مغرب کی طرف خم کھا کر یہ دریا یکایک جنوب کی طرف مڑ جاتا ہے اور مسکین کے مقام پر خلیج فارس کی طرف اپنا معمولی جنوب ومشرقی راستہ اختیار کر لیتا ہے۔ دیر اور میادین کے درمیان میں بائیں طرف سے جنوراس میں آملتی ہے۔ فلوجہ کے مقام پر، جہاں وہ نہر واقع ہے، جو فرات کو دجلہ سے ملاتی ہے، یہ جہازرانی کے قابل بن جاتی ہے اور قرنق کے مقام پر دجلہ میں مل جاتی ہے۔ یہاں اس کا نام شط العرب ہو جاتا ہے اور وو دہانوں کے ذریعے سے، جن میں سے صرف مغربی دہانہ ترکی کے قبضے میں ہے، خلیج فارس میں جا گرتی ہے؛

ٹائگرس (جس کا ترکی نام دجلہ (بمعنی تیر) ہے) بہت سی باجگزار ندیوں سے مل کر بنی ہے، جو طورا اور وان لیک کے نواحی پہاڑوں سے نکلتی ہیں۔ دجلہ دیار بکر (عمیدہ) میں سے گزرتی ہوئی موصل کی آبپاشی کرتی ہے، جو اس کے سیدھے کنارے پر نینوا کے کھنڈروں کے سامنے واقع ہے۔ الٹی طرف سے زاب اکبر اور زاب اصغر اس میں گرتی ہیں اور یہ بغداد پہنچ کر، جس کی اگلی عظمت اب باقی نہیں رہی ہے، قرنق کے مقام پر دوبارہ فرات سے مل جاتی ہے؛

فرات اور دجلہ کا مخرج دو امتیازی حصوں پر منقسم ہے، جو ارمنیہ اور عراق (میسوپوٹیمیہ) ہیں۔ پہلا حصہ ایک کوہستانی علاقہ ہے، جو کوہ نفتہ کے ذریعے سے، جو ارمنیہ اصغر کو ارمنیہ اکبر سے جدا کرتا ہے، دو حصوں میں منقسم ہو گیا ہے۔ دوسرے کا نام عراق اس لئے رکھا گیا ہے کہ یہ دجلہ اور فرات کے بیچ میں واقع ہے۔

یہ چار منطقوں پر منقسم ہے، جو ایک دریا سے دوسرے دریا تک متوازی خطوط کی شکل میں بڑھتے چلے گئے ہیں۔ پہلا کوہستانی علاقہ طور کے شمالی نشیبوں تک جزیرہ تک پھیلا ہوا ہے، جو دریائے دجلہ پر واقع ہے۔ دوسرا، جو معمولی طور پر ناہموار ہے، پہاڑوں کے دامن سے شروع ہو کر فرات اور دجلہ کے سنگھم تک پھیلا ہوا ہے۔

شام و عرب:۔ خلیج الکزنڈراٹہ کے گرد گھوم کر طور کے آخری نشیب پیراموز کے مخرجوں کے قریب کوہ اماموز سے مل جاتے ہیں، جو سلیشیہ کو شام سے علیحدہ کرتا ہے اور خلائے آرنٹیز کے نیچے، جو کوہ کاسیوز کو کوہ پیروز سے جدا کرتا ہے، لبنان اور انٹی لبنان کی طرف چلا جاتا ہے۔

شام کے شمال میں اماموز ہے، مشرق میں فرات اور ریگستان ہے، جنوب میں بحرِ احمر ہے اور مغرب میں بحیرہ روم ہے اور لبنان اور انٹی لبنان کے دو متوازی پہاڑی سلسلوں نے اس کو شمال سے جنوب تک دو حصوں میں منقسم کر دیا ہے۔ ان دونوں پہاڑوں کے بیچ میں وہ وسیع وادی ہے، جو (۲۴۰) میل لمبی ہے اور جس میں دریائے نزانہ اور دریائے آرنٹیز بہتی ہیں۔ پہلی دریا انٹی لبنان سے نکل کر جنوب جنوب مغرب میں بہتی ہے اور اپنے مخرجِ خاص سے نوے میل کے فاصلے پر سمندر میں جا گرتی ہے۔ آرنٹیز بھی، جو بے شمار ندیوں اور نالوں کے اتصال سے بنی ہے، انٹی لبنان سے نزانہ سے چند کلو میٹر کے فاصلے پر نکلتی ہے۔ یہ دریا پہلے شمال شمال مغرب کی طرف بہتا ہے، پھر مشرق کی طرف مڑ جاتا ہے اور پھر شمال کی طرف مڑ کر عرض البلد (۳۶) ڈگری تک ساحل کے متوازی بہتا ہے۔ یہاں سے یہ پھر مغرب کی طرف اور کچھ آگے بڑھ کر جنوب کی طرف مڑ جاتا ہے اور (۱۰۰) میل کی مسافت طے کر کے قدیم شہر سلوشیہ کے کھنڈروں کے قریب سمندر میں جا گرتا ہے۔ یہ دریا حمص (ہیمیز)، حمہ (اپیفینی)، فامیہ (اپےمی) اور انطاکی (اینٹیاک) کو، جس میں رومہ والوں کے عہد کے چھ لاکھ باشندوں کی جگہ صرف دس ہزار کی آبادی ہے، پانی پہنچاتا ہے۔

نزانہ اور آرنٹیز کی یہ وادی، جو شام کے قلب کی حیثیت رکھتی ہے، زمانۂ قدیم کی (cœle syria) ہے، جو رومہ والوں کے زمانے میں دنیا کے بڑے غلہ گوداموں میں شمار کیا جاتا تھا۔ اس وادی کے شمال میں آرنٹیز اور فرات کے مابین ایک خشک

اور غریب ملک ہے، جس کی جنوبی اور مشرقی حد طور اور اماموز سے قائم ہوتی ہے۔ انٹی لبنان کے مشرق میں شام دمشقی (Syria Demascene) ہے، جو حقیقی معنوں میں ایک بے نظیر باغ ہے جس کی ابانہ اور فرفر آبپاشی کرتی ہیں۔ لبنان کے مغرب میں زمین کا ایک اور قطعہ ہے، جو (۲۴) سے (۳۰) میل تک چوڑا ہے۔ یہ قطعہ پہاڑوں اور سمندر کے بیچ میں واقع ہے اور نزانہ کے دہانے سے آرنٹیز کے دہانے تک پھیلا ہوا ہے۔

کوہ ہرمن کے مغرب میں، انٹی لبنان کے مغربی سرے پر، وادی جردان شروع ہوتی ہے، جس کا مجرا قدیم فلسطین اور یہودہ پر مشتمل ہے۔ کوہ ہرمن سے نکل کر جردان، میرام، جانِ سرات اور طبریہ کی خلیجیں بناتی ہوئی، ایک سو بیس میل کی مسافت طے کرنے کے بعد، بحر لوط (ڈیڈ سی) میں گم ہو جاتی ہے۔ بحر لوط ایک وسیع نشیب ہے، جو سطح سمندر سے (۴۹۹) ہاتھ نیچے ہے۔ اس کے چاروں طرف ننگے پہاڑ ہیں، جس سے موت اور تباہی کا اثر پڑتا ہے۔

ان پہاڑوں کے وسط میں ایک خشک مجرائے آب (basin) ہے، جو چاروں طرف سے زرد اور چٹیل چوٹیوں سے ڈھکا ہوا ہے۔ یہ چوٹیاں صرف اس قدر کھلی ہوئی ہیں کہ ان میں سے بحر اسود کے غار اور عرب کے دور دراز پہاڑوں کی صرف ایک جھلک سی نظر آتی ہے۔

اس پتھریلے منظر کے وسط میں، جس کے چاروں طرف ایک دیوار کھنچی ہوئی ہے، عبرت خیز آثار، منتشر سرو، کچھ صنوبر اور نوپل (nopals) کے درخت اور کچھ عربی وضع کی چھتیں سفید مزاروں کی طرح نظر آتی ہیں، جو کھنڈروں کے اس انبار کو چھپائے ہوئے ہیں۔ یہی مقام اندوہ ناک بیت المقدس ہے[1]۔

عرب برائے نام سلطان کا مطیع ہے اور حقیقتہً عرب سے مراد اسلام کے مقامات مقدسہ، مکہ (معظمہ)، مدینہ (منورہ)، صنعہ، طائف (اشرف) اور جدہ ہیں۔

---

[1] شیٹوبرائن: سفرنامہ پیرس تا بیت المقدس (Chateaubriands: Itinerary from Paris to Jerunsalem)

ان کے علاوہ اور تمام ملک خود مختار ہے۔

آبادیاں اور مذاہب

سلطنت عثمانیہ کے باشندوں کی صحیح قدر کو بصورتِ اعداد بیان کرنا نہایت مشکل کام ہے۔ صرف یہی نہیں ہے کہ اعداد و شمار ہی موجود نہ ہوں بلکہ یہ دشواری بھی ہے کہ اگر اعداد و شمار ہوں بھی تب بھی ان کو اس قدر بے پرواہی اور غیر دیانت داری کے ساتھ فراہم کیا جاتا ہے کہ ان سے اور بھی الجھنیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ہر شخص، جو مشرق اور بالخصوص ترکوں کے حالات سے واقف ہے، جانتا ہے کہ یہ لوگ اس بات کو کس قدر بری نظر سے دیکھتے ہیں کہ ان کی عورتیں منظرِ عام پر نظر آئیں یا ان کا تذکرہ کیا جائے۔ اکثر اضلاع میں عیسائی مسلمانوں سے بھی زیادہ اس معاملے میں احتیاط برتتے ہیں، اس لئے کہ ان کی عورتوں کے لئے اس قسم کے روز خطرے پیش آتے رہتے ہیں کہ بیوں، آغاؤں اور آفندیوں کے حرموں میں اضافہ کرنے کے لئے بھگا لی جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ مسلمانوں سے بھی زیادہ احتیاط سے کام لے کر ان کے وجود کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ حالیہ مردم شماریوں میں، جو کم و بیش سرکاری طور پر لے گئی ہیں، اکثر سنجکوں کے صرف مرد باشندوں کی تعداد ظاہر کی گئی ہے۔ اشتباہ کی دوسری وجہ، جس کا تعلق صرف عیسائی باشندوں سے ہے، وہ شدید اختلاف ہے، جو مختلف فرقوں کے سرداروں کے فراہم کئے ہوئے اعداد و شمار میں نظر آتا ہے۔ ہر فرقہ، دوسرے فرقے سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو بھی، اپنے میں شمار کر کے اپنے افراد کی تعداد میں بے انتہا اضافہ کر دیتا ہے اور دوسرے فرقوں کی تعداد کو گھٹا دیتا ہے۔ اگر کوئی شخص ان خانہ بدوش باشندوں کے، جو بجائے خود اہم ہیں، مثلاً کردوں اور عربوں کے شمار کی ناممکنیت پر غور کرے تو آسانی سے یہ بات اس کی سمجھ میں آجائے گی کہ ترکی کی مردم شماری کے متعلق صرف ایک اندازہ قائم کیا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص سلطنت کی مردم شماری کو دریافت کرنے کی غرض سے ان اعداد و شمار سے کام لے، جو پارلیمنٹ کے گزشتہ ترکی انتخابات کے موقع پر فراہم کئے گئے تھے تو اس سے

نہایت ہی تعجب خیز نتائج برآمد ہوں گے"۔
ہر نائب پچاس ہزار مرد باشندوں کا نمایندہ ہوتا ہے اور پارلیمنٹ میں (۲۶۰) ممبر ہیں، جن کے منجملہ (۲۱۳) مسلمان، (۴۲) عیسائی اور (۴) یہودی ہیں۔ اس لحاظ سے مسلمان مردوں کی تعداد (۱,۰۶,۵۰,۰۰۰)، عیسائیوں کی (۱۶,۰۰,۰۰۰) اور یہودیوں کی دو لاکھ ہوتی۔ لیکن اگر کوئی شخص قومیتوں کا مطالعہ کرے تو یہ صورت بالکل بدل جاتی ہے۔ گزشتہ پارلیمنٹ میں حسبِ ذیل ارکین تھے:۔ ترک (۱۱۹)؛ عرب (۷۲)؛ یونانی (۲۳)؛ البانی (۱۵)؛ ارمنی (۱۰)؛ کرد (۸) بلغاری (۲)؛ وغیرہ وغیرہ اس لحاظ سے ترکوں کی تعداد (۵۹,۵۰,۰۰۰)؛ عربوں کی (۳۶,۰۰,۰۰۰)؛ یونانیوں کی (۱۱,۵۰,۰۰۰)؛ ارمنیوں کی (۵,۰۰,۰۰۰)؛ کردوں کی (۱۰,۰۰,۰۰۰) اور بلغاریوں کی (۱,۰۰,۰۰۰) ہو جاتی ہے۔ چونکہ ان اعداد و شمار کا تعلق صرف اکیس سال سے زیادہ عمر رکھنے والے مردوں سے ہے اور ان میں بچے اور عورتیں شامل نہیں ہیں، لہٰذا یہ نتیجہ نکلتا ہے انتخابی شمار کے مطابق عثمانی آبادی (۴۲ ملین) سے بھی زیادہ ہے۔ اب رہیں قومیتیں تو اس شمار کے بموجب بعض میں تو ایک مضحکہ خیز حد تک تخفیف ہو جاتی ہے اور بعض بالکل ہی فنا ہو گئی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انتخابی اعداد و شمار کو کمیٹی اپنی ضروریات کے لئے جیسا چاہتی تھی بنا لیتی تھی۔ لہٰذا ان پر نہ تو بحیثیت مردم شماری کے کوئی اعتبار کرنا چاہئے نہ بحیثیت قومیت شماری"۔

سنہ ۱۹۱۲ء کی لڑائی سے پہلے آبادی غالباً (۲۶ ملین) سے زیادہ نہیں تھی اور یہ حسبِ ذیل طریقے پر منقسم تھی:۔

(۱) ترکی اقوام	آلِ عثمان	۷۰,۰۰,۰۰۰
	ترکمان	۳,۵۰,۰۰۰
(۲) یونانی و لاطینی اقوام	یونانی	۲۵,۰۰,۰۰۰
	البانی	۱۳,۰۰,۰۰۰
	کوزوویلاکش coutzo-Walach	۶,۵۰,۰۰۰
(۳) سلافیقی اقوام	بلغاری	۱۵,۰۰,۰۰۰
	سربی	۵,۰۰,۰۰۰

آبادی		قوم	گروہ
۳۵،۰۰۰	(Cossæks)	قزاق	(۴) گرجستانی اقوام
۵۰،۰۰۰	(Pomaks)	پماق	
۷،۰۰،۰۰۰	(circassians)	چرکس	
۵۵،۰۰۰	(Lazes)	لز	
۲،۱۲،۰۰۰	(Tchinganies)	چنگانی	(۵) ہندو اقوام
۲۰،۰۰،۰۰۰		ارمنی	(۶) فارسی اقوام
۱۱،۵۰،۰۰۰		کرد	
۶۵،۰۰،۰۰۰		عرب	(۷) سامی اقوام
۳،۱۰،۰۰۰		دروز	
۴،۹۰،۰۰۰	(Maronites)	مرونی	
۳۰،۰۰۰		متولی	
۲،۳۰،۰۰۰		کلدانی	
۹۸،۰۰۰		شامی	
۲۰،۰۰۰	(Yezedis)	یزدی	
۳،۰۰،۰۰۰		یہودی	

بلحاظ مذاہب آبادی کی حسب ذیل تقسیم کی گئی ہے:-

مسلمان (۱۹۹،۵۰،۰۰۰) — سنی

آبادی	قوم
۷۰،۰۰،۰۰۰	آل عثمان
۳،۵۰،۰۰۰	ترکمان
۱۰،۰۰،۰۰۰	البانی
۱،۵۰،۰۰۰	یونانی
۱۱،۵۰،۰۰۰	کرد
۷،۰۰،۰۰۰	چرکس
۵۰،۰۰۰	پماق
۵۵،۰۰۰	لز
۵۵،۰۰،۰۰۰	عرب

	شیعہ اور بے دین مسلمان	متولی		۳۰،۰۰۰
		عرب		۱۰،۰۰،۰۰۰
عیسائی (۸۱،۵۴،۰۰۰)	اِس کرِ ہیٹک گریک چرچ موسومہ ارتھوڈاکس	یونانی		۲۲،۸۵،۰۰۰
		ارمنی		۱۰،۰۰۰
		کوزوویلاکش		۶،۵۰،۰۰۰
		البانی		۵۰،۰۰۰
		سربی		۵،۰۰،۰۰۰
		قزاق		۳۵،۰۰۰
		بلغاری کلیسا		۱۴،۸۰،۰۰۰
	کیتھولک چرچ	لاطینی	البانی	۲،۵۰،۰۰۰
			شامی	۱۲،۰۰۰
			ارمنی وغیرہ	
		مرونی		۴،۹۰،۰۰۰
		ملکی	(Melkites)	(یونانی) ۶۵،۰۰۰
		ارمنی		۶۰،۰۰۰
		کلدانی		۲،۳۰،۰۰۰
		شامی		۱۰،۰۰۰
		بلغاری		۲۰،۰۰۰
	گرجستانی کلیسا (ارمنی)			۱۹،۳۰،۰۰۰
	جیگوبی کلیسا (شامی)			۶۱،۰۰۰
	پروٹسٹینٹس			۱۵،۰۰۰
مختلف (۸،۴۲،۰۰۰)		دروز		۳،۱۰،۰۰۰
		یزیدی		۲۰،۰۰۰
		چنگاقی		۲،۱۲،۰۰۰
		یہودی		۳،۰۰،۰۰۰

۱۹۱۴ء کی نئی پارلیمنٹ کے انتخابات نے ۱۹۱۲ء کے محاربہ کے انقلابات کی بنا پر ایک تازہ مردم شماری کی ضرورت پیدا کر دی۔ مفتوحہ ولایتوں کے اعداد کو وضع کر دینے کے بعد تمام سلطنت کی آبادی (۲۰) ملین باقی رہ جاتی ہے مگر یہ تعداد لازمی طور پر اندازے سے بیان کی گئی ہے۔

ترکی قبائل

آلِ عثمان:- ترکوں کا اصلی وطن وسطی ایشیا ہے لیکن مغرب کی طرف بڑھتے رہنے اور ہمیشہ یوروپین اقوام سے ملتے جلتے رہنے کی وجہ سے اُن کی اصلی وضع قطع، جو ترکمانیوں میں اب تک پائی جاتی ہے، باقی نہیں رہی ہے۔ موجودہ زمانے میں وہ بہ نسبت التائی (Altaique) قوموں کے قاف کے قوموں سے زیادہ مشابہ ہیں۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یورپ میں اب ترکوں کا وجود باقی نہیں رہا ہے سلطنت کے اس حصے کے مسلمان وہ البانی، سرزی، یونانی اور بلغاری لوگ ہیں، جنھوں نے اسلام قبول کر لیا ہے ایشیائے کوچک میں ان کی ایک متحدہ قوم آباد ہے، جو تقریباً چھ ملین کے قریب ہے۔ آلِ عثمان میں اضافہ اور زیادتی ہونے کے بجائے یہ لوگ مستقل طور پر گھٹ رہے ہیں۔ ۱۸۶۷ء میں مصطفےٰ فضیل پاشا نے عبدالعزیز کی موسومہ اپنی ایک رپورٹ میں اس واقعے کے متعلق خطرے کی اطلاع دی تھی۔ مسلمانوں کی بالعموم اور ترکوں کی بالخصوص اس بتدریج تخفیف کے کئی وجوہ ہیں جن کا ترکی کے متعینہ تمام یوروپین قونصلوں نے اظہار کیا ہے، اور جن کے منجملہ خاص وجہ فوجی خدمت ہے جو صرف مسلمانوں اور بالخصوص ترکوں سے لی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ایک وجہ آتشکی امراض بھی ہیں، جو گزشتہ پچاس سال سے ایشیائے کوچک میں شدید خرابیاں پھیلا رہے ہیں۔

اکثر مقامات پر، نہ صرف ان علاقوں ہی میں، جو ساحل سے نزدیک ہیں اور جہاں عیسائی عناصر کو غلبہ حاصل ہے، جو ان لوگوں سے زیادہ چست و چالاک، زیادہ محنتی، زیادہ جفاکش، زیادہ کفایت شعار اور مردم خیز ہیں، مسلمان پیچھے رہ گئے ہیں، بلکہ وسط کی سنجقوں میں بھی، جہاں مسلمانوں کو زبردست اکثریت حاصل ہے ان وسیع

میدانوں کے عین وسط میں، جن کو ویران اور بنجر چھوڑ دیا گیا ہے اور جو کچھ عرصے پہلے آباد اور زرخیز تھے، مقبرے اور سرو کے درخت اجڑ جانے والے مواضعات کی موجودگی کی شہادت دیتے نظر آتے ہیں۔ امراضِ خبیثہ اور فوجی خدمت اس تباہی کا سبب ہیں۔ یہ دونوں چیزیں اناطولی پر غیر معمولی تباہی خیز اثرات ڈال رہی ہیں اور ایشیا کے اگلے حصے پر بھی اب ان کے اثرات شروع ہو گئے ہیں۔ فوجی دستوں کی تخفیف ایک ایسا واقعہ ہے جس پر کسی طرح ردّ و قدح نہیں کی جا سکتی کستمونی، سواس، اور قونیہ، کی جو ولایت خداوندغیار کا ایک حصہ ہے، ایدین اور انقرہ کی ولایتوں میں بھی یہ وبا شروع ہو گئی ہے"۔

عبدالحمید کو اس خطرے سے، جس سے ترکی قوم کے ماخذ کے تباہ ہونے کا اندیشہ تھا، بہت کچھ پریشانی تھی۔ چنانچہ اس نے ایک جرمن اسپیشلسٹ، ڈاکٹر فان ڈورن پاشا کو جو نہ صرف اپنے فن کا ماہر ہی تھا بلکہ جس کا ضمیر بھی زندہ تھا، اس وبا کے دفعیہ کے طریقے دریافت کرنے کے لئے، ایشیا کے طبی معائنہ کی غرض سے متعین بھی کیا تھا۔ اس شخص کی مرتب کردہ رپورٹیں، جن کو اس لئے پوشیدہ رکھا گیا تھا کہ وہ نہایت ہی مایوس کن تھیں، اگر شائع ہو جاتیں تو کہا جاتا ہے کہ ان سے ترکی کی اخلاقی اور معاشرتی زندگی کے متعلق سالہا سال کی سیاسی رپورٹوں سے کہیں زیادہ مواد فراہم ہو جاتا ڈاکٹر فان ڈورن پاشا کی تجویز پر دواخانوں، انسدادی دواؤں اور مریضوں کے مواجہ میں لیکچروں کے متعلق کامل طور پر منظم تدابیر اختیار کرنے کے لئے فرمان شاہی نافذ ہوا۔ ولایت کستمونی میں ان باتوں کا آغاز بھی ہو گیا تھا لیکن ترکی میں قانون تو نہایت عمدہ عمدہ بنائے جاتے ہیں مگر ان پر عمل کوئی نہیں کرتا۔ جب ڈاکٹر فان ڈورن پاشا ترکی ملازمت سے علیحدہ ہوا تو اس نے جو جو تدبیریں اختیار کی تھیں ان سب پر پانی پھر گیا۔ سلطان نے ان مقامات پر، جو سب سے زیادہ موثر تھے، دواخانے قائم کرنے کے لئے بارہا احکام نافذ کئے مگر کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ اس غرض کے لئے جو رقم دی گئی تھی وہ سب ہضم کر لی گئی اور جو باتیں شروع ہو چکی تھیں وہ بھی ذریعہ ہائے قیام کے موجود نہ ہونے سے فنا ہو گئیں۔ حفظانِ صحت اور قیامِ تندرستی کا یہ مسئلہ اس قابل ہے کہ جدید حکومت اس کی طرف فوراً کامل توجہ مبذول کرے اس لئے کہ سلطنت عثمانیہ کے لئے